فتاویٰ فیض الرسول
3
جلد سوم
تصنیف:
فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ
سابق صدر شعبہ افتاء دار العلوم اہلسنت فیض الرسول
و بانی مرکز تربیت افتاء
نظر ثانی:
علامہ حافظ محمد حسن حبیب اختر قادری
ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

دین کا فقیہ کیا ہی بہترین آدمی ہے۔ (حدیث)

فتاویٰ برکاتیہ

بیادگار

صاحب البرکات حضور سیّد شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ و الرضوان

مُتوفی ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء

بانی سلسلۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوپی

تصنیف:

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ

سابق صدر شعبہ افتاء دار العلوم اہلسنت فیض الرسول۔

و بانی مرکز تربیت افتاء

ترتیب:

مولانا محمد ابرار احمد امجدی بن فقیہ ملت قبلہ

مولانا محمد شمس الحق قادری استاذ دار العلوم امجدیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور

Ph: 37352022

نام کتاب .... فتاویٰ برکاتیہ

بیادگار .... صاحب البرکات حضرت مخدوم سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان
بانی سلسلہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف (ضلع ایٹہ یو-پی)

تصنیف .... فقیہ ملت مولانا جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ

ترتیب .... مولانا محمد ابرار احمد امجدی بن فقیہ ملت قبلہ مدظلہ العالی
مولانا محمد شمس الحق قادری استاذ دار العلوم امجدیہ

تصحیح جدید .... حافظ محمد اختر حبیب اختر

سن اشاعت .... جنوری 2015ء

صفحات 312

تعداد 600

باہتمام .... محمد اکبر قادری

ہدیہ جلد سوم .... 400 روپے

2200/-

ناشر اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

تہدیہ

بخدمت اقدس واقف رموز شریعت، امام ارباب طریقت پیشوائے اولیاء حقیقت، شمس العارفین سراج السالکین، سلطان المرشدین زبدۃ الاصفیاء، سید الاولیاء، شیخ العلماء، مخدوم الفقہاء

حضور احسن العلماء سیّد حیدر حسن میاں صاحب قبلہ

علیہ الرحمۃ والرضوان مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ

(متوفی ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء)

جن کے علم و عمل اور زہد و تقویٰ سے اسلام و سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو بڑا فروغ ملا اور بے شمار گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم نصیب ہوا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

جلال الدین احمد

فہرست مسائل

عنوان	صفحہ

وضو اور غسل

عنوان | صفحہ

اذان و اقامت

نماز کی شرطیں

نماز کے فرائض

امامت کا بیان

عنوان — صفحہ

جماعت کا بیان

مفسدات نماز

نماز کے مکروھات

نفل نماز

قضا نماز

زکوٰۃ اور صدقہ فطر

محرمات کا بیان

مہر کے مسائل

عنوان	صفحہ

دودھ کا رشتہ

طلاق کے مسائل

قسم اور نذر

وقف کے مسائل

عنوان	صفحہ

مسجد کے مسائل

عنوان — صفحہ

خرید وفروخت

سود کے مسائل

بیع سلم

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

وراثت کے مسائل

مختصر سوانح

صاحب البرکات حضرت سیّد شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان

از

امین ملت حضرت سیّد شاہ محمد امین میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی

سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ (یو-پی)

صاحب البرکات حضرت سیّد شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کے اہم بزرگوں میں ہوتا ہے، گنگا اور جمنا کی لہروں کے بیچ برج کے اس تہذیبی علاقے میں رشد و ہدایت کا سبق دینے والا کوئی صوفی بزرگ حضرت شاہ برکت اللہ کی قامت کو نہیں پہنچتا۔

ولادت:

آپ سیّد شاہ اویس کے بڑے صاحبزادے تھے، آپ کی ولادت ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ کو بلگرام میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

بچپن کا زمانہ اپنے والد ماجد میر سید اویس اور دیگر بزرگان خاندان کے آغوش تربیت میں گزارا، سیّد شاہ برکت اللہ کے والد ماجد نے اپنے وصال (۲۰ رجب ۱۴۰۷ء) سے پہلے شاہ صاحب کو سجادہ نشینی اور سلاسل آبائی قدیم چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ کی اجازت وخلافت عطاء فرمائی تھی مگر چونکہ ظرف عالی تھا، لہٰذا شاہ صاحب نے سیّد مربی بن سید عبدالنبی، سیّد غلام مصطفیٰ بن سیّد فیروز اور سیّد شاہ لطف اللہ بلگرامی سے بھی اجازت وخلافت پائی اور ان سے اکتساب فیض و برکت فرمایا۔

سیّد البرکات کا خطاب:

حضرت شاہ برکت اللہ کو حضور سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑا عشق تھا اور اس دور میں کالپی شریف ضلع جالون میں مشہور زمانہ بزرگ حضرت سیّد شاہ فضل اللہ مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز تھے، شاہ برکت اللہ اپنے والد کے وصال کے بعد مارہرہ تشریف لا چکے تھے، کالپی کے مشائخ سے غائبانہ عقیدت روز افزوں تھی، لہٰذا انہوں نے کالپی شریف کا سفر کیا اور

شاہ فضل اللہ کالپوری سے اجازت وخلافت سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ، سہروردیہ نقشبندیہ، ابوالعلائیہ حاصل کی اور صاحب البرکات کا خطاب پایا۔

عقد:

حضرت شاہ برکت اللہ کا عقد سیّد مودود بلگرامی بن سیّد محمد فاضل بلگرامی کی صاحبزادی وافیہ بی بی سے ہوا، ان سے دو صاحبزادے سیّد آل محمد اور شاہ نجات اللہ، اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، پہلی صاحبزادی بی بی بدھن کا عقد سیّد شاہ لطف اللہ کے صاحبزادے سیّد نور الحق سے ہوا، دوسری صاحبزادی ننھی بی بی کا عقد سیّد عزیز اللہ بن سیّد غلام محمد سے ہوا، اور تیسری صاحبزادی کا عقد سیّد امان بن سیّد جان محمد سے ہوا۔

بلگرام سے ہجرت:

حضرت سیّد شاہ برکت اللہ کے بلگرام سے مارہرہ ہجرت کرنے کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہوسکا، البتہ یہ ہے طے ہے کہ آپ نے 1097ھ کے بعد بلگرام کی سکونت ترک فرمادی اور مارہرہ کو مسکن بنایا، شاہ برکت اللہ کے دادا امیر سیّد عبدالجلیل (متوفی 1057ھ) مارہرہ کو اپنا وطن بنا چکے تھے، شاہ صاحب نے مارہرہ میں اپنے دادا کی خانقاہ میں سے قیام فرمایا، مگر ایک شریر قوم گونڈل کی ہمسائیگی پسند نہ فرما کر 1118ھ میں قصبہ سے باہر جدید آبادی کی بنیاد ڈالی اور مسجد وخانقاہ تعمیر فرمائی، اس جدید آبادی کا نام "پیم نگر برکات نگری" رکھا جواب میاں کی بستی کے نام سے موسوم ہے۔

وصال:

حضرت شاہ برکت اللہ کا وصال شب عاشورہ محرم الحرام 1142ھ مطابق 1729ء کو مارہرہ میں ہوا، میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں تاریخ وصال یوں لکھی ہے۔

تاریخ وصال او خرد کرد رقم. صاحب برکات واصل منزل قدس

1142ھ

ایک اور تاریخ وصال علامہ آزاد بلگرامی نے اس مصرح سے نکالی۔

فنا فی اللہ شد آں پیر محرم

1142ھ

نواب محمد خان بنگش مظفر جنگ نے شجاعت خان ناظم کے زیر اہتمام شاہ برکت اللہ کا روضہ تعمیر کرایا جواب درگاہ شاہ برکت اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

علمی کارنامے:

حضرت شاہ برکت اللہ کا دور علوم وفنون کی ترقی کے لئے بے حد سازگار تھا، شہنشاہ وقت اورنگ زیب کو اسلامی علوم سے

بے حد دلچسپی تھی اس کے حکم سے فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب کیا گیا جو عرب ممالک میں فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ صاحب کا بلگرام کے اس خطہ پاک سے تعلق تھا جہاں علمائے ظاہر اور علمائے باطن کثیر تعداد میں موجود تھے اور اس دور میں اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا شاہ صاحب نے اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے قرآن وحدیث، فقہ ومنطق اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ عربی فارسی اور سنسکرت کے کلاسیکی ادب کا بھی مطالعہ کیا، شاہ صاحب نے گیتا وید، اپ نشد اور ہندو فلسفہ کو بہت اچھی طرح سمجھا اور یہ ضروری بھی تھا کیونکہ تبلیغ کے لئے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے، یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف سے ان کی علمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

تصانیف:

کتاب ''خاندان برکات'' کے مصنف حضرت سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف بتائی ہیں۔

۱-رسالہ چہار انوار، ۲-رسالہ سوال وجواب، ۳-عوارق ہندی، ۴-دیوان عشقی، ۵-پیم پرکاش، ۶-ترجیع بند، ۷-مثنوی ریاض العاشقین، ۸-وصیت نامہ، ۹-بیاض باطن، ۱۰-بیاض ظاہر، ۱۱-رسالہ تکسیر۔

آپ کے ہندی دیوان ''پیم پرکاش'' کے تفصیلی مطالعہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری تصنیف ''شاہ برکت اللہ'' ملاحظہ ہو۔

آپ کے خلفاء

آپ کے خلیفہ خاص آپ کے بڑے صاحبزادے سیّد آل محمد ہوئے جن کے ذریعہ مارہرہ مطہرہ سے سلسلہ برکاتیہ جاری ہے، بعض دیگر خلفاء آپ کے یہ ہیں۔

۱-شاہ عبداللہ:

یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے، اور قوم کے کنبوہ تھے، ہندی میں شاعری کرتے تھے، ان کا تخلص پنچھی تھا۔

۲-شاہ میم:

یہ دکن کے باشندے تھے، دکن سے دہلی آئے، فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے، 1150ھ میں انتقال ہوا۔

۳-شاہ مشتاق البرکات:

یہ شاہ برکت اللہ کے نہایت باکمال خلیفہ تھے، ۱۱صفر ۱۱۶۷ھ کو ان کا انتقال ہوا۔

۴-شاہ من اللہ:

ان کا نام علی شیر خان، یہ شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے، ۱۱۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۵-شاہ راجو:

یہ بلگرام کے رہنے والے تھے، اور سیّد ابوالفراح کی اولاد میں سے تھے، ان کا انتقال 1143ھ میں ہوا۔

۶-شاہ ہدایت اللہ:

یہ قصبہ کراولی ضلع ایٹہ کے باشندے تھے، 1149ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۷-شاہ روح اللہ:

ان کا نام محمد مسعود تھا، نواب خیر اندیش خان عالمگیری کے خاندان سے تھے، فارسی اور ہندی میں شاعری کرتے تھے، فارسی میں دیوانہ اور ہندی میں اجان تخلص تھا، 1173ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۸-شاہ عاجز:

یہ مارہرہ کے باشندے تھے اور قوم کے کنبوہ تھے، اصل نام محمد معظم تھا۔

۹-شاہ نظر:

ان کا انتقال 1143ھ میں ہوا۔

۱۰-شاہ صابر:

ان کا نام غلام علی تھا، یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے، ان کا انتقال 1167ھ میں ہوا۔

۱۱-شاہ جمعیت:

مارہرہ کے رہنے والے کنبوہ تھے۔

۱۲-حسین بیراگی:

یہ قوم کے سنار تھے اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔

۱۳-شاہ صادق:

حضرت شاہ برکت اللہ کے یہ چہیتے خلیفہ تھے، قصبہ بھرگین ضلع ایٹہ میں ان کا انتقال ہوا، اور وہیں مزار ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے خلیفہ تھے۔

﴿رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین﴾

تقریظ جلیل

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی شاہ محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی

دامت برکاتہم العالیہ

سربراہ شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

فتاویٰ فیض الرسول کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں جو کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک فقہ کے جملہ ابواب پر مشتمل ہیں جس کو دار العلوم فیض الرسول کے ناظم اعلیٰ صاحبزادہ شعیب الاولیاء، حضرت علامہ شاہ غلام عبد القادر صاحب قبلہ علوی مدظلہ العالی نے اپنے زیر اہتمام سے دار الاشاعت فیض الرسول براؤن شریف سے بڑی آب وتاب کے ساتھ چھپوایا ہے، موصوف نے دونوں جلدیں اس خادم کو عطا فرمائی تھیں لیکن میں اب جس حال میں ہوں اس کے پیش نظر ان کا مطالعہ نہیں کر سکا، ہاں جستہ جستہ بہت سے فتاویٰ مطالعہ میں آئے ہیں۔

فقیہ ملت حضرت علامہ شاہ مفتی جلال الدین احمد امجدی، دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا اب تیسرا مجموعہ صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی سلسلہ برکاتیہ مارہرہ کی یاد میں بنام ''فتاویٰ برکاتیہ'' شائع ہونے جا رہا ہے، مفتی صاحب نے بار بار تقاضے کئے کہ میں ان کے فتاوے پر اپنی رائے ظاہر کر دوں، ان کے ارشاد کی تعمیل کثرت کار و ہجوم افکار میں پھنسے رہنے کی وجہ سے نہیں کر سکا، پھر انہوں نے عزیز اسعد مولانا مفتی محمد نسیم صاحب نائب مفتی و استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو اس کام کے لئے مجھ پر مسلط فرما دیا اور یہ اس طرح تقاضے پر تقاضا کرتے رہے، گویا قرض وصول کر رہے ہیں، مولیٰ عزوجل ان مخلص احباب کو جزا اخیر عطا فرمائے کہ یہ لوگ مجھ ناکارے کی رائے کا کچھ وزن محسوس کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کسی رائے کے محتاج نہیں۔ مشک آنست کہ خود ببوید، نہ آں کہ عطار بگوید۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ اس خادم کا تعلق پوری دنیا سے ہے، اس وسیع تعلق کو سامنے رکھ کر میں بلا خوف لومۃ لائم کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کے فتاوے مستند اور معتمد ہیں...... اس زمانے میں سب سے زیادہ قابل رحم مفتی غریب ہے جب کہ یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم ہے اسی لئے فقہائے اسلام نے فرمایا کہ جو عالم ایسا مرجع فتویٰ ہو جسے سنن موکدات

پڑھنے کا موقع نہ ملے تو اس کے لیے سوائے سنت فجر کے دیگر سنن موکدات موکدہ نہیں رہ جاتیں۔ عالمگیری میں ہے: "قال مشائخنا العالم اذا صار مرجعا فی الفتویٰ یجوزلہ ترک سائر السنن الحاجۃ الناس الی فتواہ الاسنۃ الفجر کذا فی النہایۃ"۔ (جلد اول ص89)

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بے علم عوام کو حکم ہے کہ جو تم نہ جانتے ہو علماء سے پوچھو، ارشاد ہے: "فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو (سورہ نحل: ۴۳) علماء نے فرمایا ہے اگر کوئی تلاوت کر رہا ہے اور اذان کی آواز آئی تو تلاوت روک کر اذان بغور سنے اور اس کا جواب دے لیکن اگر فقہاء علمی مذاکرے میں ہوں تو ان کے لئے وہ حکم نہیں، تنوالابصار و درمختار میں ہے: "ویجیب من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا (الی ان قال) وتعلیم علم وتعلمہ بخلاف القرآن"۔ اس کے تحت شامی میں ہے: "ای شرعی فیما یظھرو ولذا عبر فی الجوھرۃ بقراءۃ الفقہ"۔ (جلد اول ص ۳۹۶) جو اذان سنے وہ جواب دے اگرچہ جنبی ہو یا حائضہ جواب نہ دے، نہ وہ جو علم کی تعلیم دیتے یا تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہے قرآن کی تلاوت کرنے والا جواب دے، علم سے مراد علمی شرعی ہے اسی لئے جوہرہ میں قرأت فقہ فرمایا: ایک شخص سے نماز میں کوئی غلطی ہوگئی جس سے نماز فاسد ہوگئی اس نے کسی مفتی سے فتویٰ پوچھا مفتی نے فتویٰ دینے میں دیر کی اس اثنا میں اس شخص کا انتقال ہوگیا اس غریب کے ذمہ ایک وقت کی نماز رہ گئی اس کا سبب فتوے کی تاخیر ہوا، ایک شخص سے کفر سرزد ہوا اس نے عالم سے فتویٰ پوچھا فتویٰ دینے میں دیر ہوگئی، اور وہ مرگیا یہ کتنا عظیم سانحہ ہوا، اسی سے مفتی کی اہمیت ظاہر ہوگئی۔

لیکن یہ کام جتنا مشکل ہے لوگوں نے اس کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر کوئی بھی فتویٰ لکھ سکتا ہے، لیکن یہ وہی لوگ کہتے ہیں جو اس بحر ناپیدا کنار کا ساحل پر کھڑے نظارہ کرتے ہیں۔

ع کجا دانند حال ماسبک سالاران ساحلھا

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ فتاویٰ فیض الرسول کی جلدیں جو پہلے چھپ چکی ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں ان کے سوالات پڑھ کر بغیر اس کا جواب پڑھتے ہوئے یہ کہنے والے بہار شریعت و فتاویٰ رضویہ سے جواب نکال لیں۔

یہ صحیح ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ نے مفتی کا کام بہت آسان کر دیا ہے لیکن آسانی کے باوجود فتویٰ نویسی کی دشواری اپنی جگہ قائم ہے، فقہائے کرام نے اپنی خداداد فراست بصیرت و ذہانت سے ہزاروں کلیات اور لاکھوں جزئیات اپنے صحائف میں تحریر فرما دیے ہیں مگر نئے نئے مسائل اور مسائل کی نئی نئی شکلیں ایسی رونما ہو جاتی ہیں کہ ذہین سے ذہین آدمی کو کلیات سے یا جزئیات سے حکم نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

پھر اس زمانے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بحمدہ تبارک وتعالیٰ مدارس دینیہ کی کثرت ہے اور ہر مدرسے والے دارالافتاء کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں اور مفتی بٹھائے ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر کے فتاویٰ دیکھ کر رونا آتا ہے کسی دل جلے نے

مکاتب اسلامیہ کا حال دیکھ کر کہا تھا:

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا　　کار طفلاں تمام خواہد شد

اوراب مجھے اپنے زمانے کا حال دیکھ کر کہنا پڑتا ہے:

گر ہمیں مکتب وہمیں مفتی　　کار افتاء تمام خواہد شد

عوام بے چارے الگ پریشان ہوتے ہیں کہ آخر فلاں بھی تو مفتی ہے اس نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

فتویٰ نویسی کی بنیادی شرط خداترسی ہے اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے یارلوگوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں، کسی نے کوا کھانے کو ثواب لکھ دیا، کسی نے بکرے کے خصیے کھانے کو جائز کہہ دیا، کسی نے منی آرڈر کو اجرت کہہ کر سود کہہ دیا، کسی نے ہندوستان کو دارالحرب کہہ دیا، کسی نے حرام کی یہ تعریف کی ''حرام وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے اور اس کے بے عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے......اور مکروہ تحریمی کا حکم یہ لکھ دیا ہے:

''اس کا بغیر عذر کے ترک کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے''۔(بہشتی زیور)

اس ماحول میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی اشاعت ایک اہم دینی فریضہ تھا جسے دارالعلوم فیض الرسول نے ادا کیا، اوراب کتب خانہ امجدیہ بستی آپ کے فتاویٰ کا تیسرا مجموعہ چھاپ کر یہ اہم دینی فریضہ انجام دینے جارہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ صرف عوام ہی کے لئے مفید نہیں بلکہ علمائے کرام حتیٰ کہ موجودہ دورہ کے مفتیان عظام کے لئے بھی اعلیٰ درجے کے رہنما ہیں، فتویٰ لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں۔

۱- سوال کو کما حقہ سمجھنا۔

۲- سوال کے لب ولہجہ، سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشاء کیا ہے؟ یہ سب سے اہم کام ہے، جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے، یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

۳- مفتی مخلص ہو۔

۴- انتہائی ذہین وفطین ہو۔

۵- زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

۶- متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ لئے ہوئے ہو اور اس کے حافظے میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

۷- کسی سے مرعوب نہ ہو۔

۸- اتنا جری ہو کہ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو، مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ لینت (نرمی)۔

۹- سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے حکم صادر نہ کرے۔

۱۰- جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کر لے۔
۱۱- متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو، وغیرہ وغیرہ۔

اس کسوٹی پر میں نے حضرت مفتی صاحب کے فتاوٰی کو پرکھا تو بحمدہ تبارک وتعالیٰ اسے پورے طور پر کامل پایا۔

میرے برادر خواجہ تاش فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب علم وفضل، خشیت وتقویٰ، اتباع شریعت میں یگانہ عمر ہیں، ان سب خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ دینی معاملے میں نہ مداہنت کرتے ہیں اور نہ کسی بڑے سے بڑے شخص سے مرعوب ہوتے ہیں اور نہ ناقدین کی بجائے تنقید کی پرواہ کرتے ہیں۔

بمبئی میں جب سے مساجد بنی ہیں یہ رواج عام ہے کہ مساجد میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے ایک بار حضرت مفتی صاحب کے کسی محب کا انتقال ہوا ان سے درخواست کی گئی کہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں، لیکن حسب عادت وحسب رواج جنازہ مسجد میں رکھا گیا انہوں نے حکم شرعی بیان فرمایا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،[۱] میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا، لوگوں نے مفتی صاحب پر کئی طرح سے بڑا دباؤ ڈالا مگر وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے سے برابر انکار کرتے رہے، آخر کار لوگ مسجد سے جنازہ نکالنے پر مجبور ہو گئے، اور اسے باہر لائے آپ نے نماز پڑھائی' اس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا جس کی قیادت ایک ایسے شخص کر رہے تھے، جنہیں بعض اجلہ علمائے کرام بھی ولی مانتے تھے جس سے بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہو گیا بے پڑھے لکھے عوام کے جو جی میں آیا، حضرت مفتی صاحب کو کہا لیکن انہوں نے سنی بات کی پرواہ نہیں کی......اس زمانے میں ایسی استقامت کی مثالیں شاید و باید ہی کہیں ملتی ہوں اور ایک مفتی کی یہی شان ہونی چاہیے جو آج کل قریب قریب مفقود ہے۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر حضرت مفتی صاحب کو اسلام وسنیت کی طرف سے بہترین جزاء خیر عطا فرمائے، ان کے ظل ہمایوں کو دراز سے دراز تر فرمائے اور ان کے فیض کو عام وتام کرے۔ آمین۔

محمد شریف الحق امجدی
۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
۱۳ مئی ۱۹۹۸ء

[۱] فتاوٰی رضویہ ج ۴ ص ۵۷، بہار شریعت ج ۴ ص ۱۵۸

ازانواراحمدقادری امجدی

تعارف

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی:

آپ ضلع بستی وسدھارتھ نگر کے واحد مرجع فتاوی، جید مفتی ہیں جن کو نہ صرف روح فتویٰ نویسی کا مکمل ادراک ہے، بلکہ فقہ کے غامض مسائل اور جزئیات پر عبور حاصل ہے، اور ملک کے صف اوّل کے مفتیان کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔[1]

ولادت ونسب:

آپ ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء میں اوجھا گنج ضلع بستی میں پیدا ہوئے اوجھا گنج بستی شہر سے بیس کلومیٹر پچھم فیض آباد روڈ سے تین کلومیٹر دکھن واقع ہے، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، جلال الدین احمد بن جان محمد بن عبدالرحیم بن غلام رسول بن ضیاء الدین بن محمد مالک بن محمد صادق بن عبدالقادر بن مرادعلی۔

خاندانی حالات:

آپ کا خاندان ٹانڈہ (ضلع امبیڈکرنگر) کے پورے علاقہ بڑھر کے مشہور ومعروف راجپوت خاندان کے ایک فرد مرادسنگھ سے تعلق رکھتا ہے، جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد مرادعلی کہلائے، اور گھر والوں نے جب دباؤڈال کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تو زمینداری وتعلقہ داری چھوڑ کر ضلع امبیڈکرنگر کی مشہور مسلم آبادی شہزادپور میں سکونت اختیار کرلی، ان کی اولاد میں سے ضیاء الدین مرحوم بغرض تجارت ضلع بستی آتے رہے۔اسی اثناء میں اوجھا گنج کے مسلمانوں سے تعلقات پیدا ہوگئے تو زمین خرید کر اسی آبادی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

آپ کے والد گرامی جان محمد مرحوم بڑے متقی وپرہیزگار تھے، دین داری اور نماز کی انتہائی پابندی ان کا نشان زندگی رہا، ابتدائے جوانی میں ان کو جامع مسجد کا امام مقرر کیا گیا تو وہ محض رضائے الٰہی کی خاطر بلا معاوضہ زندگی بھر پابندی کے ساتھ نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی امامت فرماتے رہے، ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۱ء ان کا انتقال ہوا۔

آپ کی والدہ محترمہ بی بی رحمت النساء مرحومہ ایک دیندار گھرانے کی لڑکی تھیں نماز اور بوقت صبح تلاوت قرآن مجید کی بے حد پابند تھیں، دعائے گنج العرش اور درود لکھی ان کو زبانی یاد تھے، جنہیں وہ روزانہ پڑھا کرتی تھیں، آبادی کے اندر تقویٰ اور

[1] ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم تذکرہ علمائے بستی ص۷۹

پرہیزگاری میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں، ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۷۹ء کو ان کے ظاہری سایہ سے بھی آپ محروم ہو گئے۔

تعلیم:

فقیہ ملت قبلہ نے ناظرہ اور حفظ کی تعلیم مقامی مولوی محمد زکریا مرحوم سے حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور 1363ھ مطابق یعنی ساڑھے دس سال کی عمر میں حفظ مکمل کیا، فارسی آمد نامہ التفات گنج ضلع امبیڈکر نگر میں وہاں کے مقامی مولانا عبدالرؤف سے پڑھی، اور فارسی کی دوسری کتابوں کی تعلیم مولانا عبدالباری ڈھلموی سے حاصل کی اور عربی کی ابتداء کتابیں بھی انہیں سے پڑھیں۔

جب التفات گنج کے مدرسہ کا نصاب آپ نے مکمل کر لیا تو 1947ء کے ہنگامے کے فوراً بعد ناگپور (مہاراشٹر) چلے گئے دن بھر کام کرتے جس سے پچیس تیس روپے ماہانہ اپنے والدین کی خدمت کرتے اور اپنے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتے اور بعد نماز مغرب اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً بارہ بجے رات تک حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سے مدرس شمس العلوم میں پڑھتے اور صبح بعد نماز فجر ایک قاری جو اپنی بدمذہبی چھپائے ہوئے تھا فن قرأت حاصل کرتے، اس طرح ناگپور میں آپ کی تعلیم کا سلسلہ آخر تک جاری رہا، یہاں تک کہ ۲۴ شعبان ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء کو حضرت علامہ نے آپ کو سند فراغت عطا فرما کر دستار بندی عطا کی۔

حضرت علامہ نے ناگپور سے جمشید پور جا کر مدرسہ فیض العلوم قائم فرمایا اور آپ کو وہاں بلا لیا مگر بروقت مدرسہ فیض العلوم میں مدرس کی ضرورت نہ تھی اس لئے آپ کو ایک مکتب میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا گیا تو چار ماہ بعد دل برداشتہ ہو کر حضرت علامہ کی اجازت سے آپ گھر چلے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ مطابق جنوری ۱۹۵۵ء میں آپ مدرسہ قادری رضویہ بہاولپور ضلع سدھارتھ نگر کے مدرس مقرر ہوئے، اسی درمیان شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ نے مکتب فیض الرسول کو دارالعلوم بنا دیا، تو آپ بھاؤ پور سے مستعفی ہو کر براؤں شریف آ گئے اور یکم ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء سے دارالعلوم فیض الرسول کے مدرس ہو گئے اور مسلسل اکتالیس سال تک وہاں ہر طرح اپنا علمی فیضان جاری رکھا پھر ضعیف العمری اور مستقل بیماری وغیرہ کے سبب ۱۲ رشعبان ۱۴۱۶ھ کو براؤں شریف سے مستعفی ہو کر اپنے وطن آ گئے اور دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم جسے آپ نے بہت پہلے قائم کر رکھا تھا اس کو مرکز تربیت افتاء بنا دیا جس میں ملک کی مشہور و معروف درسگاہوں کے فارغ التحصیل علماء حضرت فقیہ ملت قبلہ سے فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

اور ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ سے تربیت افتاء کا مراسلاتی کورس بھی جاری کر دیا ہے جس سے دور دراز کے علماء خط و کتابت کے ذریعہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور فتاویٰ نویسی کی مشق کر رہے ہیں...... مرکز تربیت افتاء کی تاسیس اور اس کا مراسلاتی کورس آپ کا

ایسا جماعتی کارنامہ ہے جسے ملت کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

فتویٰ نویسی:

۲۴ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ-۱۹۵۷ء کو ۲۴ سال کی عمر میں آپ نے پہلا فتویٰ لکھا پھر ملک اور بیرن ملک سے آئے ہوئے ہزاروں فتاوے بڑی تحقیق سے لکھے جو نام فتاویٰ فیض الرسول کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک فقہ کے جملہ ابواب پر مشتمل دو جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں اور آپ کے فتاویٰ کا یہ تیسرا مجموعہ بنام فتاویٰ برکاتیہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

تصنیفات:

فتاویٰ کے علاوہ آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں جو اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے بے انتہا مفید اور بے حد مقبول ہیں جن کے نام ہیں .... انوار الحدیث (اردو، ہندی، گجراتی) عجائب الفقہ (فقہی پہیلیاں) بزرگوں کے عقیدے، خطبات محرم، انوار شریعت (اردو ہندی، انگریزی، بنگلہ) تعظیم نبی علیہ السلام (عربی، اردو، ہندی) غیر مقلدوں کے فریب، احکام نیت، حج و زیارت، معارف القرآن، علم اور علماء، باغ فدک اور حدیث قرطاس، سیّد الاولیاء (سیّد احمد کبیر رفاعی) محققانہ فیصلہ (اردو، ہندی گجراتی، بنگلہ) نورانی تعلیم مکمل چھ حصے۔

ان میں سے اب تک پندرہ کتابیں بیرون ملک چھپ کر حجاز مقدس، بحرین، دوحہ، دبئی، دمام، ترکی، عراق، فرانس، برطانیہ، جاپان اور امریکہ وغیرہ تک مسلمانوں کی لائبریریوں اور ان کے گھروں میں پہنچ گئیں اور ہندی داں طبقہ کے لئے علمائے اہلسنّت میں سب سے پہلے آپ ہی نے انوار شریعت کو ہندی میں چھپوا کر کتب خانہ امجدیہ سے شائع کیا۔

آپ کی خصوصی خدمات:

قرآن مجید کی کتابت وطباعت کی صحت کا ہر زمانے میں بہت اہتمام کیا گیا ہے مگر چند سال قبل کچھ دنیادار ناشرین قرآن کریم (مع ترجمہ، رضویہ) کو نہایت غیر ذمہ داری ولا پروائی سے کثیر غلطیوں کے ساتھ شائع کر رہے تھے، تو آپ نے ان کے خلاف قلم اٹھایا اور بار بار ضروری تصحیح کے عنوان سے ماہناموں میں مضمون شائع کیا یہاں تک کہ ناشرین کو صحیح متن کے ساتھ قرآن مجید چھاپنے پر مجبور کیا، اور جو ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان کے ساتھ قرآن کریم کی جھوٹی فہرست شائع کی جا رہی ہے اور اس سے سنیت کو نقصان پہنچ رہا ہے اس کے غلط ہونے کا اعلان آپ نے کیا۔

اور فقہ حنفی کی عظیم کتاب بہار شریعت میں جو گمراہ کن تحریف کی مذموم حرکت کی گئی کہ اس کے مثبت مسائل کو منفی اور منفی کو مثبت بنا کر چھاپا گیا تو اس کے متعلق آپ نے قلم اٹھا کر چند غلطیوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے ناشر کے خلاف مضمون شائع کیا اور اس کی مطبوعہ بہار شریعت کے بائیکاٹ کرنے کا اعلان فرمایا اور حضرت الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے لکھے ہوئے بہار شریعت کے حصوں کی افادیت کو بڑھانے کے لئے فقیہ ملت قبلہ نے حصہ سوم پر تعلیق اور حوالے کی کتابوں کا جلد وصفحہ ۱۴۱۰ھ میں تحریر فرمایا جسے قادری کتاب گھر بریلی اس کے دوسرے حصوں کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔

قبلہ عالم ایوارڈ:

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا (اٹاوہ) کے ارباب حل وعقد نے مؤرخہ ۱۴ جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲۸ کتوبر ۱۹۹۶ء کو یہ طے کیا کہ جامعہ صمدیہ کی طرف سے ہر تین سال بعد ایسی مؤقر شخصیت کو جس نے دین کی خدمت اور مسلک کے فروغ واشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہوں ''قبلہ عالم ایوارڈ'' دیا جائے......اراکین جامعہ صمدیہ کی نگاہ انتخاب سب سے پہلے حضرت فقیہ ملت پر پڑی اور آپ کو بتاریخ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۹۶ء ''قبلہ عالم ایوارڈ'' دیا، اس حسین موقع پر جامعہ صمدیہ کی طرف سے آپ کو ایک اعزازی سند، جبہ ودستار اور زر نقد پانچ ہزار سے نوازا گیا۔

امام احمد رضا ایوارڈ:

رضا اکیڈمی ممبئی جو اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ وترویج اور قرآن مجید مع کنز الایمان واحادیث کریمہ وغیرہ دوسو کتابوں کی اشاعت اور مفت تقسیم نیز ہر طرح کی دینی خدمات کے تعلق سے عالی جناب الحاج محمد سعید صاحب نوری کی قائم کردہ ہندوستان کی مشہور معروف ایک تنظیم ہے، اس نے بتاریخ ۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ مطابق ۷ فروری ۱۹۹۸ء حضرت فقیہ ملت قبلہ کو ان کی علمی، تعلیمی، تعمیری اور فقہی وتصنیفی خدمات پر ''امام احمد رضا ایواڈ'' توصیف نامہ اور پچیس ہزار روپے بطور اظہار عقیدت پیش کیا۔

بیعت وخلافت:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال فرمانے سے چند ماہ قبل آپ کو حضرت سے شرف بیعت حاصل ہوا مگر ابھی تک آپ نے بعض مصالح کے پیش نظر کسی سے خلافت نہیں لی تھی یہاں تک کہ حضور احسن العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مارہرہ مطہرہ میں عرس قاسمی کے موقع پر ۱۴۱۲ھ میں آپ کی خلافت کا اعلان فرمایا، اور ۱۴۱۳ھ میں جب اسی عرس کے موقع پر حضرت فقیہ ملت قبلہ مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے تو حضور احسن العلماء قبلہ نے ایک مخصوص مجلس میں آپ کی دستار بندی فرمائی۔

ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر آپ کا وہ خلوص عمل اور جذبہ دل ہے جس نے اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کی خاطر آپ کو ہمیشہ فعال ومتحرک رکھا۔

دعا ہے کہ خدا عزوجل آپ کے سایہ عاطفت کو ہم لوگوں کے سروں پر تادیر قائم رکھے اور آپ کے فیوض وبرکات سے رہتی دنیا تک مسلمانوں کو مستفید فرماتا رہے۔ امین برحمتك یا ارحم الراحمین

انوار احمد قادری امجدی

ناظم اعلیٰ مرکز تربیت افتاء دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم

اوجھا گنج ضلع بستی (یو-پی)

کتاب العقائد

عقیدے کا بیان

مسئلہ: از عبدالشکور کمپاؤنڈر برڈپور ضلع بستی

قرآن پاک میں ارشاد ہے، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، تو جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا، شراب پینا اور شادی وغیرہ کرنا بھی ایک شے ہے، کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر بھی قادر ہے۔

الجواب: جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا اور شراب پینا عیب ہے اور ہر عیب خدا تعالیٰ کے لئے محال ہے ممکن نہیں، اور خدا تعالیٰ کی قدرت صرف ممکنات کو شامل ہے نہ کہ محالات کو تفسیر جلالین میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شے پر قادر ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ صاوی میں ہے کہ شاءہ سے مراد ارادہ ہے اور ذات باری تعالیٰ کا ارادہ اور قدرت صرف ممکنات سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ محالات سے اور قدیر قدرت سے مشتق ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت ازلیہ قائم بذاتہ ہے اور ایجادًا اور اعدامًا ممکنات سے متعلق ہوتی ہے، صاوی کی عبارت یہ ہے: شاء ہ ای ارادہ والارادۃ لا تتعلق الا بالممکن فکذا القدرۃ قولہ قدیر من القدرۃ وھی صفۃ ازلیۃ قائمۃ بذاتہ تعالیٰ تتعلق بالممکنات ایجاداً واعداما اھ ملخصًا۔ اور تفسیر جمل میں ہے: ان من شانہ ان یشاء وذالك ھو الممکن اھ۔ یعنی شاءہ سے مراد یہ ہے کہ جس کا چاہنا اس کی شان کو زیبا ہو اور وہ صرف ممکن ہے اور شرح عقائد جلالی میں ہے: الکذب نقص والنقص علیہ محال فلا یکون من الممکنات ولا تشتملہ القدرۃ کسائر وجوہ النقص علیہ تعالیٰ کالجھل والعجز۔ یعنی جھوٹ بولنا عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے تو اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکنات سے نہیں نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثلاً جہل اور عجز سب خدا تعالیٰ کے لئے محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج ہیں اور علامہ کمال الدین قدسی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں: لا خلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری تعالیٰ عنہ منزہ وھو محال علیہ تعالیٰ اھ۔ یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ ہر وہ چیز جو صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ خدا تعالیٰ پر محال ہے ممکن نہیں رہا، شادی کرنا تو یہ بھی محال ہے کہ خدا تعالیٰ کو شادی پر قادر ماننے سے کئی خداؤں کا ممکن ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ جب شادی کرنے پر قادر ہوگا تو استقرار حمل و تولید ولد پر بھی قادر ہوگا اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا، قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ میں ہے: قل ان کان

للرحمٰن ولد فانا اوّل العٰبدین یعنی تم فرماؤ کہ اگر رحمٰن کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے (اس کا) پوجنے والا ہوں۔ تو قطعاً دو بلکہ کئی خداؤں کا ممکن ہونا لازم آیا کہ قدرت خدا کی انتہا نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حفیظ اللہ نعیمی دارالعلوم فاروقیہ مدھ نگر پوسٹ دھوائی ضلع گونڈہ............ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کیسا ہے؟ اس جملہ کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ جملہ بول کر بلند و بالا اور برتری کے معنی میں استعمال کرے تو اس کی تاویل مسموع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کفر ہے کہ اس لفظ سے اس کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کی ذات جہت سے پاک ہے جیسا کہ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا علو لا سفل ولا غیرھما (شرح عقائد نسفی ص ۳۳) اور حضرت علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: یکفر بوصفہ تعالیٰ بالفوق او بالتحت اھ تلخیصا (بحر الرائق جلد پنجم ص ۱۳۰) لیکن اگر کوئی شخص یہ جملہ بلندی و برتری کے معنی میں استعمال کرے تو قائل پر حکم کفر نہ کریں گے مگر اس قول کو برا ہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد الحفیظ کانپور............ ۱- ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟ ۲- جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے، یہ کہنا چاہیے یا نہیں۔؟

الجواب: ۱- اگر حاضر و ناظر بہ معنی شہید و بصیر اعتقاد رکھتے ہیں، یعنی ہر موجود اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے تو یہ عقیدہ حق ہے مگر اس عقیدہ کی تعبیر لفظ حاضر و ناظر سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کرنا نہیں چاہیے، لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولے تو وہ کفر نہ ہوگا جیسا کہ درمختار مع شامی جلد سوم ص ۳۰۷ میں ہے: یا حاضر یا ناظر لیس بکفر، وھو اعلم

۲- جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے، یہ نہیں کہنا چاہیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے، عقائد نسفی میں ہے: لایتمکن فی مکان اس کے تحت شرح عقائد نسفی میں ص ۳۳ پر ہے: اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا علی ولا سفل ولا غیرھما۔ اور جو پارہ ۲۸ رکوع ۲ میں ہے؟

مَاتَکُوْنَ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ تو اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ فرماتا ہے اوران کے رازوں کو جانتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان خدا تعالیٰ موجود ہوتا ہے، تفسیر جلالین میں ہے: هو رابعهم بعلمه اور علامہ صاوی نے فرمایا: قوله بعلمه وسمعه وبصره ومتعلق بهم قدرته وارادته اور تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت ہے: يعلم ما يتنا جون به ولا يخفي عليه ما هم وقد تعالىٰ عن المكان علوا كبيرا. اھ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صوفی محمد صدیق نوری ۲۰ جواہر مارگ اندور (ایم پی)

کیا فرماتے ہیں حضرت فقیہ ملت صاحب قبلہ اس مسئلہ میں کہ آپ کی تصنیف ''بدمذہبوں سے رشتے'' ص ۶ پر ہے کہ گمراہ مسلمان وہ بدمذہب ہے جو ضروریات اہل سنت میں سے کسی بات کا انکار کرتا ہو مگر اس کی بدمذہبی حد کفر نہ پہنچی ہو، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ضروریات اہلسنت کیا ہیں؟ کم از کم دو تین مثالیں دے کر سمجھائیں، اور حضرت کی تحریر سے ظاہر ہے کہ جس شخص کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اسے کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے مسلمان کہا جائے گا تو پھر ایسے شخص کے بارے میں اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہوگا کہ بدمذہب دین اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال۔

بینوا توجروا۔

الجواب: کتاب بدمذہبوں کے رشتے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے، بیشک وہ شخص جو ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار نہ کرے مگر ضروریات اہلسنت میں سے کسی بات کو نہ مانے تو وہ گمراہ مسلمان ہے کافر نہیں ہے اور جو باتیں کہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہیں وہ سب ضروریات اہلسنت ہی سے ہیں اور ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنے والا گمراہ مسلمان ہوگا اسے کافر ہی قرار دیا جائے گا، جیسا کہ رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون علیہ الرحمۃ والرضوان استاذ شہنشاہ عالمگیر اصول فقہ کی اپنی مشہور زمانہ کتاب نور الانوار کے ص ۱۷۷ پر تحریر فرماتے ہیں: لا يكفر جاحده لا بل يضلل على الاصح یعنی اصح مذہب پر حدیث مشہور کے انکار کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اسے گمراہ ٹھہرایا جائے گا، خلاصہ یہ کہ وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ گمراہ مسلمان ہوگا، مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اسراء از مسجد حرام ست تا مسجد اقصیٰ و معراج از مسجد اقصیٰ ست تا آسماں، و اسراء ثابت ست بنص قرآن و منکر آں کافر ست و معراج باحادیث مشہورہ کہ منکر آں ضال مبتدع ست۔ یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اسراء ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمان تک معراج ہے، اسراء نص قرآنی سے ثابت ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے، اور معراج احادیث مشہور سے ثابت ہے اس کا انکار کرنے والا گمراہ اور بددین ہے (یعنی کافر نہیں ہے) (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۲۷) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: المعراج لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في اليقظة بشخصه الى السماء ثم الى

ما شاء اللہ تعالیٰ من العلی حق ای ثابت بالخبر المشهور حتی ان منکرہ یکون مبتدعا۔ یعنی معراج کی رات بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ آسمان اور اس کے اوپر جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس کا انکار کرنے والا بد دین ہے کافر نہیں ہے بد مذہب مسلمان ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۰)

اور سید الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان المعراج الی المسجد الاقصی قطعی ثابت بالکتاب والی سماء الدنیا ثابت بالخبر المشهور والی مافوقه من السموات ثابت بالاحاد فمنکر الاول کافر البتة ومنکر الثانی مبتدع مضل ومنکر الثالث فاسق۔ یعنی مسجد اقصیٰ تک معراج قطعی ہے، قرآن سے ثابت ہے اور آسمان دنیا تک حدیث مشہور سے ثابت ہے اور آسمانوں سے اوپر تک حدیث احاد سے ثابت ہے تو پہلے کا منکر قطعی کافر ہے اور ثانی کا منکر بد دین گمراہ ہے اور تیسرے کا منکر فاسق ہے۔ (تفسیر احمدیہ ۳۲۸) یعنی معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان دنیا تک تشریف لے جانا جو حدیث مشہور سے ثابت ہے اسے ماننا ضروریات اہلسنت میں سے ہے، لہٰذا جو شخص اس کا انکار کرے اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا، بلکہ اسے بد دین گمراہ مسلمان ٹھہرایا جائے گا، اور معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کو ماننا یہ بھی ضروریات اہلسنت میں سے ہے، اس لئے کہ یہ بھی حدیث مشہور سے ثابت ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے اور وہ جو خدا تعالیٰ کا قول من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ہے، تو اس میں کلمہ الی امتداد کے لئے ہے، لان صدر الکلام لا یتناول ماوراء الغایة اذا الاسراء یجوزان یکون فرسخا او فرسخین۔ اسی بنیاد پر اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی ص ۶۲ پر بحث الی کے حاشیہ نمبر ۱۰ میں ہے: من انکر دخول النبی صلی اللہ علیه وسلم فی المسجد الاقصی لیلة المعراج لا یکفر ولکن یکون مبتدعا لانکارہ بالخبر الصحیح کذا فی المعدن۔ یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی رات مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا انکار کرے وہ کافر نہیں قرار دیا جائے گا، بلکہ حدیث صحیح کے انکار کے سبب اسے بد مذہب ٹھہرایا جائے گا، ایسا ہی معدن میں ہے اور حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سارے صحابہ سے افضل ماننا، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز ماننا یہ سب ضروریات اہلسنت میں سے ہیں، یعنی جو شخص شیخین کو سارے صحابہ سے افضل نہ مانے، حضرت عثمان غنی و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت نہ کرے یا مسح علی الخفین کو جائز نہ مانے اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اسے گمراہ بد مذہب مسلمان مانا جائے گا، ہدایہ اولین ص ۴۰ باب المسح علی الخفین کے حاشیہ نمبر ۱۴ پر نہایہ کے حوالہ سے ہے: سئل ابو حنیفة عن مذهب اهل السنة والجماعة فقال هوان یفضل الشیخین یعنی ابا بکر وعمر علی سائر الصحابة وان یحب الختنین یعنی عثمان وعلی وان یری المسح علی الخفین ...... اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تفضیلی کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام

اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے افضل ہیں، آئمہ دین کی تصریح ہے کہ جو مولیٰ علی کو ان پر فضیلت دے مبتدع بد مذہب ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فتاویٰ خلاصہ و فتح القدیر و بحر الرائق و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا کتب میں ہے: ان فضل علیا علیهما فمبتدع۔ اگر کوئی مولیٰ علی کو صدیق و فاروق پر فضیلت دے تو مبتدع (یعنی بد مذہب) ہے۔

غنیۃ و رد المحتار وغیرہما میں ہے: الصلوۃ خلف المبتدع تکرہ بکل حال۔ بد مذہب کے پیچھے ہر حال میں نماز مکروہ ہے۔

ارکان اربعہ میں ہے: الصلوٰۃ خلفهم تکرہ کراهة شدیدۃ۔ تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے، کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۲۷۷-۲۷۶) اس فتویٰ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے تفضیلیوں کو بد مذہب قرار دینے کے ساتھ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ٹھہرایا معلوم ہوا کہ بد مذہب مسلمان ہوتا ہے اگرچہ بدترین مسلمان ہوتا ہے اسی لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے اگر وہ مسلمان نہ ہوتا بلکہ کافر ہوتا تو اس کی اقتداء میں نماز باطل محض ہوتی، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کی اسی جلد کے ص ۱۹۵ پر ندویوں کے پیچھے نماز جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: ندویوں میں کچھ نیچری ہیں کچھ منکرات ضروریات دین رافضی، یہ بالاجماع کافر و مرتد ہیں اور ان کے پیچھے نماز محض باطل......اور تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز باطل محض ہے، (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۶۴) معلوم ہوا کہ منکرین ضروریات دین اور غیر مقلد جو کافر ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور تفضیلی جو منکر ضروریات اہلسنت ہے اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوتا بلکہ کافر ہوتا تو اس کی اقتداء میں نماز باطل محض ہوتی، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کی اسی جلد کے ص ۱۹۵ پر ندویوں کے پیچھے نماز جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: ندویوں میں کچھ نیچری ہیں کچھ منکرات ضروریات دین رافضی، یہ بالاجماع کافر و مرتد ہیں اور ان کے پیچھے نماز محض و باطل......اور تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز باطل محض ہے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۶۴) معلوم ہوا کہ منکرین ضروریات دین اور غیر مقلد جو کافر ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے، اور تفضیلی جو منکر ضروریات اہلسنت ہے اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کی بد مذہبی حد کفر کو نہیں پہنچی ہے، اس مضمون کو فتاویٰ رضویہ کی اسی جلد کے ص ۱۷۰ پر واضح الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی بدعت حد کفر تک نہ ہو نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور جو اس حد تک پہنچ گئی تو اقتداء اس کی اصلاً صحیح نہیں اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: جس بد مذہب کی بد مذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۱۰ بحوالۂ عالمگیری) ان ساری تفصیلات سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ جس کی بد مذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو اسے کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ ایسے شخص کو گمراہ مسلمان کہا جائے گا اور مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو صرف گمراہ ہیں کافر نہیں

ہیں رہی وہ حدیث جو سوال میں مذکور ہے کہ بدمذہب دین اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال، اس کا مطلب کیا ہے؟ تو اسی مضمون کی بعض حدیثیں دوسروں سے متعلق بھی ہیں مثلاً سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام۔ یعنی جو شخص ظالم کو تقویت دینے کے لئے یہ جانتے ہوئے اس کا ساتھ دے کہ وہ ظالم ہے تو تحقیق وہ اسلام سے خارج ہو گیا (انوار الحدیث ص ۴۲۷ بحوالہ بیہقی) تو جس طرح اس حدیث شریف میں اسلام سے خارج ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اسلام کی خوبیوں سے نکل گیا، اسی طرح حدیث مذکور کا بھی مطلب یہ ہے کہ بدمذہب جس کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو وہ اسلام کی خوبیوں سے اسی طرح نکل جاتا ہے، جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال۔ هٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰه تعالیٰ رسوله جل مجده وصلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۴؍ ربیع النور ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: محمد یوسف بنارسی ۲۱/۹۳ پیچ باغ کانپور۔

زید عالم دین ہے اور مفتی بھی از یں قبل ان علمائے دیو بند کو جن کو حسام الحرمین میں ان کی کفری عقائد کی بناء پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محقق و ثابت کرتے ہوئے ان پر فتویٰ کفر دیا ہے جس کے صحیح ہونے پر جمیع علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے خود بھی کافر کہا کرتا تھا مگر اب یہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے بسط البنان دیکھی ہے بر بنائے احتیاط کافر کہنے میں تامل کرتا ہوں دریں صورت زید کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب: دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان کی عبارات کفریہ التزامیہ متعینہ کی صفائی میں بسط البنان لکھی جس نے تھانوی صاحب کے کفر پر رجسٹری کر دی، معلوم ہوتا ہے کہ زید جو عالم اور مفتی بھی ہے اس نے بسط البنان کے مغالطہ و فریب کا پردہ چاک کرنے والے رسالہ وقعات السنان مصنفہ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان شہزادہ سرکار اعلیٰ حضرت نہیں دیکھا۔ اس مبارک رسالہ میں شہزادہ اعلیٰ حضرت نے بسط البنان کا ایسا علمی رد تحریر فرمایا جس کا جواب نہ خود تھانوی صاحب دے سکے نہ آج تک ان کا کوئی حامی مولوی دے سکا، تعجب ہے کہ زید خود عالم دین اور مفتی بھی ہے اور اس کے سامنے حفظ الایمان ص ۸ کی وہ عبارت ہے جو اپنے کفری معنی میں متعین ہے اور جس میں تھانوی صاحب نے صاحب وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح گالی دی ہے، اور سرکار کی شان میں کھلی توہین کی ہے تو پھر بسط البنان دیکھنے کے بعد زید کے نزدیک حفظ الایمان کی گالی اور توہین کیونکر مدح و تعظیم بن گئی، الحاصل چونکہ تھانوی صاحب کی حفظ الایمان والی کفری عبارت معنی میں متعین ہے اور صریح متعین۔ کفری قول کے قائل کے بارے میں آئمہ فتویٰ کا ارشاد ہے کہ من شك فی کفره وعذابه فقد کفر۔ اس لئے زید تکفیر تھانوی سے امتناع کے باعث بحکم شریعت اسلامیہ

خودکافر ہوگیا اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ شعبان ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد طاہر پاشا، بنگلور، کرناٹک

بعض لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں تو ابن تیمیہ کون تھا، اور اس کے خیالات کیسے تھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعون المولی تعالی ورسوله الاعلی۔ جو لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں یا تو وہ لوگ گمراہ وبدمذہب ہیں اور یا تو انہیں ابن تیمیہ کے بارے میں صحیح معلومات نہیں کہ وہ گمراہ وبدمذہب آدمی تھا، اس نے بہت سے مسائل میں خرق اجماع کیا اور دین میں بہت سے فتنے پیدا کئے جیسا کہ فتاوی حدیثیہ ص ۱۱۶ میں ہے: اعلم انه خالف الناس في مسائل نبه عليها التاج السبكي وغيره فما خرق فيه الاجماع قوله ان طلاق الحائض لا يقع وكذا الطلاق في طهر جامع فيه، وان الصلوة اذا تركت عمدا لا يحب قضاء ها وان الحائض يباح لها الطواف بالبيت ولا كفارة عليها، وان الطلاق الثلاث يرد الى واحدة، وان المائعات لا تنجس بموت حيوان فيها كالفارة وان الجنب يصلي تطوعه بالليل ولا يؤخره الى ان يغتسل قبل الفجر وان كان بالبلد وان مخالف الاجماع لا يكفر ولا يفسق، وان ربنا محل الحوادث، وقوله بالجسمية والجهة والانتقال وانه بقدر العرش لا اصغر ولا اكبر، وقال ان النار تفنى، وان الانبياء غير معصومين وان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا جاه له ولا يتوسل به، وان انشاء السفر اليه بسبب الزيارة معصية لا تقصر الصلوة فيه وسيحرم خلك يوم الحاجة ماسة الى شفاعة ا ه تلخيصًا۔ یعنی ابن تیمیہ نے بہت سے مسائل میں علمائے حق کی مخالفت کی ہے جس کی نشان دہی حضرت امام تاج دین سبکی وغیرہ نے کی ہے۔ تو جن مسائل میں اس نے خرق اجماع کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں حالت حیض میں اور جس طہر میں ہمبستری کی ہے طلاق نہیں واقع ہوتی، اور نماز اگر قصداً چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب نہیں اور حالت حیض میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنا جائز ہے اور کوئی کفارہ نہیں اور تین طلاق سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے اور تیل وغیرہ پتلی چیزیں چوہا وغیرہ کے مرنے سے نجس نہیں ہوتیں اور بعد ہمبستری غسل کرنے سے پہلے رات میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ شہر میں ہو اور جو شخص اجماع امت کی مخالفت کرے اسے کافر وفاسق نہیں قرار دیا جائے گا اور خدا تعالی کی ذات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے جسم ہونے اور اس کے لئے جہت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ خدا تعالی بالکل عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا، اور یہ بھی کہتا ہے کہ جہنم فنا ہو جائے گی، اور یہ بھی کہتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

کوئی مرتبہ نہیں ہے اوران کو وسیلہ نہ بنایا جائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے، ایسے سفر میں نماز کی قصر جائز نہیں جو شخص ایسا کرے گا وہ حضور کی شفاعت سے محروم رہے گا، نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات۔

انہیں عقائد کی بنیاد پر جب خاتم الفقہاء والمحدثین حضرت شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر اعتراض کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: ابن تیمیه عبد خذله واضله واعماه واصمه واذله وبذالك صرح الائمة الذين بينوا فساد احواله وكذب اقواله ومن اراد ذالك فعليه بمطالعة كلام الامام المجتهد المتفق على امامته وجلالته وبلوغ مرتبة الاجتهاد ابی الحسن السبكی وولد التاج والشيخ الامام العزبن جماعة واهل عصرهم وغيرهم من الشافعية والمالكية والحنفية ولم يقصرا عتراضه على متاخری الصوفية بل اعتراض على مثل عمر بن الخطاب وعلى بن ابی طالب رضی الله عنهما والحاصل ان لا يقام لكلامه وزن بل يرمی فی كل وعروحزن ويعتقد فيه انه مبتدع ضال ومضل جاهل غال، عامله الله تعالیٰ بعدله واجارنا من مثل طريقته وعقيدته وفعله امين ا ه۔ یعنی ابن تیمیہ ایسا شخص ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے نامراد کردیا اور گمراہ کردیا اور اس کی بصارت وسماعت کو سلب فرمالیا اور اس کو ذلت کے گڑھے میں گرادیا، اور ان باتوں کی تصریح ان اماموں نے فرمائی ہے جنہوں نے اس کے احوال کے فساد اور اس کے اقوال کے جھوٹ کا پول کھولا ہے جو شخص ان باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنا چاہے اسے لازم ہے کہ وہ اس امام کے کلام کا مطالعہ کرے، جن کی امامت وجلالت پر سب علمائے کرام کا اتفاق ہے اور جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں، یعنی حضرت ابوالحسن سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت تاج الدین سبکی کے فرزند اور حضرت شیخ امام عزالدین بن جماعۃ اور ان کے ہم عصر شافعی، مالکی اور حنفی علماء کی کتابوں کو پڑھے اور ابن تیمیہ کے اعتراضات فقط متاخرین صوفیہ ہی پر نہیں بلکہ وہ تو اس قدر حد سے بڑھ گیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب اور امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی مقدس ذاتوں کو بھی اپنے اعتراضات کا نشانہ بناڈالا، خلاصہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی بکواسوں کا کوئی وزن نہیں بلکہ وہ اس قابل ہیں کہ گڑھوں اور کنوؤں میں پھینک دی جائیں اور ابن تیمیہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بدعتی گمراہ دوسروں کو گمراہ کرنے والا جاہل اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے، خدا تعالیٰ اس سے انتقام لے اور ہم سب لوگوں کو اس کی راہ اور اس کے عقائد سے اپنی پناہ میں رکھے آمین (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۱۴) اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ابن تيمية من الحنابلة وقد رد عليه ائمه مذهب حتی قال العماء انه الضال المضل اھ۔ یعنی ابن تیمیہ حنبلی کہلاتا ہے، حالانکہ اس مذہب کے اماموں نے بھی اس کا رد کیا ہے، یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ وہ گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ (صاوی جلد اول ص ۹۶) وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از ملا محمد حسین حیدر پور، اوجھا گنج ضلع بستی

کامل ایمان والا کون ہے؟

الجواب: حضور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچ جاننا اور حضور کی حقانیت کو دل سے ماننا ایمان ہے جو شخص اس بات کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس کے کسی قول وفعل یا حال سے اللہ تعالیٰ ورسول اللہ جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار تکذیب یا توہین نہ پائی جائے پھر جس شخص کے دل میں اللہ ورسول کی محبت تمام لوگوں پر غالب ہو اور اللہ ورسول کے محبوب سے محبت رکھے اگر چہ وہ اپنے دشمن ہوں، اور اللہ ورسول اللہ کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرنے والوں سے دشمنی رکھے اگر چہ وہ اپنے عزیز ترین بیٹے ہی کیوں نہ ہوں اور جو کچھ دے اللہ تعالیٰ کے لئے دے اور جو نہ دے اللہ تعالیٰ کے لئے نہ دے تو وہ کامل ایمان والا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔ یعنی جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے اور اسی کے لئے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دے اور اسی کے لئے روکے تو اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ (ابوداؤد مشکوۃ ص ۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد ہارون فاروقی سعدی مدنپور ضلع باندہ، یو۔پی

غوث صمدانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حنفیہ کو گمراہ فرقوں میں سے شمار کیا ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ تحریر فرمائیں بے انتہا کرم اور بے پایاں نوازش ہوگی۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب غنیۃ الطالبین کی نسبت حضرت شیخ محقق محدث عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تو یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہی نہیں، مگر یہ نفی مجرد ہے اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے الحاق کر دیا ہے، فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں: وایاك ان تغتر بما وقع فی الغنیۃ لامام العارفین وشیخ الاسلام والمسلمین الاستاذ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانہ دسہ علیہ فیھا من سینتقم اللہ منہ والا فھو بری من ذالك۔ یعنی خبر دار دھوکا مت کھانا اس سے جو امام اولیاء سردار اسلام ومسلمین حضور سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غنیۃ میں واقع ہوا کہ اس کتاب میں اسے حضور پر افترا کر کے ایسے شخص نے بڑھا دیا ہے کہ عنقریب اللہ عزوجل اس سے بدلہ لے گا، حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں۔

ثانیاً:

اسی کتاب میں تمام اشعریہ یعنی اہلسنت وجماعت کو بدعتی گمراہ گمراہ گر لکھا ہے کہ خلاف ماقالتہ الا شعریہ من

كلام الله معنى قائم بنفسه والله حسيب كل مبتدع ضال مضل کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ! یہ سرکار غوثیت کا ارشاد ہے؟ جس کتاب میں تمام اہلسنت کو بدعتی گمراہ گر لکھا ہے اس میں حنفیہ کی نسبت کچھ ہو تو کیا جائے شکایت ہے، لہٰذا کوئی محل تشویش بات نہیں۔

ثالثاً:

پھر یہ خود صریح غلط اور افتراء برافتراء ہے کہ تمام حنفیہ کو ایسا لکھا ہے کہ غنیۃ الطالبین کے یہاں صریح لفظ یہ ہیں کہ هم بعض اصحاب ابی حنیفه وہ بعض حنفی ہیں اس سے نہ حنیفہ پر الزام آسکتا ہے نہ معاذ اللہ حنفیت پر، آخر یہ تو قطعاً معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ حنفیہ میں بعض معتزلی تھے جیسے زمخشری صاحب کشاف وعبد الجبار ومطرزی صاحب مغرب وزاہدی صاحب قنیہ وحاوی ومجتبیٰ پھر اس سے حنفیت وحنفیہ پر کیا الزام آیا؟ بعض شافعیہ زیدی رافضی ہیں، اس سے شافعیہ وشافعیت پر کیا الزام آیا؟ نجد کے وہابی سب حنبلی ہیں پھر اس سے حنبلیہ وحنبلیت پر کیا الزام آیا؟ جانے دو رافضی، خارجی، معتزلی، وہابی سب اسلام ہی میں نکلے اور اسلام کے مدعی ہوئے پھر معاذ اللہ تعالیٰ اس سے اسلام و مسلمین پر کیا الزام آیا؟

رابعاً:

کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار میں بسند صحیح حضرت ابو التقی محمد بن ازہر صریفینی سے ہے مجھے رجال الغیب کے دیکھنے کی تمنا تھی مزار پاک، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور ایک مرد کو دیکھا دل میں آیا کہ مردان غیب سے ہیں وہ زیارت سے فارغ ہو کر چلے یہ پیچھے ہوئے، ان کے لئے دریائے دجلہ کا پاٹ سمٹ کر ایک قدم بھر کا رہ گیا کہ وہ پاؤں رکھ کر اس پار ہو گئے انہوں نے قسم دے کر روکا اور ان کا مذہب پوچھا فرمایا: حنیفًا مسلما وما انا من المشركين، یہ سمجھے کہ حنفی ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں عرض کے لئے حاضر ہوئے، حضور اندر ہیں، دروازہ بند ہے، ان کے پہنچتے ہی حضور نے اندر سے ارشاد فرمایا: اے محمد! آج روئے زمین پر اس شان کا کوئی ولی حنفی المذہب نہیں، کیا معاذ اللہ! گمراہ بد مذہب لوگ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کی ولایت کی خود سرکار غوثیت نے شہادت دی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۴۸) خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں جب کہ کتابیں چھپتی نہیں تھیں بلکہ قلمی ہوا کرتی تھیں ان میں الحاق آسان تھا، اسی لئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں بھی الحاقات ہوئے، اور حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں تو اس قدر الحاقات ہوئے کہ شمار نہیں کئے جاسکتے جن کو حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواھر" میں بیان فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ خود میری زندگی میں میری کتاب میں حاسدوں نے الحاقات کر دیئے، اسی طرح حکیم سنائی اور حضرت خواجہ حافظ شیرازی وغیرہما اکابرین کے کلام میں الحاقات ہونا حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحفہ اثناء عشریہ میں بیان فرمایا تو اسی طرح غنیۃ الطالبین میں حنفیہ کا گمراہ فرقوں سے شمار الحاقات میں سے ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی ایسا لکھا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت نے بعض اصحاب

...یہ کو گمراہ فرمایا ہے جو فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے تھے جیسے کہ آج کل دیوبندی اور مودودی وغیرہ فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے کے سبب حنفی کہلاتے ہیں اور گمراہ و بدمذہب ہیں۔ وھو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل شانهٗ وصلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالمبین نعمانی، ذاکر نگر جمشید پور۔

عورتیں وضو میں سر کا مسح کس طرح کریں؟ کیا مردوں کی طرح یہ بھی گدی سے ہاتھ پیشانی پر واپس لائیں؟

الجواب: وضو میں سر کا کے مسح کا مستحب طریقہ دو طرح ہے، اول یہ کہ پوری ہتھیلیاں انگلیوں کے سرے تک تر کر کے پھر انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے سوا ایک ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کا سرا دوسرے ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کے سرے سے ملائے اور پیشانی کے بال یا کھال پر رکھ کر گدی تک مسح کرتا ہوا اس طرح لے جائے کہ ہتھیلیاں سر سے جدا رہیں پھر وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتا ہوا آگے تک واپس لائے، جیسا کہ جوہرہ نیرہ، عنایہ اور کفایہ میں ہے: واللفظ للکفایه کیفیته ان یضع من کل واحدة من الیدین ثلاث اصابع علی مقدم راسه ولا یضع الابهام والمسبحة ویجا فی کفیه ویمدهما الی القفا ثم یضع کفیه علی مؤخر راسه ویمدهما الی المقدم اھ

فتاویٰ رضویہ میں مسح کے اس طریقہ کو بہتر فرمایا اور بہار شریعت میں اسی طریقے کو بیان کیا گیا، اور مسح کا دوسرا مستحب طریقہ یہ ہے کہ سب انگلیاں سر کے اگلے حصے پر رکھے اور ہتھیلیاں سر کی کرٹوں پر اور ہاتھ جمائے ہوئے گدی تک کھینچتا لے جائے بس جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان اور عالمگیری میں ہے: واللفظ للهندیة یضع کفیه واصابعه علی مقدم راسه ویمدهما الی قفاه علی وجه یستوعب جمیع الراس اھ۔ شرح نقایہ اور عمدۃ الرعایہ میں اسی دوسرے طریقہ پر جزم کیا اور فتاویٰ رضویہ میں فرمایا کہ سر کے مسح میں ادائے سنت کو یہ طریقہ بھی کافی ہے۔ ردالمحتار اور بحرالرائق میں ہے: قال الزیلعی تکلموا فی کیفیة السح والاظهر ان یضع کفیه واصابعه علی مقدم راسه ویمدهما الی القفا علی وجه یستوعب جمیع الراس اھ۔ طحطحاوی علی المراقی میں فرمایا: وقال الزاهدی هٰکذا روی عن ابی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ اھ۔ لہٰذا عورتیں اور مرد بھی اگر پوری انگلیاں اور ہتھیلیاں سر کے اگلے حصے پر جما کر گدی تک لے جائیں اور پھر ہاتھ پیشانی پر واپس نہ لائیں تو ادائے مستحب کے لئے یہ طریقہ بھی کافی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج فیض آباد

زید نے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے وضو کیا اور اس کی نیت صرف نماز جنازہ پڑھنے کی تھی لیکن نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اسی وضو سے نماز ظہر ادا کرلی تو اس کی نماز ظہر ادا ہوئی کہ نہیں؟ یا اسے نماز ظہر ادا کرنے کے لئے دوسرا وضو کرنا چاہیے تھا؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب، زید نے جو وضو کہ صرف نماز جنازہ پڑھنے کی نیت سے کیا پھر اسی وضو سے نماز ظہر پڑھی تو وہ ادا ہوگئی، کسی دوسرے فرض یا سنت کو ادا کرنے کے لئے بلا نقض وضو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے، مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ غیر ولی کو اگر نماز جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اجازت ہے کہ پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کر کے نماز جنازہ میں شامل ہو جائے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۹ میں ہے: یجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ ولا یجوز للولی وھو الصحیح، ھٰکذا فی الھدایۃ ھ۔ اس صورت میں تیمم کا جواز اس مجبوری کے سبب ہے کہ نماز جنازہ کی نہ قضا ہے نہ تکرار، مگر اس تیمم سے نہ وہ دوسری نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام کر سکتا ہے باوجود ایک عذر خاص کے سبب تیمم کو جائز قرار دیا گیا ہے تو وہ نماز جنازہ ہی تک محدود رہے گا کہ دوسری نمازوں کے لئے وہ عذر نہ رہا مسئلہ تو صرف اسی قدر تھا مگر عوام نے اسے کچھ کا کچھ مشہور کر دیا حالانکہ جو شخص پانی پر قادر نہ ہو اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کرلے تو جب تک عذر باقی رہے گا وہ تیمم سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا اور جب تیمم جو وضو کا خلیفہ ہے اس کے لئے یہ حکم ہے تو اگر نماز جنازہ کے لئے وضو کیا گیا جو اصل ہے تو وہ بدرجۂ اولیٰ سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا۔ ھٰکذا فی الجزء الاوّل من الفتاویٰ الرضویہ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر شمشیر احمد انصاری محلّہ کریم الدین پور گھوسی ضلع میو۔

زید نے نجس کپڑا پہن کر غسل جنابت کیا اور غسل کے درمیان کپڑا تن سے جدا نہیں کیا اس کا غسل ہوا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو کیا علت ہے؟ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب فقہ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: نجس کپڑا پہن کر غسل کرنے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر غسل کرنے والے نے اپنے کپڑے پر بہت پانی ڈالا تو وہ پاک ہو جائے گا اور جب کپڑا پاک ہو جائے تو وہ صحت غسل کو مانع نہ ہوگا، فتح القدیر جلد اوّل ص ۱۸۵ میں ہے: قال ابو یوسف فی ازار الحمام اذا صب علیہ ماء کثیر وھو علیہ یطھر بلا عصر اس لئے کہ غسل میں بہت زیادہ پانی ڈالنا یقیناً تین بار دھونے اور نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۳۸ میں ہے: لا یخفی ان الازار المذکور ان کان متنجسا فقد جعلوا الصب الکثیر بحیث یخرج ما اصاب الثوب من الماء ویخلفہ غیر ثلاثا قائما مقام العصر۔ لیکن لوگ عموماً بہت زیادہ پانی
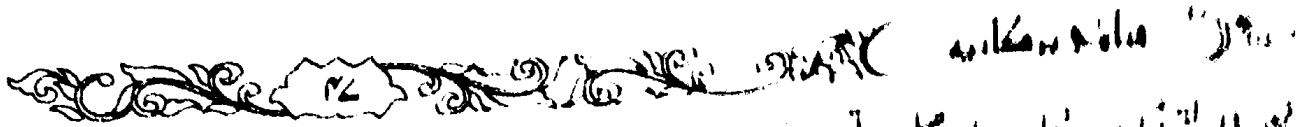
کپڑوں [illegible] نجاست اور پھیل جاتی ہے مثلاً ہاتھ میں نجاست لگ جاتی ہے پھر بے احتیاطی سے سارا بدن یہاں تک کہ بدن بھی نجس ہو جاتا ہے اس لئے پاک [illegible] پہن کر غسل کرنا چاہیئے اور یا تو محفوظ مقام پر ننگے نہانا چاہیے ہاں اگر ندی وغیرہ میں غسل کرے اور نجاست ایسی ہو کہ بغیر ملے زائل نہ ہو تو اسے مل کر دھوئے۔ اور اگر ایسی نہ ہو تو پانی کے دھکے اور بہاؤ سے کپڑا اور بدن پاک ہو جائے گا۔ شامی جلد اول ص ۲۲۲ میں ہے: الجریان بمنزلة التكرار والعصر هو الصحيح. سراج. وهو تعالىٰ اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جمیل احمد سائیکل مستری مہراج گنج بستی۔

ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے، اتفاق سے اس کی آنکھ ایسے وقت کھلی جبکہ فجر کی نماز کا وقت بہت تنگ ہو گیا کہ اگر غسل کرے تو نماز قضا ہو جائے گی، تو کیا ایسا شخص غسل کا تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: جب کہ نماز کا وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ جلدی سے غسل کر کے نماز نہیں پڑھ سکتا تو اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اسے دھو کر غسل کا تیمم کرے اور وضو بنا کر نماز پڑھ لے پھر غسل کرے اور سورج بلند ہونے کے بعد نماز دوبارہ پڑھے، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۵۸۴ میں ہے: مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن پر پانی بہانے کے بعد دو رکعت فرض پڑھنے بھر کا بھی وقت نہیں ہے اور اگر اتنا وقت تو ہے لیکن صابن وغیرہ لگا کر اہتمام سے نہایت بھر کا وقت نہیں ہے، تو فرض ہے کہ صابن وغیرہ کے بغیر غسل کر کے نماز پڑھے اس صورت میں اگر تیمم کر کے نماز پڑھی تو سخت گنہگار ہوگا۔ كما هو الظاهر.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صغیر احمد یوسف زئی اسٹیشن ماسٹر موتی گنج، گونڈہ،

بکر جس کی عمر ستر سال ہے، مفلوج بھی ہو گئے تھے جس کا اثر اب بھی ہے اب کچھ دنوں سے اسے قطرہ قطرہ پیشاب ہر وقت آتا رہتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنی نماز کیسے ادا کرے؟

الجواب: وہ شخص کہ جسے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے اگر نماز کا ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا تو وہ معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت ہو جانے پر وضو کرے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے، اس وقت میں پیشاب کا قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا پھر اس فرض نماز کا وقت چلے جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا، فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۸ میں ہے: المستحاضة ومن به سلس البول او استطلاق

البطن او انفلات الريح اورعاف دائم اوجرح لا يرقاء يتوضؤن لوقت كل صلوة ويصلون بذالك الوضوء في الوقت ماشاء وامن الفرائض والنوافل هٰكذا في البحر۔ ويبطل الوضوء عند خروج الوقت المفروضة بالحدث السابق هٰكذا في الهداية وهو الصحيح هٰكذا في المحيط في نواقض الوضوع وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

از سید شاہ محمد حسنی حسینی چشتی القادری ۱۵۱/ ۹ صوفیہ اسٹریٹ گنٹکل (اے، پی):

مسئلہ: یہاں چند مختلف خیالات رکھنے والے مسلمان بھائی اعتراضات کرتے ہیں کہ قبل اذان اور قبل اقامت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا اور پڑھ کر اذان و اقامت دینا درست نہیں مگر مسجد میں روزانہ بلند آواز سے درود شریف پڑھ کر مائیک میں اذان دی جاتی ہے اور پست آواز درود شریف پڑھ کر اقامت کہی جاتی ہے اس کو روکنے کے لئے روزانہ تحقیقات مخالفانہ مسلمان بھائی کرر ہے ہیں امید رکھتا ہوں کہ براہ کرم اس کا جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: بعون الملك الوهاب، اذان و اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے، مگر درود شریف کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان و اقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان و اقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے۔ بلکہ علماء کرام کثرہم اللہ تعالیٰ نے اقامت سے پہلے اور اس قسم کے دوسرے مواقع میں درود شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۴۸ مطبوعہ دیو بند میں ہے: نص العلماء على استحبابها في مواضع يوم الجمعة وليلتها وزيد يوم السبت والاحد والخميس بما ورد في كل من الثلاثة وعند الصباح والمساء وعند دخول المسجد والخروج منه وعند زيارة قبره الشريف صلى الله عليه وسلم وعند الصفا والمروة وفي خطبة الجمعة وغيرها وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة واوّل الدعاء واوسطه واخره وعقب دعاء القنوت وعند الفراغ من التلبية وعند الاجتماع، والا فتراق وعند الوضوء وعند طنين الاذان وعند نسيان الشي وعند الوعظ ونشر العلوم وعند قرأة الحديث ابتداء وانتهاءً وعند كتابة السوال والفتيا ولكل مصنف ودراس ومدرس وخطيب وخاطب ومتزوج ومزوج وفي الرسائل وبين يدى سائر الامور المهمة وعند ذكرو سماع اسمه صلى الله عليه وسلم او كتابته عند من لا يقول بوجو بها كذا في شرح الفاسي على دلائل الخيرات ملخصًا وغلبها منصوص عليه في كتبنا اه۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ”درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہیے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے (فتاویٰ رضویہ جلد دوم باب الاذان والاقامت ص ۳۹۵ مطبوعہ لائل پور) اگر مخالفین اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور صحابہ

[illegible]

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین [illegible]

مسلمان بچوں کو جو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے [illegible]

کی تعداد ان کی ترتیب اور ان کے نام سب بدعت ہیں [illegible]

اعراب یعنی زیر زبر وغیرہ لگانا اور آیتوں کا نمبر لگانا سب بدعت [illegible]

ان کے احکام مقرر کرنا سب بدعت ہیں اصول حدیث اصول فقہ [illegible] سب بدعت [illegible]

زبان سے نیت کرنا یہ بھی بدعت ہے [illegible] عنہ اللہ تعالیٰ [illegible]

ان الفاظ کو زبان سے کہنا: اللهم لك صمت وبك امنت وعليك توكلت وعلى رزقك افطرت۔ یہ [illegible] بدعت ہے۔

خطبہ کے اذان داخل مسجد کہنا یہ بھی بدعت ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر وعمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں۔ اذان و اقامت سے قبل درود شریف پڑھنے کی مخالفت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ان بدعتوں کی بھی مخالفت کریں مگر وہ لوگ ان بدعتوں کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ جس سے انبیاء کرام و بزرگان دین کی عظمت ظاہر ہو صرف اسی کی مخالفت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی بات نہ سنیں کہ عظمت نبی کا دشمن ابلیس جنت سے نکال دیا گیا اور یہ لوگ عظمت نبی کی مخالفت کر کے جنت میں جانے کا خواب دیکھتے ہیں خدا تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے، آمین۔ وهو تعالى اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ جمادی الاخری ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد شوکت علی صدر بزم قادری موضع کمہریا، وارانسی

اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہیے ورنہ صفیں کس طرح درست ہوں گی اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا رواجی لکھا ہے تو صحیح مسئلہ کیا ہے؟ بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب کو بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے۔ پھر جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور صفوں کو درست کریں۔ جیسا کہ فقہائے کرام اور شارحین حدیث کے اقوال سے ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں مضمرات سے ہے: اذا دخل الرجل عندالاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حى على الفلاح یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو

اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ اور درمختار میں ہے: دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد۔ یعنی جو شخص تکبیر کہے جانے کے وقت مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے اس عبارت کے تحت شامی جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ یعنی اس لئے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو اٹھے اور مولوی عبدالحی فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں: اذا دخل المسجد یکرہ له انتظار الصلوٰۃ قائما بل یجلس موضعا ثم یقوم عند حی علی الفلاح۔ یعنی جو شخص مسجد میں داخل ہوا سے کھڑے ہوکر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۵۱ میں ہے: اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔ یعنی مکبر جب اقامت کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے اس لیے کہ تکبیر کے وقت کھڑے ہونا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ مسجد میں موجود ہیں اقامت کے وقت بیٹھے رہیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علماء نا الثلثة وھو الصحیح۔ یعنی علمائے ثلاثہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے اور یہی صحیح ہے اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۲۲ میں ہے: والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح یعنی امام و مقتدی کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت مستحبہ ہے اور شرح وقایہ مجیدی جلد اوّل ص ۱۳۶ میں ہے: یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ یعنی امام و مقتدی حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور مراقی الفلاح میں ہے: قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح یعنی امام اگر محراب کے پاس حاضر ہو تو امام اور مقتدی کا مکبر کے حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑا ہونا آداب نماز میں سے ہے۔ اور حدیث شریف کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب "تسویة الصف" ص ۸۸ میں ہے: قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقیموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی "مالا بدمنہ" ص ۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں: نزد حی علی الصلوٰۃ امام برخیزد" یعنی امام حی علی الفلاح کے وقت

اٹھے۔ ان تمام حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ امام و مقتدی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں سب اقامت کے وقت بیٹھے رہیں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح پر پہنچے تو انھیں لہٰذا جس مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہئے اور یہ لکھا کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا رواجی ہے وہ نام کا مفتی ہے۔ حقیقت میں مفتی نہیں ہے ورنہ یہ مسئلہ جبکہ فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اسے ضرور خبر ہوتی۔ دیوبندی جو عام طور پر اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے اپنی کتاب مفتاح الجنۃ ص ۳۳ میں لکھا ہے کہ جب اقامت میں حی علی الصلوٰۃ کہے تب امام اور سب لوگ کھڑے ہو جائیں۔ یہاں تک کہ دیوبندیوں کی کتاب راہ نجات ص ۱۴ میں ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت امام اٹھے۔ رہا یہ سوال کہ صفیں کب درست ہوں گی تو اس کا جواب حدیث شریف کی کتاب مؤطا امام محمد کے حوالہ میں اوپر گزرا کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کے بعد صفیں سیدھی کریں اس مسئلہ پر مزید حوالہ جاننے کے لئے ہمارا رسالہ "محققانہ فیصلہ" پڑھیں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سید نذیر احمد رفاعی شاہ نور (کرناٹک)

مفتی اسلام حضرت علامہ جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی...... السلام علیکم...... عرض یہ ہے کہ استقامت ڈائجسٹ پانچویں سال کے تیسرے شمارے میں اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت کرنے کے بارے میں آپ نے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث لکھی ہے جو حضرت نعمان بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا خدا کے بندو اپنی صفوں کو سیدھی کرو۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: خرج یوما فقام حتی کادان یکبر فریٰ رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباداللہ لتسؤن صفونکم (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷) تکبیر کے وقت حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح پر اٹھنے اور صفوں کی درستگی کے بعد امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے مسئلے میں حضرت کے مفصل مضمون سے ہم لوگ خوب مطمئن ہو گئے تھے لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اوّل ص ۲۴۰ مطبوعہ کراچی پاکستان میں ہے اور اسی مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اوّل ص ۲۴۳ میں دوسری حدیث شریف یوں ہے فاذا استوینا کبر جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہو جائیں تو تکبیر کہی جاتی تو ان احادیث کریمہ سے اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور صفیں درست ہو جاتیں اس کے بعد تکبیر کہی جاتی۔ شخص مذکور نے حدیثوں کا ترجمہ دکھا کر ہمیں شبہہ میں ڈال دیا۔ لہٰذا حضرت اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب استقامت ڈائجسٹ میں شائع فرما دیں تا کہ شبہہ دور ہو جائے۔ عین کرم ہوگا۔

الجواب: پہلی حدیث مذکور ابوداؤد شریف کی نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی ہے۔ کتاب کا نام نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ تصحیح کرلیں اقامت کے بعد بھی صفوں کی درستگی کے اہتمام میں آپ کو اس لئے شبہہ پیدا ہوا کہ مخالف نے اپنا غلط مسئلہ صحیح ثابت کرنے کے لئے حدیث شریف کا ترجمہ بدل دیا ہے اور ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد ونظریات کو ثابت کرنے کے لئے نہ معلوم کتنی آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ بدل کر لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اردو داں حضرات کو ان کے ترجموں کے مطالعہ سے بچنا لازم ہے۔ حدیثوں کے صحیح ترجمہ کے لئے ہماری کتاب انوار الحدیث پڑھیں جس میں ۴۵۵ حدیثیں اصل عربی متن کے ساتھ درج ہیں اور خاص کر مشکوٰۃ شریف کی حدیثوں کا صحیح ترجمہ اور مفہوم سمجھنا چاہیں تو حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف ''مراۃ المناجیح'' کا مطالعہ کریں۔ مخالف نے فقام حتی کادان یکبر کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور پہلے نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی۔ تو یہ ترجمہ غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ترجمہ کیا: ای قارب ان یکبر تکبیرۃ الاحرام۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں ترجمہ کیا: ''تا آنکہ نزدیک بود کہ تکبیر برآورد برائے احرام'' مگر چونکہ صحیح ترجمہ سے مخالف کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی تھی اس لئے اس نے حدیث کا ترجمہ بدل دیا۔ اسی طرح مخالف نے دوسری حدیث فاذا استوینا کبر کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''جب صفیں درست ہوجائیں تو تکبیر کہی جاتی'' اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام پہلے صفیں درست کرلیا کرتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی تو یہ بھی غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہوجاتیں تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا: فاذا استوینا کبرای الاحرام قال ابن الملك یدل علی ان السنة للامام ان یسوی الصفوف ثم یکبر اھ یعنی جب صحابۂ کرام کی صفیں سیدھی ہوجاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ امام کے لئے سنت یہ ہے کہ پہلے وہ صفوں کو درست کرے پھر اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے اور شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں فاذا استوینا کبر کا یہ ترجمہ فرمایا: پس چوں برابر می شدیم وخوب می استادیم در نماز تکبیر برآورد برائے احرام'' یعنی جب صحابۂ کرام خوب برابر سیدھے کھڑے ہوجاتے تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے مگر اس حدیث شریف کے صحیح ترجمہ سے بھی مخالف کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا تھا اس لئے اس نے حدیث شریف کا ترجمہ ہی بدل ڈالا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ............ صحیح ترجمہ سے خوب واضح ہوگیا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور تاوقتیکہ صفیں خوب سیدھی نہ ہوجائیں تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ وھو تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ:......محمد عمران اشرفی۔منورہ پال گھر ستھانہ

ہمارے گاؤں میں شافعی وحنفی حضرات کی ملی جلی آبادی ہے اور مصلی وامام حنفی المذہب ہے اکثر عصر وعشاء کی اذان شافعی وقت پر ہوتی ہے اور جماعت حنفی وقت پر ہوتی ہے۔امام صاحب سے دریافت کرنے پر جواب ملا کہ یہاں پر شافعی وحنفی دونوں ہونے کی وجہ سے شافعی وقت پر اذان دلواتا ہوں اور حنفی وقت میں جماعت پڑھاتا ہوں تاکہ شافعیوں کا اعتراض بھی ختم ہو جائے اور حنفیوں کی جماعت بھی ہو جائے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ حنفی امام کو شافعی مقتدیوں کی رعایت میں دانستہ ایسا کرنا درست ہے کہ نہیں۔بینوا توجروا

الجواب: عصر کا وقت شافعی مذہب میں علاوہ سایۂ اصلی کے مثل اوّل کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے تک رہتا ہے اور حنفی مذہب میں عصر کا وقت علاوہ سایۂ اصلی کے دومثل بعد شروع ہوکر دن ڈوبنے تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت شافعی مذہب میں سرخی غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق نمودار ہونے تک رہتا ہے اور حنفی مذہب میں عشاء کا وقت سفیدی غائب ہونے کے بعد شروع ہوکر طلوع صبح صادق تک رہتا ہے۔لہٰذا شافعی وقت کی ابتداء میں اگر عصر اور عشاء کی اذان پڑھی جائے تو حنفی مذہب پر وہ اذان صحیح نہ ہوگی۔لیکن حنفی وقت کے شروع ہونے پر پڑھی جائے تو شافعی مذہب پر بھی اذان صحیح ہو جائے گی۔لہٰذا امام مذکور نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ سراسر غلط ہے۔اس پر لازم ہے کہ وہ حنفی وقت کے شروع ہونے پر اذان پڑھوائے تاکہ حنفی وشافعی دونوں کے نزدیک اذان صحیح ہو جائے اور کسی کو اعتراض نہ رہے اور شافعی وقت کی ابتداء میں عصر وعشاء کی اذان پڑھوانے پر حنفی کو اعتراض رہے گا اس لئے کہ حنفی مذہب میں وقت سے پہلے اذان جائز نہیں اور اگر کسی بھی نماز کی اذان وقت سے پہلے پڑھ دی گئی تو اس کے دوبارہ پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۵۰ میں ہے: تقديم الاذان على الوقت فى غير الصبح لايجوز اتفاقا وكذا فى الصبح عند ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وان قدم يعاد فى الوقت هٰكذا فى شرح مجمع البحرين لابن الملك وعليه الفتوى هٰكذا فى التتار خانية ناقلا عن الحجة. وهو تعالىٰ ورسوله الاعلىٰ اعلم جل مجده وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از عبید اللہ خاں سلیمانی، یاول ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

زید کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہئے اور یہی سنت ہے اور یہی صحابہ، تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی اور خلاف سنت ہے۔عمرو کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے منبر کے پاس ہونا چاہئے۔خارج مسجد خطبہ کی اذان دینا بدعت ہے۔لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں میں

کس کا قول صحیح ہے؟ اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ اگر خارج مسجد اذان دینا صحیح ہے تو مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بیشک خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہئے۔ یہی سنت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارکہ میں یہ اذان خارج مسجد ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ (ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲) اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت مبارکہ: اذا نودی للصلوٰة الخ کے تحت تحریر فرماتے ہیں: اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد. یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی۔ اسی لئے فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق، فتح القدیر اور طحاوی وغیرہ تمام کتب فقہ میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے لہٰذا عمرو جو خطبہ کی اذان خارج مسجد پڑھنے کو بدعت بتاتا ہے وہ گمراہ نہیں تو جاہل ہے اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے کو بدعت بتاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ تو ان باتوں کا جواب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو سنت سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ انہوں نے کس کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور اس کا موجد کون ہے۔ رہے مسجد کے باہر پڑھنے والے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۴ شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از مشہور عالم محلہ ڈونگری بمبئی ۹

اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟

الجواب: اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار جلد اوّل ص ۲۶۷ میں تحریر فرماتے ہیں: یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ عن الشہادة صلی اللہ علیك یارسول اللہ وعند الثانیه منہاقرت عینی بك یارسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہا مین علی العینین فانه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یکون قائدالہ الی الجنة کذا فی کنز العباد۔ اھ قہستانی ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیة۔ یعنی

مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشهدان محمدارسول الله سنےتوصلی الله علیك یارسول الله کہےاور جب دوسری بار سنےتوقرت عینی بك یارسول الله اور پھر کہے:اللهم متعنی بالسمع والبصر اور یہ کہنا انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد ہو۔سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رکاب میں اسے جنت میں لے جائیں گے۔ایسا ہی کنزالعباد میں ہے۔یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہےاور اسی کے مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے‘اور سیدالعلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۱۱ میں علامہ شامی کے مثل لکھنے کے بعد فرمایا:وذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه مرفوعا من مسح العین بباطن انملة السبابتین بعد تقبیلهما عند قول المؤذن اشهدان محمدا رسول الله وقال اشهدان محمد عبده ورسوله رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا حلت له شفاعتی اه وكذا روی عن الخضر علیه السلام وبمثله یعمل بالفضائل۔ یعنی دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع کوذکر فرمایا۔سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ جومؤذن اشهدان محمدا رسول الله کہتے وقت شہادت کی انگلیوں کے پیٹ کو چومنے کے بعد آنکھوں پر پھیرے اور اشهدان محمدا عبده ورسوله۔ رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا کہےتو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔اور ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا ہےاور اس قسم کی حدیثوں پر فضائل میں عمل کیا جاتا ہےاور حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ موضوعات کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:اذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی الله تعالٰی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلوٰة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔ یعنی جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہےتو عمل کے لئے کافی ہےاس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پرعمل کرنا لازم ہےاور احادیث کریمہ میں تکبیر کو بھی اذان کہا گیا ہےلہٰذا تکبیر میں بھی انگوٹھے چومنا جائز وباعث برکت ہےاور اذان وتکبیر کے علاوہ بھی نام مبارک میں انگوٹھے چومنا جائز ومستحسن ہے کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم بھی ہے اور حضور کی تعظیم جس طرح بھی کی جائے باعث ثواب ہے۔هٰذا ما ظهرلی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسوله

کتبہ:جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازعبدالرحمٰن قادری موضوع پڑولی پوسٹ جھنگٹی (ٹھوٹھی باری)ضلع گورکھپور......

تھویب جواذان واقامت کے درمیان کہی جاتی ہے جس میں الصلوٰة والسلام علیك یارسول الله وغیرہ کلمات مخصوصہ پڑھے جاتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟اور خاص کر مذکورہ کلمات کا ہی پڑھنا کہاں سے ثابت ہےاور حدیث شریف:ان علیا رای مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد

وروی مجاهد قال دخلت مع ابن عمر مسجداً فصلی فیه الظهر فسمع موذنا یثوب فغضب وقال قم حتی نخرج من عندهذا المبتدع کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: تثویب کی دو قسمیں ہیں ایک تثویب قدیم۔ دوسرے تثویب جدید۔ تثویب قدیم الصلوٰۃ خیر من النوم ہے جو اذان کی مشروعیت کے بعد فجر کی اذان میں بڑھائی گئی جیسا کہ بحرالرائق جلد اوّل ص ۲۶۰ میں ہے:

وهونوعان قدیم وحادث فالاول الصلوٰة خیر من النوم والثانی احدثه علماء الکوفة بین الاذان والاقامة اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان بلالا اذن لصلوٰة الفجر ثم جاء الی باب حجرة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فقال الصلوٰة یارسول الله فقالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها الرسول نائم فقال بلال الصلوٰة خیر من النوم فلما انتبهِ اخبرته عائشة فاستحسنه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وقال اجعله فی اذانك (عنایه مع فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۲) اور لوگوں کے اندر جب امور دینیہ میں سستی پیدا ہوئی تو اذان و اقامت کے درمیان تثویب جدید کا اضافہ کیا گیا۔

تثویب قدیم سنت ہے اور فجر کی اذان کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری اذان کے ساتھ بڑھانا مکروہ وممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن بلال رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تثوبن فی شی من الصلوات الا فی صلاة الفجر۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں تثویب ہرگز مت کہو اور تثویب قدیم کو دوسرے وقت کی اذان میں اضافہ کرنے کا حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے انکار فرمایا جیسا کہ امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: عن ابن عمر انه سمع موذنا یثوب فی غیر الفجر وهو فی المسجد فقال لصحابه قم حتی نخرج من عند هذاالمبتدع وعن علی رضی الله تعالیٰ عنه انکاره بقوله اخرجوا هذا المبتدع من المسجد واما التثویب بین الاذان والاقامة فلویکن علی عهده علیه السلام واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوٰات کلها یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے ایک مؤذن سے سنا کہ وہ فجر کی اذان کے علاوہ دوسری اذان میں تثویب کہتا ہے تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: اٹھو اس مبتدع کے پاس سے نکل چلیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غیر فجر میں تثویب سے انکار ان کے اس قول سے مروی ہے کہ اس مبتدع کو مسجد سے نکال دو۔ رہی اذان و اقامت کے درمیان کی تثویب تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہیں تھی مگر اس تثویب کو متاخرین نے سب نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۱۸)

معلوم ہوا کہ حضرت علی و ابن عمر رضی اللہ عنہم کا انکار تثویب جدید کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا انکار غیر فجر میں تثویب قدیم سے ہے اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: آوردہ اند کہ ابن عمر بمسجدے درآ ورد وموذن

راشنید در جز نماز فجر تھویب کرد پس از مسجد برآمد و گفت بیروں روید از پیش ایں مرد کہ متبدع ست (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۰۸)
اس عبارت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز فجر کے علاوہ دوسری نماز کے لئے تھویب قدیم سے انکار ہے اور اگر حضرت ابن عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم کا انکار تھویب جدید سے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تھویب کے بارے میں ائمہ اسلام و فقہائے عظام کے تین اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ تھویب جدید نماز فجر کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے مکروہ ہے فجر کا وقت چونکہ نوم و غفلت کا وقت ہے اس لئے اس میں صرف اس کی اذان کے بعد یہ تھویب جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی اور مفتی وغیرہ جو مصالح مسلمین کے ساتھ مشغول ہوں صرف ان کے لئے سب نمازوں کے وقت تھویب جائز ہے یہ قول حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اسی کو امام فقیہ النفس حضرت قاضی خاں نے بھی اختیار فرمایا ہے اور تیسرا قول یہ ہے ہر نماز کے وقت سب مسلمانوں کے لئے تھویب جائز و مستحسن ہے۔ متاخرین نے امور دینیہ میں لوگوں کی غفلت اور سستی کے سبب اسی قول کو اختیار فرمایا جس پر اہلسنت و جماعت کا عمل ہے جیسے کہ اذان و امامت وغیرہ پر اجرت لینا علمائے متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے مگر متاخرین علماء نے امور دینیہ میں لوگوں کی سستی دیکھ کر اسے جائز قرار دے دیا جس پر آج ساری دنیا کا عمل ہے۔ درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۳۴ میں ہے: لا تصح الاجارۃ لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامۃ وتعلیم القران والفقہ ویفتی الیوم بصحتہا التعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ا ھ اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجتبائی ص ۱۵۴ میں ہے: اختلف الفقہاء فی حکم ہذا التثویب علی ثلثۃ اقوال۔ الاول انہ یکرہ فی جمیع الصلوات الاالفجر لکونہ وقت نوم وغفلۃ ویشہدلہ حدیث ابی بکرۃ خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لصلوٰۃ الصبح فکان لا یمربرجل الاناداہ بالصلوٰۃ اوحرکہ برجلہ۔ اخرجہ ابوداؤد فانہ یدل علی اختصاص الفجر بتثویب فی الجملۃ والثانی ماقالہ ابویوسف واختارہ قاضی خان انہ یجوز التثویب للامراء وکل من کان مشغولا بصلاح المسلمین کالقاضی والمفتی فی جمیع الصلوات لا لغیرہم ویشہد لہ ما ثبت بروایات عدیدۃ ان بلالا کان یحضرباب الحجرۃ النبویۃ بعدالاذان ویقول الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ والثالث مااختارہ المتاخرون ان التثویب مستحسن فی جمیع الصلوات لجمیع الناس لظہورالتکاسل فی امورالدین لا سیما فی الصلوٰۃ ویستثنی منہ المغرب بناء علی انہ لیس یفصل فیہ کثیرا بین الاذان والا قامۃصرح بہ العنایۃ والدررو النہایۃ وغیرہا

متون مثلاً تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز الدقائق، غرر الاحکام، غرر الاذکار، وافی، ملتقی، اصلاح، نور الایضاح اور شروح مثلاً درمختار، ردالمحتار، طحطاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ، صغیری، بحر الرائق، نہر الفائق، تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، درر، ابن ملک، کافی، مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، طحطاوی علی مراقی اور فتاویٰ مثلاً ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، جواہر اخلاطی

اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہا کتب معتبرہ میں اذان واقامت کے درمیان تثویب کو جائز ومستحسن لکھا ہے۔ درمختار مع شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے: یثوب بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بما تعارفوه۔ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: تثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام درر۔ قوله فی الکل ای کل الصلوات لظهور التوانی فی الامور الدینیة قال فی العنایة احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وهو تثویب الفجر وما رآه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن اه۔ قوله بما تعارفوه کتنحنح اوقامت قامت اوالصلوٰة ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالك جاز نهر عن المجتبیٰ اھ ملتقطاً اور عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلوٰة الا فی المغرب هٰکذا فی شرح النقایة للشیخ ابی المکارم وهو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰة الصلوٰة اوقامت قامت لانه للمبالغة فی الاعلام وانما یحصل ذالك بما تعارفوه کذا فی الکافی۔

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ مسلمان امور دین میں سست ہوگئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے اذان واقامت کے درمیان تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے جائز ہے اور مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور تثویب کے لئے کوئی الفاظ خاص نہیں ہیں لوگ جو الفاظ بھی مقرر کرلیں جائز ہے۔ آج کل تثویب میں الصلوٰة والسلام علیك یارسول الله وغیرہ کلمات مخصوصہ عموماً کہے جاتے ہیں اس لئے کہ ان سے اعلام کے ساتھ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اسی لئے جو لوگ حضور کی عظمت کے مخالف ہیں وہ تثویب کی مخالفت کرتے ہیں ورنہ تثویب کا جائز ومستحسن ہونا جبکہ تمام کتب متداولہ میں مذکور ہے اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور تثویب میں الصلوٰة والسلام علیك یارسول الله پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا جو بہترین ایجاد ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے: التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر سنة سبع مائة واحدی وثمانین وهو بدعة حسنة اه۔ هٰذا ماعندی والعلم بالحق عند الله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جمیل احمد سائیکل مستری مہراج گنج ضلع بستی

بہت سے لوگ اتنی باریک دھوتی لنگی پہن کر نماز پڑھتے ہیں کہ بدن چھلکتا ہے تو ایسے لوگوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا فرض ہے۔ لہٰذا اتنی باریک دھوتی یا لنگی پہن کر نماز پڑھی کہ جس سے بدن کی رنگت چمکتی ہے تو نماز بالکل نہیں ہوئی اور بعض لوگ جو دھوتی اور لنگی کے نیچے جانگھیا پہنتے ہیں تو اس سے ران کا کچھ حصہ تو چھپ جاتا ہے مگر پورا گھٹنا اور ران کا کچھ حصہ باریک دھوتی اور لنگی کے نیچے سے جھلکتا ہے تو اس صورت میں بھی نماز نہیں ہوتی اس لئے کہ گھٹنے کا چھپانا بھی فرض ہے۔

حدیث شریف میں ہے: الركبة من العورة اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۵۴ میں ہے: العورة للرجل من تحت السرة حتى تجاوز ركبتيه فسرته ليست بعورة عند علماء الثلاثة وركبتيه عورة عند علماءنا جميعا هكذا في المحيط۔ پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ہے: الثوب الرقيق الذى يصف ماتحته لاتجوز الصلوٰة فيه كذا في التبيين اور اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز نہیں ہوگی کہ جس سے بال کا رنگ جھلکے اس لئے کہ عورتوں کو بال کا چھپانا بھی فرض ہے بلکہ منہ ہتھیلی اور پاؤں کے تلوؤں کے علاوہ پورے بدن کا چھپانا ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۴ میں ہے: بدن الحرة عورة الاوجهها وكفيها وقدميها كذا في المتون وشعرا المراة ماعلى راسها عورة واما المسترسل ففيه روايتان الاصح انه عورة كذا في الخلاصة وهوالصحيح وبه اخذ الفقيه ابوالليث وعليه الفتوىٰ كذا في معراج الدراية۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۴۳ پر ہے: اتنا باریک دوپٹہ جس سے بال کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی نہ ہوگی جب تک کہ اس پر کوئی ایسی چیز نہ اوڑھے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ انتهى بالفاظ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔ یوپی

ظہر کی نماز پڑھنے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر نیت کرنے میں زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا جب دل میں ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہو جائے گی۔ اس طرح اگر فرض پڑھنے کا ارادہ ہو مگر بھول کر سنت کہہ دے تو فرض نماز ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ نیت میں زبان کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دل میں جو ارادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے: المعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان ان خلاف القلب لانه كلام لانية اسی کے تحت شامی جلد اوّل ص ۲۷۸ میں ہے: لو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا اجزاء كما في الزاهدى قهستاني. هٰذا ما عندى وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

کچھ لوگ اللہ اکبر کو اللہ آکبر یا اللہ اکبر کہتے ہیں اور بعض لوگ اللہ اکبار کہتے ہیں تو اس سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔

الجواب: کلمۂ جلالت یا لفظ اکبر میں ہمزہ کو مد کے ساتھ آللہ اکبر یا اللہ آکبر تکبیر تحریمہ میں کہا تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی اور اگر درمیان نماز تکبیرات انتقالیہ میں کہیں ایسا کہہ دیا تو نماز باطل ہوگئی۔ اس لئے کہ ایسا کہنے سے استفہام پیدا ہو جاتا ہے جو مفسد نماز ہے اور اللہ اکبار کہنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ڈھول اور یا تو اکبار حیض یا شیطان کا نام ہے۔ شامی جلد اول مطبوعہ ہند ص ۳۰۴ پر درمختار کی عبارت عن مد همزات کے تحت ہے: ای همزة الله وهمزة اكبر اهلاقا للجمع على مافوق الواحد لا نه يصيرا ستفها ما وتعمده كفر فلا يكون ذكرا فلا يصح الشروع به ويبطل الصلوٰة به لوحصل فى اثنائها فى تكبيرات الانتقال اور اسی سے متصل پھر درمختار کی عبارت باء با کبر کے تحت ہے: ای وخالص عن مدباء اكبر لانه يكون جمع كبروهوالطبل فيخرج عن معنى التكبير اوهواسم للحيض اوللشيطان فتثبت الشركة اه. هذاماعندى وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مرتضیٰ حسین خاں، دیوریا رام پور۔ ضلع بستی

چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: چلتی ہوئی ٹرین میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے مگر فرض واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ نماز کے لئے شروع سے آخر تک اتحاد مکان اور جہت قبلہ شرط ہے اور چلتی ہوئی ٹرین میں شروع نماز سے آخر تک قبلہ رخ رہنا اگرچہ بعض صورتوں میں ممکن ہے لیکن اختتام نماز تک اتحاد مکان یعنی ایک جگہ رہنا کسی طرح ممکن نہیں اس لئے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا صحیح نہیں...... ہاں اگر نماز کے اوقات میں نماز پڑھنے کی مقدار ٹرین کا ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھ لے۔ پھر موقع ملنے پر اعادہ کر لے۔ ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۷۲ میں ہے: الحاصل ان كلامن اتحادالمكان واستقبال القبلة شرط فى صلوٰة غير النافلة عندالامكان لايسقط الابعذر اه۔ یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ نفل نماز کے علاوہ سب نمازوں کے لئے اتحاد مکان اور استقبال قبلہ یعنی ایک جگہ ٹھہرنا اور قبلہ رخ ہونا آخر نماز تک بقدر امکان شرط ہے جو بغیر عذر شرعی ساقط نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ ٹرین نماز کے اوقات میں کہیں نہ کہیں اتنی دیر ضرور ٹھہرتی ہے کہ دو چار رکعت نماز فرض آسانی سے پڑھ سکتا ہے کہ ٹرین ٹھہرنے سے پہلے وضو سے فارغ ہو کر تیار رہے اور ٹرین ٹھہرتے ہی اتر کر یا ٹرین ہی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھ لے اگر اتنی قدرت کے باوجود کاہلی اور سستی سے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھے گا تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اور نماز نہ ہوگی...... اور بعض لوگ جو ٹرین کو کشتی پر قیاس کر کے چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں

اس لئے کہ ٹرین خشکی کی سواری ہے اور کشتی دریا کی۔ اگر کشتی کو بیچ دریا میں ٹھہرایا بھی جائے تو پانی ہی میں ٹھہرے گی اور زمین اسے میسر نہ ہوگی اور ٹھہرنے کی حالت میں بھی دریا کی موجوں سے ہلتی رہے گی۔ بخلاف ٹرین کے کہ وہ زمین ہی پر ٹھہرتی ہے اور مستقر رہتی ہے تو اس کو کشتی پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے اور پھر ٹرین اوقات نماز میں عام طور پر جگہ جگہ ٹھہرتی ہے تو اس پر سے اتر کر یا اس میں کھڑے ہوکر بخوبی نماز پڑھ سکتے ہیں اور کشتی جہاز و اسٹیمر نماز کے اوقات میں جا بجا نہیں ٹھہرتے ہیں بلکہ خاص مقام ہی پر جاکر ٹھہرتے ہیں اور کبھی کنارے سے دور ٹھہرتے ہیں کہ اس سے اتر کر کنارے پر جانے اور واپس آنے کا وقت نہیں ملتا اس لئے ٹرین کو کشتی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں کشتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر زمین پر اس کا ٹھہرنا ٹھہرانا یا اس پر سے اتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس پر بھی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے: فان صلى فى المربوطة بالشط قائما وكان شئى من السفينة على قرار الارض صحت الصلوٰة بمنزلة الصلوٰة على السرير وان لم يستقر منها شىء على الارض فلا تصح الصلوٰة فيها على المختار كما فى المحيط والبدائع الا اذالم يمكنه الخروج بلا ضرر فيصلى فيها اھ اور طحطاوی علی مراقی میں ہے: قال الحلبى ينبغى ان لا تجوز الصلوٰة فيها اذا كانت سائرة مع امكان الخروج الى البر۔ اھ خلاصہ یہ کہ چلتی ہوئی ٹرین میں فرض واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۹ میں ہے: چلتی ریل گاڑی پر بھی فرض و واجب اور سنت فجر نہیں ہوسکتی اور اس کو جہاز و کشتی کے حکم میں تصور کرنا غلطی ہے کہ کشتی اگر ٹھہرائی بھی جائے جب بھی زمین پر نہ ٹھہرے گی اور ریل گاڑی ایسی نہیں اور کشتی پر بھی اسی وقت نماز جائز ہے جب وہ بیچ دریا میں ہو۔ کنارہ پر ہو اور خشکی پر آ سکتا ہو تو اس پر بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نمازیں پڑھے اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کر لے کہ جہاں من جهة العباد کوئی شرط یا رکن مفقود ہو اس کا یہی حکم ہے۔ انتهى بالفاظه. وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد حنیف میاں سسہیاں کلاں، ضلع گونڈہ

امام، مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کو محراب یا در میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: امام کو بلا ضرورت محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں مکروہ ہے۔ ہاں اگر پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے لیکن پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو اس لئے کہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ زیادہ اونچی ہو تو نماز بالکل نہیں ہوگی اور اگر چار گرہ یا اس سے کم بقدر ممتاز بلند ہے تو بھی کراہت سے خالی نہیں اور بے ضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا سخت مکروہ ہے کہ باعث قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز ہے ہاں اگر کثرت جماعت کے سبب جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی

در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ اسی طرح اگر بارش کے سبب پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ ضرورت ہے اور الضرورات تبیح المحظورات۔ رہا تنہا نماز پڑھنے والا تو وہ بلاضرورت بھی محراب در میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غفور علی موضع کڑی بازار ضلع بستی

کیا عورتوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے؟ اکثر عورتوں کو دیکھا گیا کہ فرض اور واجب سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض، وتر، عیدین اور سنت فجر میں قیام فرض ہے۔ یعنی بلاعذر صحیح یہ نمازیں بیٹھ کر پڑھی گئیں تو نہ ہوں گی۔

بحر الرائق ص ۲۸۲ جلد اوّل میں ہے: وھو فرض فی الصلوٰۃ للقادر علیہ فی الفرض وما ھو یلحق بہ۔ ا ھ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۶۴ جلد اوّل میں ہے: وھو فرض فی صلوٰۃ الفرض والوتر ھٰکذا فی الجوھرۃ النیرۃ والسراج الوھاج اھ اور شامی جلد اوّل ص ۲۹۹ میں ہے: وسنۃ الفجر لا تجوز قاعدا من غیر عذر باجماعھم کما ھو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ کما صرح بہ فی الخلاصۃ ا ھ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں غنیۃ سے ہے اگر عصا یا خادم یا دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے اگر کچھ دیر بھی کھڑا ہو سکتا ہے اگرچہ اتنا ہی کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ لے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر اتنا کہہ لے پھر بیٹھ جائے اھ۔ اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۲ میں تنویر الابصار و درمختار سے ہے: ان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزو مایقدر ولو قدرایۃ او تکبیرۃ علی المذھب اھ۔ اور یہ حکم مردوں کے لئے خاص نہیں ہے یعنی جس طرح نماز میں قیام مردوں کے لئے فرض ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی فرض ہے لہٰذا فرض و واجب تمام نمازیں جن میں قیام ضروری ہے بغیر عذر صحیح بیٹھ کر نہیں ہو سکتیں۔ جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی گئیں ان سب کی قضا پڑھنا اور توبہ کرنا فرض ہے اگر قضا نہیں پڑھیں گی اور توبہ نہیں کریں گی تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گی۔ ہاں نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہیں مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں بیٹھ کر پڑھنے سے دوگنا ثواب ہے اور وتر کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ ھٰکذا فی بہار شریعت. واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد الوارث الکٹرک دکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

قرآن مجید آہستہ پڑھنے کی ادنیٰ مقدار کیا ہے؟ بہت سے لوگ صرف ہونٹ ہلاتے ہیں تو اس طرح قرآن پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سنے اگر صرف ہونٹ ہلائے یا اس قدر آہستہ پڑھے کہ خود نہ سنے تو نماز نہ ہوگی۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں ہے: آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ضروری ہے کہ خود سنے۔ اگر حروف کی تصحیح تو کی مگر اس قدر آہستہ کہ خود نہ سنا اور کوئی مانع مثلاً شور وغل یا ثقل سماعت بھی نہیں تو نماز نہ ہوئی اھ۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۶۵ میں ہے: ان صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لا يجوز وبه اخذ عامة المشائخ هٰكذا في المحيط وهو المختار هٰكذا في السراجية وهو الصحيح هٰكذا في النقاية. وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالحفیظ رضوی جونپوری سنی کھاڑی مسجد کرلا بمبئی

حالت نماز میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے اگر ایسی غلطی ہوگئی کہ جس سے معنی فاسد ہوگئے مگر پھر خود بخود فوراً درست کر لیا یا لقمہ دینے سے اصلاح کیا تو نماز باطل ہوئی یا صحیح ہوگئی؟

الجواب: جبکہ خود بخود درست کر لیا یا مقتدی کے لقمہ دینے سے اصلاح کر لی تو نماز صحیح ہوگئی باطل نہ ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۴۴ میں ہے: ''اگر امام نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگئی تو لقمہ دینا فرض ہے نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد فاروق القادری جل ہری مسجد موضع جل ہری پوسٹ سنا باند ضلع بان کوڑا (بنگال)

بنگلہ میں قرآن شریف چھاپنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک شخص جو ق' ک' ش' س اور الحمد کو الہمد پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اللہ اکبر کو اللہ اکبار کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ بينوا توجروا

الجواب: قرآن مجید کا ترجمہ بنگلہ وغیرہ میں چھاپنا تو جائز ہے لیکن اس کے اصل عربی متن کو بنگلہ میں لکھنا اور چھاپنا جائز نہیں اور شخص مذکور اگر ش' ق' اور ح کی ادائیگی پر بالفعل قادر ہے مگر اپنی لاپرواہی سے حروف صحیح ادا نہیں کرتا تو خود اس کی نماز باطل اور اسکے پیچھے دوسروں کی نماز بھی باطل اور اگر بالفعل حروف کی ادائیگی پر قادر نہیں اور صحیح پڑھنے کے لئے جان لڑا کر کوشش بھی نہ کی تو اس صورت میں بھی اس کی اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز نہیں ہوگی اور اگر برابر حد درجہ کی کوشش کئے جا رہا ہے مگر کسی طرح صحیح حروف کو ادا نہیں کر پاتا تو اسکا حکم مثل امی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے مگر وہ تنہا پڑھے یا امامت کرے تو نماز باطل ہے البتہ اگر رات دن برابر تصحیح حروف میں کوشش کرتا ہے اور امید کے باوجود طول مدت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور الحمد شریف جو واجب ہے اس کے علاوہ شروع نماز سے آخر تک کوئی ایسی آیت یا سورۃ نہ پڑھے کہ جن کے

حروف ادا نہ کر پاتا ہو بلکہ ایسی سورتیں اور آیتیں اختیار کرے کہ جن کے حروف کی ادائیگی پر قادر ہو اور کوئی شخص صحیح پڑھنے والا نہ مل سکے کہ جس کی وہ اقتداء کرے اور جماعت بھر کے سب لوگ اسی کی طرح ق' کو ک' ش کو س اور ح کو ہ پڑھنے والے ہوں تو جب تک کوشش کرتا رہے گا اس کی نماز بھی ہو جائیگی اور اس کے مثل دوسروں کی بھی اس کے پیچھے ہو جائے گی اور جس دن امید کے باوجود تنگ آکر کوشش چھوڑ دے یا صحیح القرات کی اقتداء ملتے ہوئے خود امامت کرے یا تنہا پڑھے تو اس کی نماز باطل اور اس کے پیچھے دوسروں کی بھی باطل یہی قول مفتی بہ ہے اور اللہ اکبر کو اللہ اکبار پڑھنے والے کی نہ اپنی نماز ہوگی نہ اس کے پیچھے دوسروں کی۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۹۱ میں ہے: لا یصح اقتداء غیر الالثغ به علی الاصح وحرر الحلبی وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما کالا می فلا یوم الامثله ولا تصح صلاته اذا امکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترک جهده اووجد قدر الفرض مما لا لثغ فیه هٰذا هوالصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اه۔ ملخصا اور ردالمحتار جلد اوّل میں ص ۳۹۲ پر ہے: من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف کا لرهمن الرهیم والشیتان الرجیم والاٰلمین۔ وایاک نابدوایاک نستئین السرات انامت فکل ذالک حکمه مامن بذل الجهد دائما والافلا تصح الصلوٰة به اه ملتقطا۔ اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۲۳ میں ہے: اذا مد احدالهزمتین مفسد وتعمده کفرو کذاالباء فی الاصح۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حاجی محمود شاہ ابوالعلائی محمد سٹیٹ۔ سی ایس ٹی روڈ کالینہ بمبئی

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کا سرا زمین سے لگا رہا اور ان کا پیٹ نہیں لگا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کے سرے زمین سے لگے اور کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں تو اس صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی اور اگر ایک دو انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگے اور اکثر کے پیٹ نہیں لگے تو اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۹۴ میں ہے: ''اگر ہر دو پائے بردار دنماز فاسد ست واگر یک پائے بردار دمکروہ است'' اور درمختار مع ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۱۳ میں ہے: وضع اصبع واحدة منها شرط۔ اور اسی جلد کے ص ۳۵۱ پر ہے: فیه یفترض وضع اصابع القدم ولوواحدة نحوالقبلة والالم تجزه الناس عنه غافلون۔ اور فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۵۵۶ پر ہے: سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ اھ۔ پھر اسی صفحہ کی تیسری سطر میں ہے: پاؤں کو

دیکھئے انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا سجدہ باطل نماز باطل ہے۔

اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط۔ تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نہ ہوئی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں (بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱) ھذا ما عندی وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد فیاض اندھاری پور ضلع غازی آباد

سجدہ میں اگر ناک زمین پر نہ لگے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں ناک زمین پر لگا کر ہڈی تک دبانا واجب ہے تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ اس کی ناک زمین پر نہ لگی یا زمین پر تو لگی مگر ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی اسی طرح فتاویٰ رضویہ اوّل ص ۵۵۶ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱ میں ہے: ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صغیر احمد پوسٹ ومقام بہادر پور ضلع بستی

زید نے اپنی خوشی سے پیسہ کی لالچ میں نسبندی کرالی تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید اگر نماز کی صف میں داخل ہو تو لوگوں کی نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زید گنہگار ہوا اس کے اوپر توبہ واستغفار لازم ہے اور بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور اس کا نماز کی صف میں کھڑا ہونا لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں پیدا کرے گا کہ زنا کرنے والے شراب پینے والے اور اس قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ان کے مرتکب کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوتا تو نسبندی کرانے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل واقع نہیں ہوگا۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد زکی موضع تو نہوا۔ مہدا اوّل ضلع بستی

زید ایک مسجد کا امام ہے اور بکر مقتدی بکر نے امام سے کہا کہ تمام آدمیوں کی نگاہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تمہارے لڑکے اور لڑکی کی چال چلن ٹھیک نہیں ہے۔ اس بات پر غصہ میں آ کر بکر کو کہا کہ میں قیامت میں بھی آٹھ قدم دور رہنا چاہتا ہوں

اور یہاں پر بات کرنا درکنار ہے۔ گو کہ امام صاحب نے بکر کو کہا کہ بات چیت کرنا کیا ہے میں تمہاری شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتا تو ضروری امر یہ ہے کہ بکر امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں اور بکر نے امام صاحب سے جو بیان کیا وہ بہت آدمیوں کے کہنے پر یعنی کئی مقتدیوں نے یہ کہا امام صاحب کو سمجھا دو تو یہ بتلا دیجئے کہ وہ مقتدی جنہوں نے بکر سے کہا وہ امام صاحب کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸ رکوع ۱۹) یعنی اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ یعنی تم سب اپنے متعلقین کے سردار وحاکم ہو اور حاکم سے روز قیامت اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ صورت مستفسرہ میں امام کی لڑکی اور لڑکے کا چال چلن اگر واقعی خراب ہے اور امام ان کی حالتوں پر مطلع ہو کر بقدر قدرت انہیں منع نہیں کرتا بلکہ لڑتا ہے تو وہ دیوث اور فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے جو نمازیں پڑھی گئیں ان کو پھر سے پڑھنا واجب ہے۔ فان الدیوث کما فی الحدیث وکتب الفقه کالدر وغیرہ من لایغار علی اهله هٰکذا فی الفتاویٰ الرضویة اور اگر امام کے لڑکے اور لڑکی کی چال چلن خراب نہیں ہے بلکہ از روئے دشمنی لوگ الزام لگاتے ہیں تو امام مذکور کے پیچھے سب کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اور کوئی دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از پردھان محمد افضل موضع بستی پور۔ اکبر پور فیض آباد

زید حافظ قرآن ہیں چالیس سال سے امامت بھی کر رہے ہیں۔ امامت اس طرح کرتے ہیں کہ عید و بقرعید کی نماز اور جب بھی وہ باہر سے آتے ہیں پابندی سے نماز پڑھاتے ہیں۔ زید چونکہ کچہری میں وکیل کے محرر ہیں اور گاؤں سے دور شہر میں محرری کرتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے محرر جو کہ وکیل کے محرر ہوں ان کے پیچھے نماز از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: محرر اگر سودی لین دین اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ سودی دستاویز اور جھوٹ لکھنے والا ملعون وفاسق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اکل الربوا وموکله ومکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں (مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۴۴) اور اگر محرر ناجائز امور کے کاغذات نہ لکھتا ہو اور نہ اس میں کوئی

دوسری شرعی خرابی ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ اس پرفتن دور میں اگرچہ ناجائز امور کے کاغذات لکھنا عام طور پر رائج ہے لیکن اللہ کے بعض نیک بندے ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو وکیل کے محرر ہونے کے باوجود ناجائز کاغذات نہ لکھتے ہوں بلکہ اس قسم کے کاغذات وکیل کے دوسرے محرر لکھتے ہوں جیسے کہ بعض لوگ بال بنانے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر داڑھی نہیں مونڈتے حالانکہ اس پیشہ میں آج کل حلق لحیہ غالب ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ ثابت نہ ہوجائے کہ محرر مذکور ناجائز اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا کہ مطلقاً ہر محرر کی امامت کو ناجائز ٹھہرانا غلط ہے۔

هذا ماظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد یوسف رضا قادری رضوی (رضا اکیڈمی شاخ بھیونڈی) مہاراشٹر

ایک مولوی صاحب ہماری مسجد میں امامت کرتے ہیں اور ایک کتاب کی دکان بھی کھول رکھی ہے جس میں وہ فلمی گانوں کی کتاب اور وہابیوں کی کتاب بھی رکھتے ہیں۔ محلہ کے کچھ نوجوانوں نے دیکھا تو اعتراض کیا۔ اعتراض کرنے پر مولوی صاحب نے فلمی گانوں کی کتاب تو ہٹادی لیکن وہابیوں کی کتاب ''تعلیم الاسلام'' (مصنف کفایت اللہ) مسلسل اعتراض کرنے کے باوجود بیچ رہے ہیں۔ آج چار سال ہوگئے نوجوان اعتراض کررہے ہیں ہر طرح سے احتجاج کررہے ہیں کہ اس میں وہابیوں کے گندے عقائد ہیں اس کا بیچنا ایک سنی کو کس طرح درست ہے؟ ہم نے حضرت علامہ مفتی بدرالدین صاحب سے پوچھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''تعلیم الاسلام کا بیچنا ناجائز ہے اور جو سنی امام بیچے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے''۔ حتیٰ کہ محلہ کے نوجوانوں نے ان کے پیچھے نماز چھوڑ دی مگر مولوی صاحب آج بھی ضد پر بیچ رہے ہیں۔ تعلیم الاسلام کے چوتھے حصے میں کفر و شرک کے باب میں ہے (۱)...... پیغمبر، ولی یا شہید کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ پانی برساسکتے ہیں، بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں۔ مرادیں پوری کرسکتی ہیں یا روزی دے سکتے ہیں یا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سب شرک ہے (۲)...... یہ اعتقاد کہ فلاں پیغمبر یا ولی، شہید غیب کا علم رکھتے ہیں شرک ہے (۳)...... یہ اعتقاد کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری باتوں کو دور و نزدیک سے سنتے ہیں شرک ہے (۴)...... قبروں پر چڑھاوا چڑھانا، نذر و نیاز کسی پیر کو حاجت روا مشکل کشا کہہ کر پکارنا شرک ہے۔

اور بدعت کے بیان میں ہے (۱) عرس کرنا، قبروں پر چادر اور غلاف ڈالنا، قبروں پر گنبد بنانا، شادی میں سہرا باندھنا سب بدعت ہے اور اس سے پہلے صراحت کردی گئی کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ غرض یہ کہ یہ کتاب بہشتی زیور اور تقویۃ الایمان سے ماخوذ ہے اور اس کا خلاصہ ہے جس سے سنیوں کے تمام عقائد مثلاً (علم غیب رسول، نداء، حاضر و ناظر، استعانت وتصرفات اولیاء) کفر و شرک قرار پاتے ہیں اور معمولات اہلسنت بدعت قرار پاتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ اس کتاب کا بیچنا کیسا ہے؟ امام صاحب جو ضد پر چار سال سے بیچ رہے ہیں کے لیے کیا حکم ہے؟

کیا ان کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ جو لوگ اس بنیاد پر ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں شرعاً وہ موردالزام ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)............ دیوبندیوں کے مفتی کفایت اللہ کی تصنیف تعلیم الاسلام کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ گمراہ کن کتاب ہے۔ اس میں وہابیوں، دیوبندیوں کے غلط اور فاسد عقیدوں کی تبلیغ ہے اور سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے صحیح عقائد و اعمال کو شرک و کفر اور بدعت قرار دیا گیا ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲)...... امام مذکور جان بوجھ کر دیوبندی عقائد کی نشر و اشاعت کے سبب سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ وھو اعلم

(۳)...... ایسا امام تاوقتیکہ علانیہ توبہ و استغفار کر کے تعلیم الاسلام کی خرید و فروخت سے باز نہ آ جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جو شخص کتاب مذکور سے لوگوں کے گمراہ ہونے کی پرواہ نہ کرے بہت ممکن ہے کہ ایسا شخص حالت ناپاکی میں نماز بھی پڑھا دے۔ حضرت علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ شرح منیہ میں فاسق کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلایبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل ماینا فیھا بل ھوالغالب بالنظرالی فسقہ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴)...... گمراہ کن کتاب مسلمانوں کے گھروں میں پہنچانے کے سبب جو لوگ امام مذکور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ موردالزام نہیں ہیں بلکہ جو لوگ جان بوجھ کر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں وہ گنہگار ہوتے ہیں۔ لہٰذا صرف نوجوانوں پر نہیں بلکہ سارے مسلمانوں پر لازم ہے کہ تاوقتیکہ امام مذکور توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ربیع الغوث ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از سمیع اللہ موضع جلالہ۔ ضلع فتحپور

غیر قاری کے پیچھے قاری کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جو مایجوزبہ الصلوٰۃ قرأت نہ کرتا ہو وہی عندالشرع غیر قاری اور امی ہے ایسے شخص کے پیچھے قاری یعنی مایجوز بہ الصلوٰۃ قرأت کرنے والے کی نماز نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۸۰ میں ہے: لا یصح اقتداء القاری بالامی کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از نائب بابا عرف جو بابا موضع دھوبہی پوسٹ کھنڈسری بازار ضلع بستی۔ یوپی

زید سنی جماعت کا مستند عالم ہے لیکن اپنی شادی اور اپنے بھائی کی شادی وہابی کی لڑکی سے کی اور اس کے گھر آتا جاتا ہے کھاتا پیتا ہے نیز تعلقات رکھتا ہے۔ لیکن خود اس کا ذبیحہ نہیں کھاتا ہے اور اس کے والد و دیگر گھر والے ذبیحہ بھی کھاتے ہیں۔ زید اپنے گھر والوں کو ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا ہے۔ اب ایسی صورت میں زید کو برائے نماز امام بنایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ نیز زید کے یہاں شادی و دیگر تقریبات میں ہم سنی مسلمان کھانا پینا کھا پی سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل واضح فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: وہابیوں نے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں شدید گستاخیاں کی ہیں جن کی بنا پر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ نیز ہندو پاکستان کے سینکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے فتویٰ دیا ہے کہ یہ لوگ کافر و مرتد ہیں۔ ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا اور ان سے مسلمانوں کی طرح میل جول رکھنا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۷ ع ۱۴) رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اس آیۃ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والعقود مع کلھم ممتنع (تفسیرات احمدیہ ص ۲۵۵) اور حدیث شریف میں ہے: ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم شریف) اور مشرک کی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی مردار ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص ۲۵۱ میں ہے: لاتو کل ذبیحۃ اھل الشرک والمرتد اھ۔ تو زید جو اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے تعلقات رکھتا ہے ان کے گھر آتا جاتا ہے اور کھاتا پیتا ہے نیز اپنے گھر والوں کو وہابیوں مرتدوں کا مرداری ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا۔ اسے نماز کا امام نہ بنایا جائے کہ ایسے شخص کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ بے وضو نماز پڑھا دیتا ہو یا بے نہائے امامت کر لیتا ہو۔ غنیۃ شرح منیہ اور پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ لعدم اعتنائہ دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ وفعل ما ینا فیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ اھ اور زید کے گھر والے جبکہ وہابی کا مردار ذبیحہ کھاتے ہیں تو اس کے یہاں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں سنیوں کا کھانا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد آدم نوری موضع مٹیسر پوسٹ کرہی۔ ضلع سدھارتھ نگر

ہمارے یہاں ایک خاندان آباد ہے جو پشت در پشت اپنے آپ کو شیخ کہتا رہا اور زکاۃ و خیرات کھاتا رہا اسی خاندان کے ایک نوجوان شخص نے کچھ پڑھ لیا تو اب وہ اپنے آپ کو سید کہنے اور لکھنے لگا جو منع کرنے پر نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ ہم سید ہی ہیں حالانکہ اس کے پاس سید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ یہ شیخ ہیں اور ساری رشتہ داریاں

ان کی شیخ ہی برادری میں ہیں کوئی سیدان کا رشتہ دار نہیں ہے وہی شخص مذکور بروقت گاؤں کے مکتب کا مدرس مقرر ہوا ہے جو مسجد کی امامت بھی کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیمۃ صرفا ولا عدلا ھذا مختصر۔ یعنی جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر خدا تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے یہ حدیث حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص ۶۶۷) لہٰذا شخص مذکور کا خاندان جبکہ پشتہا پشت سے شیخ مشہور ہے اور صدقہ وزکاۃ بھی کھاتا ہے اور اس کی ساری رشتہ داریاں شیخ برادری ہی میں ہیں اور اس کے پاس سید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں مگر وہ اپنے آپ کو سید کہتا ہے تو اس کو آگاہ کیا جائے کہ جو شخص اپنا نسب غلط بتائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور سارے فرشتوں اور سب آدمیوں کی بھی لعنت ہے مزید براں اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی چاہے وہ فرض ہو یا نفل۔ حدیث شریف کے مضمون پر آگاہ ہونے کے بعد اگر شخص مذکور اپنا نسب غلط نہ بتانے کا عہد کرے اور توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جو شخص اپنے اوپر اللہ کی اور سارے ملائکہ وانسان کی لعنت ہونے سے نہ ڈرے اور اپنی کسی عبادت کے قبول نہ ہونے کا خوف نہ کرے تو بہت ممکن ہے کہ ایسا شخص حالت ناپاکی میں نماز بھی پڑھا دے...... علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ شرح منیہ میں فاسق کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ وفعل ماینا فیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ اھ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شیخ واجد صدر انجمن گلشن اسلامیہ سنہٹ ضلع بالاسور اڑیسہ......

سیدی آقائی ومولائی قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... حضور کی خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ ہماری مسجد میں ایک امام ہیں جو پانچ وقت نماز پڑھاتے ہیں اور محلہ کے تمام کاموں کو بھی کرتے ہیں۔ پھر کاروبار میں بھی لگے ہیں اور ایک دکان بھی کر ڈالے ہیں روزانہ دکان میں بیٹھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب: امام مذکور اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القراۃ ہو تو تجارت مانع امامت نہیں اس کے پیچھے نماز

پڑھنا جائز ہے اور یہ خیال کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے غلط ہے۔ بے شمار مسلمان جنہیں اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا خوف ہے اور اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا ڈر ہے وہ بغیر جھوٹ بولے ہوئے تجارت کرتے ہیں۔ لہٰذا تاوقتیکہ امام کا جھوٹ بول کر تجارت کرنا ثابت نہ ہو جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی اور دوسری شرعی خرابی نہ ہو۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صوفی حسن علی۔ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کرلا بمبئی ۷۰

بمبئی میں کچھ نام نہاد مولانا ایسے ہیں جو اپنے وطن سے بظاہر دین کا کام کرنے آئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف پیسہ کماتے ہیں۔

جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ بدمذہب ہو یا مرتد کوئی بھی انہیں نکاح پڑھانے کے لئے بلائے تو وہ بلا کھٹک نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ کسی محلّہ میں اگر بدمذہب یا مرتد ہونے کے سبب نکاح پڑھانے سے کوئی امام انکار کر دیتا ہے تو یہ لوگ جا کر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے اس فعل پر اعتراض کرتا ہے تو جواب دے دیتے ہیں کہ اس کا بدمذہب ہونا ہم کو معلوم نہیں تھا۔ حالانکہ جب دوسرے محلّہ کے لوگ نکاح پڑھانے کے لئے بلانے آتے ہیں تو انہیں اس محلّہ کے امام اور مولانا سے پوچھنا چاہئے کہ آپ نے نکاح کیوں نہیں پڑھایا لیکن وہ کچھ نہیں پوچھتے۔ بدمذہب ہو یا مرتد۔ وہ سب کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ پیسہ ملے چاہے جیسا ملے تو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر واقعی وہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جب وہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے اور مرتد کے ساتھ نکاح پڑھا کر زنا کا دروازہ کھولنے سے نہیں ڈرتے تو وہ بغیر وضو اور غسل کے نماز بھی پڑھا سکتے ہیں ایسے لوگ سخت فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز ناجائز کما صرح فی الکتب الفقھیۃ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمود شاہ ابو العلائی محمد اسٹیٹ سی ایس ٹی روڈ کالینہ بمبئی ۹۸

ہمارے محلّہ میں محمدی مسجد کے امام اور مقتدی سنی حنفی ہیں۔ جس میں کچھ غیر مقلد آکر جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور بلند آواز سے آمین کہتے ہیں اور رفع یدین کرتے ہیں تو اس سے حنفیوں کی نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کو حنفیوں کی مسجد میں آنے سے روکنا کیسا ہے؟ اور جو لوگ کہ ہماری جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جماعت میں غیر مقلدوں کے شریک ہونے سے بیشک نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی نماز باطل ہے تو جس صف کے بیچ میں وہ کھڑے ہوتے ہیں شریعت کے نزدیک حقیقت میں وہ جگہ خالی ہوتی ہے جس سے صف قطع

ہوتی ہے اور قطع صف حرام ہے۔ حنفیوں پر لازم ہے کہ ان کو اپنی مسجد میں آنے سے منع کریں اگر قدرت کے باوجود ان کو نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے اور جو لوگ کہ حنفیوں کی جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں وہ بھی گنہگار مستحق عذاب ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کا روشن بیان رسالہ ''الکوکبۃ الشھابیۃ ورسالہ سل السیوف ورسالہ النھی الاکید'' وغیرہا میں ہے اور تجربہ نے ثابت کر دیا کہ وہ ضرور منکرین ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی وہمراہ تو یقیناً قطعاً اجماعاً ان کے کفر وارتداد میں شک نہیں اور کافر کی نماز باطل تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ۔ جو صف کو ملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے اور جو صف قطع کرے اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کرے تو جتنے اہلسنّت ان کے شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۳۵۶) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ حشمتی خطیب مسجد گلشن بغداد آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی ۸۶

امام دائیں یا بائیں جانب سلام پھیر رہا ہے آنے والا جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ آنے والا جماعت میں شریک ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہے۔ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے یا وہی کافی ہے؟

الجواب: اگر امام پر سجدۂ سہو واجب تھا جس کے لئے وہ اپنی دائیں جانب سلام پھیر رہا تھا یا اسے سہو ہونا یاد نہ تھا اس لئے وہ بہ نیت قطع دائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد بائیں جانب کے سلام میں مصروف تھا پھر کوئی فعل منافی نماز کرنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتداء صحیح ہو جائے گی۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۰۳ میں ہے: سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا وعلی ھذا فیصح الاقتداء بہ اھ۔ اور اگر سجدۂ سہو واجب نہ تھا مگر اس کے لئے سلام پھیر رہا تھا یا سہو ہونا یاد تھا اس کے باوجود بہ نیت قطع وہ سلام میں مشغول تھا یا ختم نماز کے لئے سلام پھیر رہا تھا اور سہو نہیں تھا تو ان صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا اگر جماعت میں شریک ہوگا تو اسکی اقتداء صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ سلام میں مشغول ہوتے ہی وہ نماز سے خارج ہو گیا اور اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے گا۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ملا محمد حسین اوجھا گنج ضلع بستی

بعض لوگ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں تو اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نستعین کو الف کے ساتھ نستاعین پڑھنا بے معنی ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ھٰکذا فی الجزء الثالث من الفتاویٰ الرضویة علی صفحة ص ۱۹۱. وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: سید اللہ بخش ۹۳/۱۸ راجہ جی اسٹریٹ ائٹ پور۔ اے پی

امام صاحب نے ایک آیت کریمہ کو غلط پڑھ کر چھوڑ دیا پھر سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں اور آخر میں سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام صاحب نے اگر ایسا غلط پڑھا کہ جس سے معنی فاسد ہو گئے تو اسے چھوڑ کر دوسری آیت کریمہ پڑھنے اور سجدۂ سہو کرنے سے بھی نماز نہیں ہوئی اور اگر معنی فاسد نہ ہوئے تھے تو سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں سب کی نماز ہو گئی لیکن جس مقتدی کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اگر وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک رہا تو فعل لغو میں اتباع کے سبب اس کی نماز بھی باطل ہو گئی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اذا ظن الامام ان علیه سھوا فسجد للسھو وتابعه المسبوق فی ذالك ثم علم ان الامام لم یکن علیه سھوا الاشھر ان صلاته تفسد وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبد الوہاب خاں قادری رضوی ہر کا مولا چوک لاڑکانہ سندھ (پاکستان)

(۱)......ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھنا چاروں طرف سر کے عمامہ ہو اور ٹوپی درمیان میں سر کے اوپر کھلی رہے باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح باندھ کر نماز پڑھنی کیسی ہے؟

(۲)......کلاہ پر جو عمامہ باندھتے ہیں وہ بھی کلاہ کے چاروں طرف گرداگرد عمامہ ہوتا ہے اور اوپر کلاہ کھلا رہتا ہے اس کا باندھنا اور باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مدلل جواب ارسال فرمائیں بینوا توجروا

الجواب: (۱)......اس طرح عمامہ باندھنا ناجائز اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے جیسا کہ بہار شریعت جلد سوم ص ۱۶۴ میں ہے کہ پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ وکل صلاة ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا۔ اور شامی جلد اوّل ص ۴۳۸ میں ہے: تکویر عمامة علی راسه وترك وسطه مشکوفا کراھة تحریمة اھ ملخصًا اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۰۰ (مصری) میں ہے: ویکرہ الاعتجار وھوان یکور عمامة ویترك وسط راسه مکشوفا کذا فی التبیین اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: یکرہ الاعتجار

وھو شد الراس بالمندیل وتکویر عمامۃ علی راسہ وترک وسطھا مکشوفا اھ واللہ اعلم۔

(۲)......کلاہ ہو یا کسی دوسری قسم کی ٹوپی ہو اعتجار بہر صورت مکروہ ہے۔ طحطاوی میں ہے: المراد انہ مکشوف عن العمامۃ لا مکشوف اصلا لانہ فعل مالایفعل اھ ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۷ر صفر المظفر ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از سید محمد محبوب قادری۔ راجکوٹ۔ گجرات

جو شخص بیرون نماز چین والی گھڑی پہنتا ہو اور بحالت نماز اتار لیتا ہو تو اس کی اپنی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اس کی اپنی نماز بلا کراہت ہو جائے گی جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی تصنیف جدالممتار جلد اوّل ص ۲۲۷ کی عبارت کیف تکرہ مع اشتمالھا الخ سے ظاہر ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از حافظ محمد انوار نوری مکان ۱۰ اہاتھی پالا۔ اندور۔ ایم پی

پاجامہ یا لنگی سے ٹخنہ ڈھکا رہے اور اسی حالت میں نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر از راہ تکبر پاجامہ یا لنگی اتنی نیچی پہنے کہ ٹخنہ اس سے چھپا رہے تو حرام ہے اور اسی حالت میں نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہوئی جس کا اعادہ واجب ہے درمختار میں ہے: کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا...... اور اگر تکبر کی نیت سے اتنا نیچا نہیں پہنتا تو مکروہ تنزیہی ہے اور نماز خلاف اولیٰ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ ازار کا گٹوں سے نیچے رکھنا اگر براہ تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک کہ میں اس کا خاص لحاظ نہ رکھوں فرمایا: انت لست ممن یصنعہ خیلاء یعنی تم ان میں سے نہیں جو براہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۴۸) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جلت عظمتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۹ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی سنی مسجد آگرہ روڈ کرلا۔ بمبئی

حالت نماز میں اگر دائیں پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دائیں پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن مقتدی کا انگوٹھا دائیں بائیں یا آگے پیچھے اتنا ہٹا کہ جس سے صف میں کشادگی پیدا ہو یا سینہ صف سے باہر نکلے مکروہ ہے کہ احادیث کریمہ میں صف کے درمیان کشادگی رکھنے اور صف سے سینہ کو باہر نکالنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر ایک مقتدی جو امام کے برابر میں تھا وہ اتنا آگے بڑھا کہ اس کے قدم کا اکثر حصہ امام کے قدم کے آگے ہوا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوئی ورنہ نہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۸۱ میں ہے: الاصح مالم یتقدم اکثر قدم المقتدی لا تفسد صلوته کما فی المجتبیٰ اور اگر منفرد تنہا نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف ایک صف کی مقدار چلا پھر ایک رکن ادا کرنے کی مقدار ٹھہر گیا پھر اتنا ہی چلا اور اتنی ہی دیر ٹھہر گیا تو چاہے متعدد بار ہو اگر وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم مطبوعہ لاہور ص ۱۵۲ میں ہے اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۴۲۱ میں ہے: مشی مستقبل القبلة هل تفسدان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف کذالك وهکذالا تفسدوان کثر مالم یختلف المکان۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۹۶ میں فتاویٰ قاضی خاں سے ہے: لومشی فی صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلاته۔ وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لاتفسد لیکن بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ جس فعل کی زیادتی مفسد ہے اس کا تھوڑا کرنا ضرور مکروہ ہے اور دو صف کی مقدار ایک دم چلنا مفسد نماز ہے۔ ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۲۲ پر ہے: ما افسد کثیرہ کرہ قلیله بلا ضرورة اور عالمگیری جلد اوّل ص ۹۶ میں ہے: ان مشی رفعة واحدة مقدار صفین فسدت صلاته۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ہردوئی

آج کل عورتیں تانبے، پیتل اور لوہے کے زیورات پہننے لگی ہیں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے سے کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: تانبے، پیتل اور لوہے کے زیورات پہن کر پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲ میں ہے اور ہر وہ نماز کہ مکروہ تحریمی ہو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے درمختار میں ہے: کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ هذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از جمیل احمد صدیقی شہر بہرائچ

ظہر، مغرب اور عشاء کی سنتوں کے بعد نفل نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ بہتر ہے۔ ہاں اگر نفل نماز قصداً شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور قصداً شروع کر کے توڑ دے تو اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: لزم نفل شرع فیه بتکبیرة الاحرام وبقیام الثالثة شروعا صحیحا قصدا ولوعند غروب وطلوع واستواء علی الظاهر فان افسده حرم لقلوه تعالٰی ولا تبطلوا اعمالکم الا بعذروجب قضاءه اھ۔ ملخصًا وهو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

زید نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب کی نماز پڑھے یا با جماعت مغرب پڑھنے کے بعد عصر پڑھے۔ اسی طرح اور نمازوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب: بعد بلوغ زید کی اگر چھ یا چھ وقت سے زیادہ نمازیں قضا ہوگئی ہیں اور ابھی ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی باقی ہے تو کسی بھی وقت کی نماز ہو قضا پڑھنے سے پہلے جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر پانچ وقت یا اس سے کم کی نمازیں قضا ہوئی ہیں اور ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی ابھی باقی ہے تو قضا پڑھنے سے پہلے نہ جماعت میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ تنہا وقتی نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ قضا ہونا یاد ہوا اور اس وقت میں گنجائش ہو۔ هذا خلاصة مافی الکتب الفقیهة والله تعالٰی ورسوله الاعلی اعلم بالصواب جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد مظہر حسین قادری مدرسہ اہلسنت گلشن رسول قصبہ دلاسی گنج ضلع فیض آباد

زید نماز عصر ادا کر رہا تھا قعدہ اولیٰ میں اسے بیٹھنا تھا لیکن وہ بھول گیا اس کا اٹھنا اتنا تھا کہ قریب تھا کہ قیام مان لیا جاتا اتنے میں لقمہ پاتے ہی وہ قعدہ اولیٰ کے لئے بیٹھ گیا تشہد پڑھنے کے بعد کھڑا ہوا نماز دو رکعت وہ بھی پوری کی ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوئی کہ نہیں؟ جواب مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر امام کھڑے ہونے کے قریب تھا یعنی بدن کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا ہو گیا تھا اور پیٹھ میں خم باقی تھا کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گیا اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز پوری ہوگئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی ۲۵۴ میں ہے: ان عادوهوالی القیام اقرب بان استوی النصف الاسفل مع انحناء الظهر وهوالاصح فی تفسیره سجد للسهو اور اگر بیٹھنے کے قریب تھا یعنی ابھی جسم کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا نہ ہوا تھا

کہ لقمہ دینے پر بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں نماز پوری ہوگئی۔ اس کا اعادہ واجب نہیں ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۹۹ میں ہے: اذا عاد قبل ان یستقیم قائما وکان الی القعود اقرب فانه لا سجود علیه فی الاصح وعلیه الاکثر اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

سجدۂ تلاوت بیٹھ کر کیا جائے یا کھڑے ہو کر؟

الجواب: سجدۂ تلاوت میں بیٹھ کر سجدہ میں جانا جائز ہے اور کھڑے ہو کر سجدے میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۲۸ میں ہے: والمستحب انه اذا اراد ان یسجد للتلاوة یقوم ثم یسجد واذا رفع راسه من السجود یقوم ثم یقعد کذا فی الظهیریة واللّٰه تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی المولی تعالیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از سید غلام جہانیاں، گوٹھ بٹ سرائی ضلع داؤد۔ پاکستان

زید جو ہندوستان کا ایک سنی حنفی عالم دین ہے۔ ۳ ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوا جس کی نیت یہ تھی کہ حج کے بعد ایک ماہ مکہ معظمہ میں قیام کرے گا عالم مذکور نے منیٰ اور عرفات میں چار رکعات والی فرض نمازوں میں قصر کی ۹ ذی الحجہ کی رات کو جب عرفات سے مزدلفہ پہنچا تو عشاء میں قصر کی۔ اس پر بکر نے کہا کہ یہاں قصر کرنا غلط ہے عالم دین نے بکر کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے کہا کہ میں کئی بار حج کر چکا ہوں بڑے بڑے علماء کا ساتھ رہا ہے یہاں پر قصر ہرگز نہیں ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں عالم دین کا منیٰ میں عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرنا صحیح ہے یا بقول بکر ان مقامات پر قصر کرنا غلط ہے۔ کتب معتبرہ کے حوالہ سے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں عالم دین جبکہ ۳ ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حج کے لئے حاضر ہوا تو مسافر رہا مقیم نہ ہوا اس لئے کہ پندرہ دن سے قبل ہی اسے منیٰ اور عرفات کی طرف نکلنا تھا تو جب بحالت مسافرت اس نے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی حاضری دی تو ان مقامات پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر ضروری ہوا بلکہ وہ عالم دین ۳ ذی الحجہ کو جبکہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اگر اقامت کی نیت بھی کرتا تو وہ نیت اس کی صحیح نہ ہوتی اور قصر لازم رہتا بکر کا قول صحیح نہیں لہٰذا اس نے اگر کسی بھی سال مذکورہ صورت میں قصر نہ کیا تو ترک واجب کے سبب گنہگار ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ میں ہے: ان

نوی الاقامة اقل من خمسة عشرة یوما قصر هٰکذا فی الهدایة ا ھ۔ بحر الرائق جلد ثانی ص۱۳۲ اور فتاویٰ ہندیہ جلد اوّل مصری ص۱۳۱ میں ہے: ذکر فی کتاب المناسك عندالحاج اذا دخل مکة فی ایام العشر ونوی الاقامة نصف شهر لا یصح لانه لابدله من الخروج الی عرفات فلا یتحقق الشرط اھ۔ اور بدائع الصنائع جلد اوّل ص۹۸ میں کتاب مذکور کے حوالہ سے ہے: ان الحاج اذا دخل مکة فی ایام العشر ونوی الاقامة خمسة عشر یوما اودخل قبل ایام العشرلکن بقی الی یوم الترویۃ اقل من خمسة عشر یوما ونوی الاقامة لایصح اھ۔ فتاویٰ عالمگیری جلداوّل مصری ص۱۳۰ میں ہے: القصر واجب عند نا کذا فی الخلاصة ا ھ۔ درمختار میں ہے: صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوبالقول ابن عباس ان الله فرض علی لسان نبیکم صلاة المقیم اربعاوالمسافر رکعتین اھ۔ اور بحر الرائق میں ہے: لواتم فانه آثم عاص ا ھ۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد نعیم خان، موضع سنگھ پورا یودھیا پوسٹ برگدواہریا ضلع گورکھپور

یہاں کے لوگ دیہات ہی میں جمعہ کی نماز ادا کرلیا کرتے ہیں لیکن بڑی بڑی اور مستند کتابوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے یہ مسئلہ کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے حوالہ کے ساتھ نقل کریں اور نیز یہ بھی بتادیں کہ دیہات میں عورتیں عید کی نماز گھر پر پڑھتی ہیں یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بیشک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ هٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی اور ہدایہ میں ہے: لاتصح الجمعة الافی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القریٰ لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا ضحی الا فی مصر جامع اھ۔ اور اسی کے تحت فتح القدیر میں ہے: رفعه المصنف وانما رواه ابن ابی شیبة موقوفا علی علی رضی الله تعالیٰ عنه ولا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة فطرولا اضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینة عظیمة صححه ابن حزم ا ھ۔ اور عورتیں اگر عید کی نماز گھر میں مردوں کے ساتھ پڑھتی ہیں تو اختلاط مردم کے سبب ناجائز ہے اور اگر صرف عورتیں جماعت کریں تو یہ بھی ناجائز ہے اس لئے کہ صرف عورتوں کی جماعت ناجائز ومکروہ تحریمی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص۸۰ میں ہے: یکره امامة المراة للنساء فی الصلوات کلها من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰة الجنازة هٰکذا فی النهایه اھ۔ اور درمختار میں ہے: یکره تحریما جماعة النساء ولوفی التراویح فی غیر صلوٰة جنازة اھ۔ اور اگر فرداً فرداً پڑھیں تو بھی نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ عیدین کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے ہاں عورتیں اس دن اپنے گھروں میں فرداً فرداً نفل نمازیں پڑھیں تو باعث ثواب وبرکت ہے اور سبب

ازدیاد نعمت ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ ذی الحجہ ص ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سندیلہ۔ ہردوئی

ایک عیدگاہ میں ایک ہی دن عید کی نماز دو اماموں نے دو خطبوں کے ساتھ جماعت سے پڑھائی۔ یعنی عید کی نماز ایک ہی عیدگاہ میں دوبارہ ہوئی تو دونوں نمازیں جائز ہوئیں یا ایک ہی؟ اگر ایک ہی جائز ہوئی تو کون سی۔

الجواب: اگر دونوں اماموں کو عید کی نماز قائم کرنے کا اختیار تھا تو دونوں نمازیں جائز ہوگئیں۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی فی الجزء الثالث من الفتاویٰ الرضویة علی صفحة ۸۰۳۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالعزیز حاجی عبدالکریم پانچ بھیا ہمت نگر (گجرات)

ہمارے یہاں سالہا سال سے نماز جنازہ مسجد کے صحن میں ہوتی تھی جیسا کہ آج بھی احمد آباد وغیرہ کے ائمہ مساجد مسجدوں ہی میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں مگر ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں تو ہمارے یہاں کے امام لوگ مسجد کے باہر ہی نماز جنازہ پڑھانے لگے مگر باہر نماز جنازہ پڑھانے کی صورت میں درمیان صف سے کتا وغیرہ ناپاک جانوروں کے گزرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کے علاوہ سخت سردی تیز دھوپ اور بارش میں جنازہ پڑھنے والوں کو اور میت کو تکلیف ہوتی ہے تو ان وجوہات کی بنا پر مسجد میں جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: بیشک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے۔ ائمہ مساجد کے پڑھانے سے مسجد میں جنازہ جائز نہ ہوگا بلکہ ناجائز ہی رہے گا یہاں تک کہ پڑھنے والوں کو اس صورت میں ثواب بھی نہیں ملتا۔ حدیث شریف اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے یہی ثابت ہے جیسا کہ ہدایہ اولین ص ۱۶۱ میں ہے: لایصلی علی میت فی مسجد جماعة لقوله علیه السلام من صلے علی جنازة فی المسجد فلا اجر له۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۸۶ میں ہے: ولا فی مسجد لحدیث ابی داؤد مرفوعا من صلی علی میت فی المسجد فلا اجرله وفی روایة فلا شئ له۔ یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے ابوداؤد شریف کی حدیث مرفوع ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے کچھ نہیں اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۵ میں ہے: صلوٰة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة۔ یعنی جس مسجد میں جماعت قائم کی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے اور عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص ۹۰ میں ہے: لا یصلی علی میت فی مسجد جماعة

اذ کانت الجنازۃ فی المسجد فالصلوٰۃ علیھا مکروھۃ باتفاق اصحابنا۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جبکہ جنازہ مسجد میں ہو تو نماز مکروہ ہے یہ ہمارے اصحاب کا متفقہ مسئلہ ہے اور شامی جلد اوّل ص ۵۹۳ میں ہے: کما تکرہ الصلوٰۃ علیھا فی المسجد یکرہ ادخالھا فیہ۔ یعنی جیسا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے جنازہ کا مسجد میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح فتاویٰ قاضی خان' فتاویٰ صغریٰ' فتاویٰ بزازیہ' فتح القدیر' شرح وقایہ' عمدۃ الرعایۃ' مراقی الفلاح' طحطاوی علی مراقی اور درمختار وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ومنع ہے اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کا گناہ مثل حرام کے ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: کل مکروہ ای کراھۃ تحریمۃ حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار۔ یعنی ہر مکروہ تحریمی استحقاق جہنم کا سبب ہونے میں حرام کے مثل ہے بلکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نماز جنازہ کے مسجد میں مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۷ میں ہے۔ ''جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے اور صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ جیسا کہ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۵۸ میں ہے: ''مسجد میں جنازہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر سب نمازی مسجد میں ہوں یا بعض احادیث میں نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے...... ان تمام کتب معتبرہ کے حوالہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جو حرام کے مثل ہے...... لہٰذا بغیر عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ہرگز جائز نہیں...... اور سخت سردی اور تیز دھوپ کے سبب بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائیگا کہ جس طرح سردی اور دھوپ میں لوگ اپنے کاموں کے لئے نکلتے ہیں جنازہ کے لئے بھی تھوڑی دیر سردی اور دھوپ برداشت کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہونے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اس کے لئے مکروہ تحریمی گوارا کیا جائے اور مسجد کی بے حرمتی روا رکھیں (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۷) رہی تیز بارش تو جس طرح بارش میں جنازہ گھر سے لے کر مسجد اور مسجد سے قبرستان تک جائیں گے اسی طرح بارش میں مسجد کے باہر جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور اگر بارش میں جنازہ لے کر نکلنا اور دفن کرنا تو ممکن ہو مگر نماز جنازہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ضرور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی رخصت دے دی جائیگی۔ بشرطیکہ شہر میں کہیں مدرسہ' مسافر خانہ اور جماعت خانہ وغیرہ میں پڑھنا ممکن نہ ہو...... مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے عذر عموماً لوگ دھوپ' سردی اور بارش ہی کو بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے عذروں کے بغیر بھی لوگ مسجدوں میں نماز جنازہ بلا کھٹک پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب بہانہ ہے وجہ صرف آرام طلبی اور سہل پسندی ہے جس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک حکم شرع کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ (العیاذ باللہ) اور کتا وغیرہ کے صفوں میں گھسنے کا عذر بھی عند الشرع مسموع نہیں اس لئے کہ نماز جنازہ عیدگاہ کے احاطہ اور مدرسہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ سید العلماء حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لا تکرہ فی مسجد اعدلھا وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید (طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۳۲۶) اور

اگر عیدگاہ مدرسہ نہ ہو تو میدان میں جانوروں سے حفاظت کے لئے آدمی کھڑے کئے جاسکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ صرف جنازہ کے لئے الگ سے مسجد بنالیں پھر اسی میں دھوپ، سردی اور بارش وغیرہ ہر حال میں نماز جنازہ پڑھیں اس طرح میت اور جنازہ پڑھنے والوں کو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی اور ناپاک جانوروں کے صفوں میں گھسنے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا...... وہ مسلمان جو غیر ضروری صرف جائز و مباح کاموں کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں اگر مسجد کی حرمت باقی رکھنے اور ناجائز کام سے بچنے کے لئے نماز جنازہ کی مسجدوں کو نہ بنائیں گے اور بارش وغیرہ کا بہانہ بنا کر عام مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھیں گے تو ضرور گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سیٹھ ابوالحسن لوکھن مارکیٹ۔ دھولیہ

میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب اس موقع پر یہاں اذان دیتے ہیں تو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر جائز ہو تو دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ مخالفت کرنے والوں کو مطمئن کیا جاسکے۔

الجواب: حضرت امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان المیت اذا سئل من ربك فرای له الشیطن فیشیر الی نفسه انی اناربك فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل۔ یعنی جب مردے سے سوال ہوتا ہے تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں: ویؤیدہ من الاخبار قول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عند دفن المیت اللهم اجرہ من الشیطن فلولم یکن للشیطان هناك سبیل ماد عاصلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بذالك۔ یعنی وہ حدیثیں اس بات کی تائید کرتی ہیں جن میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرنے کے وقت دعا فرماتے اے اللہ! اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی دعا نہ فرماتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ شیطان اذان کی آواز سن کر بھاگتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اذن الموذن ادبر الشیطان وله حصاص۔ یعنی جب اذان کہنے والا اذان کہتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس سے واضح ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان ۳۶ میل یعنی تقریباً ۵۸ کلومیٹر تک بھاگ جاتا ہے اور حدیث شریف میں حکم ہے کہ جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان پڑھو وہ دفع ہو جائے گا۔ اخرجه الامام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی فی اوسط معاجیمه عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه۔ اور جب یہ بات ثابت ہے کہ دفن کے بعد شیطان مردے کو

بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم ہے کہ اسے اذان سے دفع کرو تو میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اس لئے کہ اس سے مسلمان بھائی کو شیطان کے بہکانے سے بچنے میں مدد پہنچتا ہے اور قبر جو تنگ و تاریک ہوتی ہے وہ سخت وحشت اور گھبراہٹ کی جگہ ہے الاما رحم ربی۔ اور اذان وحشت کو دور کرنے والی اور دل کو چین بخشنے والی ہے اس لئے کہ وہ خدا کا ذکر ہے اور قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی سن لو خدا کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ (پ۱۳ ع۱۰) اور ابونعیم وابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نزل ادم بالهند واستوحش فنزل جبريل عليه السلام فنادى بالاذان۔ یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اترے۔ سو انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبریل علیہ السلام نے اتر کر اذان پڑھی۔ لہٰذا جو لوگ مردے کی گھبراہٹ اور اس کی وحشت کو دور کرنے کے لئے دفن کے بعد قبر کے پاس اذان پڑھتے ہیں وہ بہتر کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والے غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ردالمحتار جو شامی کے نام سے مشہور ہے اس کی پہلی جلد مطبوعہ دیوبند ص ۲۵۸ میں بھی ہے اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۱ میں بھی ہے کہ بعد دفن میت اذان مستحب ہے۔ وهو تعالىٰ ورسوله الاعلى اعلم جل مجده وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از عبدالکریم محلہ مرزا منڈی ڈاکخانہ کالپی ضلع جالون

تیجے اور چالیسویں میں اکثر لوگ شہر کے رشتہ داروں کو اور باہر کے بھی رشتہ داروں کو بلا کر فاتحہ میں شریک کرتے ہیں اور ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں تو کیا یہ کھانا کھانے میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت تو نہیں ہے۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ میت کے تیجہ اور چالیسواں وغیرہ میں میت کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا بہتر ہے لیکن دوست واحباب اور رشتہ داروں کی شادی کی طرح دعوت کرنا بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم میں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ۱۵۷ میں ہے: لايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام كذا فى التتارخانية۔ اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۶۲۹ اور فتح القدیر جلد دوم ص ۱۰۲ میں ہے: يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل البيت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة۔ اور رشتہ دار وغیرہ کی اس موقع پر شادی کی طرح دعوت کرنا منع ہے تو ان لوگوں کو اس طرح کی دعوت کھانا بھی منع ہے۔ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ ر شوال ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از اکرام سراجی جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کچی باغ بنارس

چاندی کا نصاب 52½ تولہ ہے اگر کسی کے پاس چاندی کی شکل میں نہیں (اور سونا بھی کسی شکل میں نہیں) مگر نوٹ ہیں تو کتنے روپے کے نوٹ ہونے پر وہ صاحب نصاب مانا جائے گا؟ یعنی 52½ تولہ چاندی کے نوٹ ہونے پر جس کی قیمت آج بہت ہے وہ صاحب نصاب قرار پائے گا یا کوئی اور بات ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: اگر کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہیں اور نہ مال تجارت ہے مگر اتنے نوٹ ہیں کہ بازار میں 52½ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا خرید سکتا ہے تو وہ مالک نصاب ہے اس پر زکاۃ فرض ہے ورنہ نہیں یعنی کم سے کم 52½ تولہ چاندی یا 7½ تولہ سونے کی قیمت کے نوٹ ہوں تو زکاۃ واجب ہوگی۔ لہٰذا اگر سونا چاندی اس قدر گراں ہو جائیں کہ لاکھ روپے کا بھی 52½ تولہ چاندی یا 7½ تولہ سونا بازار میں نہ مل سکے تو زکاۃ واجب نہیں اور اگر اس طرح سستے ہو جائیں کہ ایک روپیہ کے نوٹ سے سونے یا چاندی کی مقدار مذکور بازار میں مل سکے تو زکاۃ واجب ہے۔ کفل الفقیہ الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم میں ہے: فی فتاویٰ قاری الهدایة الفتویٰ علی وجوب الزکوۃ فی الفلوس اذا تعومل لها اذا بلغت ما تساوی مأتی درهم من الفضة او عشرین مثقا لا من الذهب اھ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الیٰ نصاب من جنسه اومن احد النقدین باعتبار القیمة کا موال التجارة اھ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نذیر حیات قادری دار العلوم غوثیہ رضویہ کورہی ضلع باندہ۔ یوپی......

غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کم از کم کتنے غلہ پر عشر واجب ہوتا ہے۔

الجواب: غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی شرط نہیں۔ کم سے کم ایک صاع بھی پیدا ہو تو عشر واجب ہو جائے گا در مختار میں ہے: تجب بلا شرط نصاب۔ اور رد المحتار جلد دوم ص ۴۹ میں ہے: یجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ر رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ولی بھائی گورجی تھام ضلع بھڑوچ۔ گجرات

(۱)......زید سنی، حنفی، قادری، بریلوی عقیدہ کا ہے اور وہ زکاۃ سنی، وہابی، رافضی ہر فرقہ والے کو دیتا ہے۔ تو عرض یہ ہے کہ وہابی، دیوبندی، رافضی کو زکوٰۃ دینے سے زید کی زکاۃ از روئے شرع ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۲)............بکر نے زید سے کہا کہ سنیوں کے علاوہ کسی اور فرقہ والے کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے تو زید نے

کہا کہ سنی لوگ بھی زکاۃ کا روپیہ دین ہی کے کام میں صرف کرتے ہیں اور دیوبندی وہابی' رافضی بھی دین ہی کے کام میں خرچ کرتے ہیں تو سنیوں کو دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے اور مذکورہ بالا فرقے کو دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ایسا کیوں؟ اگر یہ صحیح ہے کہ سنیوں کے علاوہ کسی اور فرقے کو دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے تو ہم کو اس بات کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث سے دلیل چاہئے؟ تو عرض یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......وہابی' دیوبندی اور رافضی اپنے کفریات قطعیہ کی بنا پر کافر ومرتد ہیں اس لئے انہیں زکوٰۃ دینے سے زید کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ هٰكذا قال العلماء لاهل السنة والجماعة كثرهم الله تعالٰى. وهو اعلم بالصواب

(۲)............ابن جریر' طبرانی' ابوالشیخ اور ابن مردویہ' رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا لفظ بولے حضور نے ان سے مطالبہ فرمایا تو ان لوگوں نے قسم کھائی کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور کی شان میں بے ادبی کا نہیں کہا ہے۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی: يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آنے کے بعد کافر ہو گئے (پ۱۰' ع۱۶) اور ابن ابی شیبہ' ابن منذر' ابن ابی حاتم اور ابوشیخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد خاص حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی گمشدہ اونٹنی کے بارے میں فرمایا کہ وہ فلاں جنگل میں ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ ان کو غیب کی کیا خبر؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلا کر دریافت فرمایا تو اس نے کہا ہم تو ایسے ہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ یعنی اور اگر تم ان سے پوچھو تو بیشک وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔ تم فرما دو کیا اللہ' اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے؟ بہانے نہ بناؤ۔ اپنے ایمان کے بعد تم لوگ کافر ہو گئے۔ (پ۱۰' ع۱۴) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنی تمیم کا رہنے والا تھا آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! انصاف سے کام لو۔ حضور نے فرمایا: تیری جسارت پر افسوس میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کرتا تو خائب وخاسر ہو چکا ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعه فان له اصحابا يحقر احدكم صلاته مع صلاتهم وصيامه مع صيامهم يقرؤن القران لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية. یعنی اسے چھوڑ دو اس کے بہت ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور

روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا' (ان ظاہری خوبیوں کے باوجود) وہ دین سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ (بخاری جلد اول' ص ۵۰۹)

پہلی آیت کریمہ میں کھلم کھلا فرمایا گیا: وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی وہ لوگ مسلمان تھے مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا لفظ بولنے کے سبب کافر ہو گئے مسلمان نہیں رہ گئے اور دوسری آیت مبارکہ میں واضح طور پر فرمایا گیا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ یعنی کفر کا کلمہ زبان سے نکالنے کے سبب تم لوگ مومن ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور بخاری شریف کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کی نماز اور روزوں کے سامنے مسلمان اپنی نماز اور روزوں کو حقیر سمجھیں گے لیکن وہ لوگ اپنی بدعقیدگی کے سبب دین سے نکلے ہوئے ہوں گے اور اس زمانہ کے وہابی دیوبندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کے سبب دین سے نکلے ہوئے ہیں اسی لئے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ' ہندو پاک اور بنگلہ دیش و برما وغیرہ کے سینکڑوں علماء کرام و مفتیان عظام نے ان کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں ہے۔ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے' صحابۂ کرام کو کافر کہنے اور آواگون وغیرہ بہت سے کفری عقیدے کے سبب رافضی بھی کافر و مرتد ہیں۔ تفصیل کیلئے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک تصنیف تحفۂ اثناء عشریہ ملاحظہ ہو۔ لہٰذا زید کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہابی' دیوبندی اور رافضی بھی زکاۃ کا روپیہ دین ہی کے کام میں خرچ کرتے ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ دین کے نام پر بددینی پھیلانے' مسلمانوں کو گمراہ و بدمذہب بنانے' اور اپنے کفری عقیدوں کو تبلیغ و اشاعت کرنے میں مسلمانوں کی زکاۃ کا مال صرف کرتے ہیں۔

خدا عزوجل زید کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور دشمنان دین و ایمان وہابیوں' دیوبندیوں اور رافضیوں کی نفرت اس کے دل میں پیدا فرمائے اور ان کی اعانت سے اس کو بچنے کی توفیق رفیق بخشے اور مذہب حق اہلسنّت و جماعت پر اسے قائم و دائم رکھے۔

بحرمة النبي الكريم الامين عليه وعلىٰ اٰله افضل الصلوات واكمل التسليم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از محمد مسعود رضا مدرسہ اسلامیہ حنفیہ ہنومان گڑھ ٹاؤن ضلع گنگانگر

بھیک مانگنا کیسا ہے؟ اور بھیک مانگنے والوں کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بھیک مانگنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مالدار جیسے بہت سے قوم کے فقیر' جوگی اور سادھو۔ انہیں بھیک مانگنا حرام اور انہیں دینا بھی حرام ایسے لوگوں کو دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوسکتی۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں فقیر ہیں یعنی نصاب کے مالک نہیں ہیں مگر مضبوط و تندرست ہیں' کمانے کی قوت رکھتے ہیں' اور بھیک مانگنا کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ مزدوری وغیرہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے مفت کھانا کھانے کی عادت پڑی ہے جس کے سبب

بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا حرام ہے اور جو انہیں مانگنے سے ملے وہ ان کے لئے خبیث ہے۔

حدیث شریف میں ہے: لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. یعنی نہ کسی مالدار کے لئے صدقہ حلال ہے اور نہ کسی توانا تندرست کے لئے۔ ایسے لوگوں کو بھیک دینا منع ہے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔ لوگ اگر نہیں دیں گے تو محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ یعنی گناہ وزیادتی پر مدد نہ کرو (پ۶ع۵) مگر ایسے لوگوں کو دینے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ مالک نصاب نہیں ہیں اور بھیک مانگنے والوں کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو نہ مال رکھتے ہیں اور نہ کمانے کی طاقت رکھتے ہیں یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے کی طاقت نہیں رکھتے ایسے لوگوں کو اپنی حاجت پوری کرنے بھر کی بھیک مانگنا جائز ہے اور مانگنے سے جو کچھ ملے وہ اس کے لئے حلال وطیب ہے اور یہ لوگ زکاۃ کے بہترین مصرف ہیں۔ انہیں دینا بہت بڑا ثواب ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔ هكذا قال الامام احمد رضا البريلوي رضي عنه ربه القوي في جزء الرابع من الفتاوىٰ الرضوية.

وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

عید کا دن آنے سے پہلے اگر صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عید کا دن آنے سے پہلے ماہ رمضان میں بلکہ ماہ رمضان سے پہلے بھی صدقۂ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۹ میں ہے: ان قدموها على يوم الفطر جازولا تفصيل بين مدة ومدة وهو الصحيح۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از منیجر محی الدین احمد باغیچہ التفات گنج فیض آباد

کیا روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی نے دس بجے دن تک کچھ کھایا پیا نہیں اور اس وقت روزہ کی نیت کر لی تو اس کا روزہ ہوگا یا نہیں۔

الجواب: ادائے رمضان کا روزہ اور نذر معین و نفلی روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں۔ اگر ضحوۂ کبریٰ یعنی دوپہر سے پہلے نیت کر لی تب بھی یہ روزے ہو جائیں گے اور ان تین روزوں کے علاوہ قضائے رمضان نذر غیر معین اور نفل کی قضا وغیرہ کے روزوں کی نیت عین اجالا شروع ہونے کے وقت یا رات میں کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی روزہ کی نیت اگر دس بجے دن میں کی تو وہ روزہ نہ ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۳۸ میں ہے: جازصوم رمضان وللنذر المعين

والنفل بنیة ذلك الیوم اوبنیة مطلق الصوم اوبنیة النفل من اللیل الی ماقبل نصف النهار وهو المذکور فی الجامع الصغیر وشرط القضاء والکفارات ان یبیت ویعین کذا فی النقایة وکذا النظر المطلق هٰکذا فی السراج الوهاج اور درمختار میں ہے: یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین والنفل بنیة من اللیل الی الضحوة الکبریٰ والشرط للباقی من الصیام قران النیة للفجر ولو حکما وهو تبییت النیة اھ تلخیصا. هذا ماعندی وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از زعفران احمد نئی سڑک کانپور

ماہِ رمضان کے روزہ کی راتوں میں بیوی سے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید پارۂ دوم رکوع ۷ میں ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ. وَهُوَ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد احمد قاری بھوڑ ہری پوسٹ رام سنیہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی۔ یوپی

ماہِ رمضان میں بہت سے لوگ کھلم کھلا کھاتے گھومتے رہتے ہیں اور روزہ کا کوئی لحاظ نہیں کرتے ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے۔

الجواب: ایسے لوگ جو کہ ماہِ رمضان کے دنوں میں علانیہ قصداً بلاعذر کھاتے ہیں ظالم جفاکار سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں۔ بادشاہ اسلام کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دے۔ درمختار میں ہے: لو اکل عمدا شهرة بلاعذر یقتل۔ اسی کے تحت شامی جلد دوم ص ۱۱۰ میں ہے: قال الشر نبلالی لانه مستهزی بالدین اومنکر لما ثبت منه بالضرورة ولا خلاف فی حل قتله والامر به اور جہاں بادشاہ اسلام نہ ہو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں پر سختی کریں اور ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللّٰه تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷ ع۱۴) وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نصیر خان مستر فراش واڑہ۔ ڈونگر پورہ۔ راجستھان

معتکف اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کا عادی ہو تو کیا کرے۔ اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ وغیرہ استعمال کرے یعنی پینے کی غرض سے مسجد سے باہر آئے جائے ایسی صورت میں اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ دلائل کے ساتھ بیان فرما کر مشکور

فرمائیں۔

الجواب: معتکف بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کے لئے فنائے مسجد میں نکل سکتا ہے۔ اعتکاف نہیں ٹوٹے گا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ (فتاویٰ امجدیہ ص ۳۹۹، ج ۱) لیکن خوب منہ صاف کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ کی بو جب تک کہ باقی ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔

وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از مولوی امیر حسین مہاجر مدنی ص۔ ب ۷۴۷ مدینہ منورہ (سعودی عرب)

وہ مسلمان جو کہ ظالم کفار حکومت کے تحت اپنی زندگی گزارتے ہیں اور وہ مسلمان حج بیت اللہ شریف کے لئے چوری چھپے پڑوس والی دوسری حکومت میں داخل ہو کر اسی حکومت کے کہلاتے ہیں اور اس حکومت سے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت بھی دیتے ہیں پھر بعد میں اسی حکومت کے ذریعہ حج بیت اللہ کے لئے آتے ہیں اور حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد پھر اسی راستے سے چوری چھپے اپنے اصلی وطن چلے جاتے ہیں لیکن راستے میں آنے اور جانے کے درمیان حکومت کے قانون کے مطابق عقوبات کے مستحق ہوتے ہیں تو ان مسلمانوں پر اس طرح حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا صورت میں جن حضرات نے حج ادا کیا اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب: وجوب حج کی شرطوں میں سے ایک شرط امن طریق بھی ہے یعنی اگر سلامتی کا غالب گمان ہو تو جانا واجب ہے اور اگر ہلاکت کا غالب گمان ہو تو جانا واجب نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں تبیین سے ہے: قال ابو اللیث ان کان الغالب فی الطریق السلامۃ تجب وان کان خلاف ذالك لایجب وعلیہ الاعتماد۔ اسی قول پر علامہ ابن نجیم مصری نے بحر الرائق میں اور علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں بھی اعتماد فرمایا ہے اور ملا علی قاری نے شرح النقایہ میں فرمایا یہ قول مفتی بہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ غلبۂ سلامتی کے ساتھ خوف کے غالب نہ ہونے کا بھی اعتماد کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا: والذی یظھر ان یعتبر مع غلبۃ السلامۃ عدم غلبۃ الخوف۔ پھر اسی قول کو بحر الرائق اور ردالمحتار میں نقل کرنے کے بعد برقرار رکھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو کسی ظالم حکومت میں رہتے ہیں اگر ان کو حج کی ادائیگی میں خوف کا غلبہ ہو تو ان لوگوں پر حج واجب نہیں ورنہ واجب ہے اور حج کرنے میں اگر بعض لوگوں کو قید و بند کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں یا بعض حجاج قتل کر دیئے جائیں تو یہ مانع وجوب حج نہیں۔ اس لئے کہ پانی کی قلت، گرم ہوا کی تکلیف اور بعض حجاج کے قتل سے حجاز مقدس کا سفر زمانہ سابق میں اکثر محفوظ نہ تھا اس کے باوجود حج فرض رہا۔ ہاں اگر حج کرنے کے سبب ظالم حکومت اکثر حجاج کو قتل

کر دے تو اس صورت میں حج فرض نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے: غلبة السلامة ليس المراد بها لكل احد بل للمجموع وهي لا تنتفي الا بقتل الاكثر والكثير اور فتاویٰ بزازیہ میں فرمایا: والمختار عدم السقوط لان البادية والطريق ماخلت عن افة ومانع ماواني يوجد رضا الله تعالىٰ وزيادة الاماكن الشريفة بلا مخاطرة۔ اور حج کرنے کے لئے کچھ رشوت دینا پڑے جب بھی جانا واجب ہے اور چونکہ مسلمان اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے مجبور ہیں اس لئے دینے والوں پر مواخذہ نہیں۔

درمختار میں ہے: امن الطريق بغلبة السلامة ولوبالرشوة على ماحققه الكمال اور فتح القدیر و بحرالرائق میں ہے: وعلى تقدير اخذ هم الرشوة فالا ثم في مثله على الاخذ لا المعطى على ماعرف من تقسيم الرشوة في كتاب القضاء ولا يترك الفرض لمعصية عاص اور مذکورہ بالا حالات میں جن لوگوں نے حج کرلیا ان کا حج فرض ادا ہوگیا۔ هذا ماظهر لي والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسوله الاعلى جل جلاله وصلى المولىٰ تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غلام حسین خان پوسٹ ومقام بچھوکھری ضلع بستی

زید تیس سال سے ایک مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو حج بیت اللہ سے سرفراز فرمایا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان کو ایام حج کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا اور کمیٹی کا ان کے مطالبہ کو منظور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حج کی ادائیگی میں جو ایام صرف ہوئے ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ جائز نہیں اور ایسے مطالبہ کا منظور کرنا بھی جائز نہیں اس لئے کہ مدرس ان ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے۔ جیسا کہ شامی جلد سوم مطبوعہ ہند ص ۴۰۸ میں ہے: ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لا يمكنه المباشرة لايستحق المعلوم لانه ارادالحكم في المعلوم على نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هوالفقه اھ۔ هذا ماظهر لي والعلم عندالله تعالىٰ ورسوله جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از مطلوب حسین صدیقی فرخ آبادی مدرسہ زینت الاسلام قصبہ امرودھا۔ کانپور

کیا نکاح سے پہلے دولہا کو کلمہ پڑھانا ضروری ہے؟ زید نے نکاح سے پہلے کلمہ پڑھنے سے انکار کردیا اور نکاح خواں سے کہا کہ آپ نکاح پڑھانے آئے ہیں یا مجھے مسلمان بنانے' کلمہ شرائط نکاح میں سے نہیں ہے آپ نکاح پڑھایئے ویسے مجھے کلمہ

پڑھنے سے انکار نہیں ہے مگر اس طرح پڑھانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس موقع پر زید کا کلمہ پڑھنے سے انکار کرنا صحیح ہے یا غلط ہے۔

الجواب: نکاح سے پہلے دولہا کو کلمہ پڑھانا ضروری نہیں ہے مگر دولہا یا دولہن کو اس کے پڑھنے سے انکار کرنا غلط ہے کہ اس کا پڑھنا پڑھانا باعث برکت اور نزول رحمت کا سبب بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے: لقنوا موتا کم لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تلقین کرو اور خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قد روی عنه علیه السلام انه امر بالتلقین بعد الدفن۔ یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث شریف مروی ہے کہ آپ نے دفن کے بعد کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تلقین کا حکم فرمایا (ردالمحتار جلد اول ص ۷۱ ۵) حالانکہ بعد موت ایمان لانا بیکار ہے معلوم ہوا کہ کلمہ کا پڑھنا پڑھانا صرف مسلمان ہی بنانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ زید نے سمجھا بلکہ اس کے دیگر فوائد بھی ہیں اور بوقت نکاح بہت سے فوائد کے ساتھ کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مومن اور کافر کا نکاح نہیں ہوتا ہے تو اگر لاعلمی میں دولہا دلہن کسی سے کفر سرزد ہوا ہوگا تو نکاح ہی نہیں ہوگا اور زندگی بھر حرام کاری ہوتی رہے گی اس لئے علمائے محتاطین نے دولہا دلہن کو نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا جاری فرمایا جیسا کہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نکاح سے پہلے کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کے بارے میں جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "از روئے شریعت درمیان مومن وکافر نکاح منعقد نمی گردد ظاہر ست کہ از ایشان در حالت لاعلمی یا از روئے سہوا اکثر کلمہ کفر صادر می گردد کہ ایشان براں متنبہ نمی شوند دریں صورت اکثر نکاح متناکحین منعقد نمی گردد لہٰذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطاً صفت ایمان مجمل ومفصل را بحضور متناکحین می گویند و می گویانند تا انعقاد نکاح بحالت اسلام واقع شود۔ فی الحقیقت کہ علمائے متاخرین ایں احتیاط را در عقد نکاح افزودہ اند خالی از برکت اسلامی نیست کسانیکہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف آں کے می رسند" یعنی شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق مومن اور کافر کے درمیان نکاح منعقد نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ دلہا دلہن سے لاعلمی کی حالت میں بھول سے اکثر کلمۂ کفر صادر ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ آگاہ نہیں ہوتے اس صورت میں اکثر ان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لئے متاخرین علمائے محتاطین احتیاطاً ایمان مجمل ومفصل کے مضمون کو دلہا دلہن کے سامنے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تاکہ نکاح حالت اسلام میں منعقد ہو جائے۔ حقیقت میں علمائے متاخرین نے اس احتیاط کو جو عقد نکاح میں بڑھایا ہے وہ اسلام کی برکت سے خالی نہیں ہے مگر جو لوگ کہ اسلام سے خاص حصہ نہیں رکھتے وہ اس باریکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص ۴۸)

ثابت ہوا کہ اپنی ناسمجھی سے زید نے بوقت نکاح جو کلمہ پڑھنے سے انکار کیا غلط کیا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از (مولانا) عبدالمبین نعمانی ذاکر نگر جمشید پور

مجلس نکاح میں قاضی نے ایجاب وقبول کرایا اور گواہ حاضر تو تھے مگر ایجاب وقبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: گواہوں نے اگر ایجاب وقبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست نہ ہوا بلکہ اگر پہلی بار ایک گواہ نے سنا اور دوسرے نے نہیں سنا پھر جب نکاح کے لفظ کو دہرایا تو اب دوسرے نے سنا پہلے نے نہیں سنا یا دونوں نے ایک ساتھ ایجاب سنا مگر قبول نہ سنا یا قبول سنا ایجاب نہ سنا یا ایک نے ایجاب سنا دوسرے نے قبول سنا تو ان سب صورتوں میں بھی نکاح درست نہ ہوا اس لئے کہ دو گواہوں کا ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سننا نکاح میں شرط ہے۔ درمختار میں ہے: شرط حضور شاهدين حرين اوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح اھ۔ فتح القدیر میں ہے: اشتراط السماع لانه المقصود من الحضور اھ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ان سمع احد الشاهدين كلا مهما ولم يسمع الشاهد الاخر لا يجوز فان اعاد لفظة النكاح فسمع الذى يسمع العقد الاول ولم يسمع الاول العقد الثانی لايجوز اھ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو سمعا كلام احد هما دون الاخر اوسمع احدهما كلام احدهما والاخر كلام الاخر لايجوز النكاح هكذا فی البدائع اھ۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از برکت علی پوسٹ ومقام چھپیا۔ ضلع گورکھپور

زید کی بیوی ہندہ سے زید کے پاس ایک لڑکا ہے اب زید کی بیوی مرگئی اس کے بعد زید نے دوسری شادی کی اور دوسری بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی طلاق دیدی۔ اب زید کا لڑکا اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ باپ نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو۔ قرآن کریم پارہ چہارم رکوع تیرہ میں ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اور ردالمحتار جلد دوم ص ۲۷۹ میں ہے: تحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولاه۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از فاروق احمد ساکن سرسیا چودھری ضلع بستی

زید اپنے باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب: اپنے باپ کی چچازاد بہن سے زید نکاح کرسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نہ ہو۔ قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. هٰذَا مَا عِنْدِىْ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲؍رجب المرجب ۷۷ھ

مسئلہ: ازمحمد نصیر متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

زید کے دو بیٹے ہیں عمر اور فاروق۔ پھر عمر کا ایک لڑکا ہاشم ہے اور فاروق کا لڑکا جعفر۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ کیا لانہ قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ. واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمحمد انتخاب اشرفی نانپارہ بہرائچ

زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے زنا کیا تو بکر اپنی اس بیوی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: ثبوت زنا کے لئے ازروئے شرع زانی کا اقرار یا چار عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر زید اپنی بہو سے زنا کرنے یا شہوت کے ساتھ چھونے کا اقرار کرے یا اس کی بیوی اقرار کرے اور بکر اقرار کی تصدیق کرے یا شہادت شرعیہ سے انا یا دو شاہد عادل سے بشہوت چھونا ثابت ہو تو بکر کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ بکر پر لازم ہے کہ اسے طلاق دے کر اپنے سے الگ کردے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔

بحرالرائق جلد ثالث ص۱۰۰ میں ہے: فی فتح القدیر وثبوت الحرمة بلسها شروط بان یصدقها ویقع فی أکبر رایه صدقها وعلی هذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاها لاتحرم علی ابیه وابنه الا ان یصدقها اویغلب علی ظنه صدقها ثم رایت عن ابی یوسف ما یفید ذالك۔ اھ

وقال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷،ع۱۴)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳؍ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: ازغلام محی الدین سبحانی مدرسہ مخدومیہ علاؤالدین پور گلر ہا پوسٹ دولت پور گرنٹ ضلع گونڈہ یو۔پی

دیوبندی مولوی نے سرکار اعلیٰ حضرت کی کتاب الملفوظ پر اعتراض کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ حضور وہابی کا پڑھایا نکاح ہو جاتا ہے جواب دیا نکاح تو ہو ہی جائیگا اگرچہ برہمن پڑھائے۔ عرض یہ ہے کہ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے اثبات کی

صورت میں یا دولہا وکیل ہے اور برہمن نے پڑھایا تو نکاح ہو جائے گا؟

الجواب: بیشک نکاح ہو جائے گا اگرچہ برہمن پڑھائے۔ اس لئے کہ ایجاب وقبول کا نام نکاح ہے اور نکاح پڑھانے والا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں بلکہ کافر بھی نکاح کا وکیل ہوسکتا ہے یہاں تک کہ وہ مرتد جو واجب القتل ہوتا ہے وہ بھی مسلمان کا وکیل ہوسکتا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثالث ص ۴۳۹ میں ہے: تجوز وكالة المرتد بان وكل مسلم مرتدا وكذالوكان مسلما وقت التوكيل ثم ارتدفهو على وكالة، الا ان يلحق بدار الحرب فتبطل وكالته. اور بدائع الصنائع جلد سادس ص ۲۰ میں ہے: ردة الوكيل لاتمنع صحة الوكالة۔ لہٰذا دیوبندی مولوی کا ملفوظ کی اس عبارت پر اعتراض کرنا اس کی نری جہالت ہے اگر اس کے نزدیک کافر کو وکیل بنانا غلط ہے تو وہ دلائل سے ثابت کرے اور قیامت تک وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از رمضان علی قادری مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ صدر بازار باسنی ضلع ناگور (راجستھان)

ہمارے گاؤں میں دو قومیں ہیں۔ ایک تیلی اور دوسری قصائی یہ دونوں قومیں سنی صحیح العقیدہ ہیں کیا ان دونوں قوموں میں آپس میں نکاح ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر وہاں کے عرف میں تیلی اور قصائی دونوں قومیں ایک دوسری کی کفو مانی جاتی ہیں تو ان دونوں کا آپس میں بہر صورت ایک دوسرے سے نکاح جائز ہے اور اگر ان دونوں میں کوئی قوم کم درجہ کی مانی جاتی ہے تو اونچے درجہ کی بالغہ لڑکی اور اس کا باپ اگر دونوں راضی ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۲۸۷ میں ہے اور اگر اونچے درجہ کی لڑکی نابالغہ ہے اور باپ کا سوء اختیار نہیں معلوم ہے یعنی پہلے کبھی اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔ درمختار میں ہے: لزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفوان كان الولى ابا او جدًا لم يعرف منهما سوء الاختيار، وان عرف لايصح النكاح اتفاقا اھ. اور کم درجہ والی لڑکی کا نکاح اونچے درجہ والے لڑکے کے ساتھ بہر صورت ہو جائے گا۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۳۱۸ میں ہے: لاتعتبر من جانبها بان تكون مكافئة له فيها بل يجوز ان تكون دونه فيها اھ.

وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الغوث ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از مقبول احمد سوئٹر والے کالپی شریف ضلع جالون

عیسائیوں کی عورتوں سے مسلمان بغیر کلمہ پڑھائے ہوئے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عیسائی عورت کو مسلمان کئے بغیر اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ۲۶۳ میں ہے: یجوز للمسلم نکاح الکتابیة الحربیة والذمیة حرة کانت اوامة کذا فی محیط السرخسی. لیکن عیسائی عورت سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے کہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے اسی صفحہ مذکور پر ہے: والاولی ان لایفعل ولا توکل ذبیحتهم الا للضرورة کذا فی فتح القدیر اور عیسائی عورت سے نکاح اسی وقت جائز ہے جبکہ اپنے اسی مذہب عیسائیت پر ہو اور اگر صرف نام کی عیسائی ہو اور حقیقت میں نیچری اور دہریہ ہو جیسے کہ آج کل کے عام عیسائیوں کا حال ہے تو ان سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ هذا ما عندی وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از حافظ محمد حنیف پکورہ۔ ضلع گونڈہ

زانیہ عورت جبکہ حاملہ ہو تو اس کا نکاح کسی مرد سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زانیہ حاملہ اگر کسی کے نکاح اور عدت میں نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ پھر اگر اسی شخص نے نکاح کیا کہ جس کا وہ حمل ہے تو بعد نکاح حالت حمل میں وہ مرد اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ درمختار فصل فی المحرمات میں ہے: صح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیر الزنا لثبوت نسبه وان حرم وطؤها حتی تضعها ولو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا اھ ملخصًا۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۲ میں ہے: قال ابوحنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ یجوز ان یتزوج امراۃ حاملا من الزنا ولا یطاها حتی تضع وقال ابویوسف رحمة الله تعالیٰ لا یصبح والفتوی علی قولهما کذا فی المحیط وکمالا یباح وطاها لاتباح دواعیه کذا فی فتح القدیر وفی مجموع النوازل اذاتزوج امراۃ قدزنی هولها وظهربها حبل فالنکاح جائز عندالکل وتستحق النفقة عندالکل کذا فی الذخیرة. والله تعالیٰ سبحنه اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سید عبدالسنان ہاشمی وشاہ محمد قادری ہاشمی بک ڈپو بڑھنی بازار ضلع بستی

شمس النساء بنت ابرار حسین کا بچپن کی حالت میں ایک شخص کے ساتھ عقد کردیا گیا تھا۔ اب جبکہ عرصہ چند سال کا گزرا اور شمس النساء حالت شباب میں قدم رکھ رہی ہے جس جگہ اس کا عقد ہوا تھا جانے سے انکار کررہی ہے اب ایسی حالت میں کیا شمس النساء حسب منشا بغیر طلاق حاصل کئے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں شمس النساء کا عقد اگر اس کے باپ دادا نے کیا تھا یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے نے کیا تھا یا ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے عقد کر دیا تھا مگر علم ہونے پر باپ نے یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا نے اسے جائز ٹھہرا دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں شمس النساء طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور اگر حالت نابالغی میں باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے نے نکاح کیا تھا اور باپ دادا زندہ نہ تھے یا زندہ تھے مگر نکاح کا ان کو علم نہ ہوا اور مر گئے تو ان صورتوں میں لڑکی کو بالغ ہوتے ہی فوراً فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہے گا مگر فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجها الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجها غير الاب والجد فلكل منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء نسخ هذا عند ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ويشترط فيه القضاء كذا فى الهداية۔ اور جس ملک میں قاضی نہ ہو تو ضلع کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم اس کے قائم مقام ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم اور حدیقہ ندیہ میں ہے: وهو تعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از غفران احمد نئی سڑک کانپور

اگر سیدہ بالغہ کا ولی راضی نہ ہو اور وہ خود اپنا نکاح کسی پٹھان سے کر لے تو ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نابالغہ سیدزادی کا نکاح اس کا ولی کسی پٹھان سے کر دے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی و مرضی سے کسی مغل پٹھان یا انصاری شیخ غیر عالم دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک کہ اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دے اور اگر نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کر دے تو وہ بھی محض باطل و مردود ہوگا اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کر سکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا۔ كل ذالك معروف فى كتب الفقه كالدر المختار وغيره من الاسفار (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص ۲۹۳) وهو تعالىٰ ورسوله الاعلى اعلم جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالرحمٰن مرسٹھوا پوسٹ گینش پور ضلع بستی

مہر کم سے کم کتنے کا ہو سکتا ہے؟

الجواب: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: لامھر اقل من عشرة دراھم اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۸۳ میں ہے: اقل المھر عشرة دراھم اور دس درہم چاندی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ کے برابر ہوتی ہے لہٰذا اتنی چاندی نکاح کے وقت بازار میں جتنے کی ملے کم سے کم اتنے روپے کا مہر ہوسکتا ہے اس سے کم کا نہیں ہوسکتا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد حنیف میاں سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

عورت سے اگر مہر معاف کرائے اور وہ معاف کردے تو اس طرح مہر معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: عورت اگر ہوش وحواس کی درستگی میں راضی خوشی سے مہر معاف کردے تو معاف ہو جائے گا۔ ہاں اگر مارنے کی دھمکی دے کر معاف کرایا اور عورت نے مارنے کے خوف سے معاف کردیا تو اس صورت میں معاف نہیں ہوگا اور اگر مرض الموت میں معاف کرایا جیسا کہ عوام میں رائج ہے کہ جب عورت مرنے لگتی ہے تو اس سے مہر معاف کراتے ہیں تو اس صورت میں ورثہ کی اجازت کے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۳۸ میں ہے: صح حطھا اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: لابدمن رضاھا ففی ھبة الخلاصة خوفھا یضرب حتی وھبت مھرھا لم یصح اوقادر علی الضرب۔ وان لاتکون مریضة مرض الموت اھ۔ ملخصًا اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۹۳ میں ہے: لابدمن صحة حطھا من الرضی لوکانت مکرھة لم یصح ومن ان لاتکون مریضة مرض الموت ھٰکذا فی البحر الرائق۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: مسئولہ جمعدار نداف پوسٹ ومقام چیتر ا۔ ضلع بستی

زید نے تقریبًا ایک سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تو زید کا نکاح اپنے حقیقی چچا کی بیٹی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کا اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ دودھ پینے والے پر رضاعی ماں کے نسبی اور رضاعی اصول وفروع سب حرام ہو جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا۔ لہٰذا اگر زید نے اس لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہو تو اسے روکا جائے اور اگر ہو چکا ہو تو اس نکاح کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

یکم محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: ازابوالفہیم قادری موضع پورینہ بلندرام دین ڈیہہ گونڈہ

رضائی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی زید نے اپنی ممانی ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ کے لڑکے بکر کے ساتھ زید کی بہن سلمہ کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں بکر کے ساتھ سلمہ کا عقد کرنا جائز ہے۔ درمختار میں ہے: تحل اخت اخیہ رضاعا کان یکون لاخیہ رضاعا اخت نسبا ۱ھ۔ ملخصًا وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: ازعبدالغفار قادری موضع شکرولی پوسٹ علی پور۔ گونڈہ

ایک شخص نے جوش کی حالت میں اپنی بیوی کا پستان منہ میں ڈال لیا، دودھ منہ میں اتر گیا اور اسے پی لیا تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور نکاح ٹوٹ گیا؟ بینوا توجروا

الجواب: مرد اپنی بیوی کا دودھ پی جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی اور نہ نکاح میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۴۱۴ میں ہے: مص رجل ثدی زوجة لم تحرم ۱ھ۔ لیکن بیوی کا دودھ پینا گناہ ہے لہٰذا شخص مذکور توبہ کرے۔ ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: ازرجب قاسم پرااسمٰعیل پور پوسٹ فتحپور۔ گونڈہ

زید جو کہ نابالغ ہے نے اپنے باپ سے اجازت لئے بغیر اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی تو یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: جبکہ زید نابالغ ہے تو اس کی بیوی ہندہ پر طلاق نہیں واقع ہوئی اور اپنے باپ سے اجازت لے کر دیتا تب بھی واقع نہ ہوتی اس لئے کہ نابالغ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں ہوتی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۳ میں فتح القدیر سے ہے: لایقع طلاق الصبی وان کان یعقل ۱ھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: ازحاجی یادعلی قصبہ مہنداول ضلع بستی

ہندہ کے گھر والوں نے ایک طلاق نامہ مرتب کر کے اس کے شوہر زید کو مار پیٹ کر دھمکی دے کر مجبور کیا اور طلاق نامہ پر

دستخط کرا لیے تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر اکراہ شرعی پایا گیا یعنی زید کو کسی عضو کے کاٹے جانے کا یا ضرب شدید کا صحیح اندیشہ ہو گیا تھا اور اس صورت میں اس نے طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے مگر زبان سے اس نے طلاق نہ دی نہ نیت کی تو طلاق واقع نہ ہوئی اور اگر زبان سے طلاق دی یا اکراہ شرعی کے بغیر طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے تو طلاق واقع ہوگئی۔ فتاویٰ قاضی خان مع ہندیہ جلد اوّل ص ۴۴۱ میں ہے: رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امراۃ فلانۃ بنت فلاں بن فلاں فکتب امراۃ فلانۃ بنت فلاں بن فلاں طالق لا تطلق امراتہ لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا وفی البزازیۃ اکرہ علی طلاقھا فکتب فلانۃ بنت فلان طالق لم یقع۔ اور کنزالدقائق میں ہے: یقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرھا۔ بحرالرائق میں ہے: قولہ ولومکرھا ای ولوکان الزوج مکرھا علی انشاء الطلاق لفظا۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از غفور علی ساکن کٹری ضلع بستی

بکر نے اپنی بیوی کے بارے میں یہ تحریر لکھی کہ اگر میں تم کو کسی قسم کی تکلیف دوں یعنی کھانے اور کپڑے میں یا میرے اندر نامردی کی شکایت پائی جائے تو یہ اقرار نامہ نہ سمجھا جائے بلکہ طلاق نامہ سمجھا جائے گا اس میں مجھے کوئی عذر نہیں ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پائی جائے تو کون سی طلاق پڑے گی؟

الجواب: یہ تحریر کہ اگر میں تم کو کسی قسم کی تکلیف دوں الی آخرہ...... تو یہ اقرار نامہ نہ سمجھا جائے بلکہ طلاق نامہ سمجھا جائے گا۔ بے کار بے اعتبار ہے۔ خانیہ میں ہے: ولوقال الزوج دادہ انگار اوقال کردہ انگار لایقع الطلاق وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احبسی انک طالق وان قال ذالک لایقع وان نوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۰ رجب ۱۳۷۸ھ

مسئلہ: از شریف الدین ولد صغیر الدین کہاروں کا اڈا رائے بریلی۔ یوپی

زید کی اپنی والدہ سے گھریلو معاملہ میں کافی بحث ہوتی رہی۔ محض یہ بحث زید اور اس کی بیوی سے تعلق رکھتی تھی۔ زید کی والدہ نے جب زید کی بیوی کا نام لیا کہ تیری بیوی تو ایسی۔ بس اتنی بات میں زید نے سخت غصے کی حالت میں کہا کہ بیوی اپنی ایسی کی تیسی میں گئی اور میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔ زید نے اس موقع پر بیوی کا نام نہیں لیا اور نہ ہی بیوی موقع پر موجود تھی۔ زید کی بیوی اپنے میکے میں قریباً پندرہ یوم ہوئے گئی ہوئی ہے لہٰذا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگرچہ زید نے اپنی بیوی کا نام نہیں لیا مگر جبکہ اس نے یہ کہا کہ بیوی اپنی ایسی تیسی میں

گئی اور میں نے طلاق دی تو قضاءً وقوع طلاق کا حکم کریں گے اس لئے کہ قرینہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی ہی کو طلاق دی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۶۰۷ میں ہے: ''چوں لفظ از ہمہ وجود اضافت تہی باشد آنگاہ بنگرند اگر ایں جا قرینہ باشد کہ با اوراجع تر ارادۂ اضافت ست قضاء حکم طلاق کنند۔ نظرا الی الظاهر واللہ یتولی السرائر۔ اور غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ بلکہ اکثر طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے البتہ اگر شدت غیظ و جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے خبر نہ رہے کہ کیا کہتا ہوں اور کیا زبان سے نکلتا ہے تو بیشک یہ صورت ضرور مانع طلاق ہے اور اگر اس حالت کو نہ پہنچے تو صرف غصہ ہی ہونا شوہر کو مفید نہیں طلاق واقع ہو جائے گی۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از بہاء الدین مقام نرائن پور ضلع فیض آباد

زید نے اپنی بیوی کے بارے میں ایک کارڈ پر طلاق لکھوا کر ہوش و حواس کی درستگی میں اس پر دستخط کیے اور دو گواہوں نے بھی دستخط کیے۔ زید کی ماں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ زید پر ناراض ہوئی تو اس نے کارڈ کو پھاڑ دیا اور کہتا ہے کہ طلاق نہیں پڑی تو اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۴۲۹ پر ہے: لو قال للکاتب اکتب طلاق امراتی کان اقراراً بالطلاق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: عبدالغفور نعیمی کھر گو پور ضلع گونڈہ

شوہر اگر طلاق نہ دے اور لڑکی کے ماں باپ کچہری سے طلاق نامہ لکھوالیں تو وہ طلاق قابل قبول ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: کسی کی بیوی کے لئے کچہری کے حکام کی طلاق ہر گز قابل قبول نہیں کہ طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہے نہ کہ حکام کو حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق۔ هٰذا ماعندی وهو اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: عبدالمعید صوفی موضع پوکھر بھٹواڈاکخانہ تتری بازار۔ بستی

ہندہ بحلف بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے رات میں مجھے پانچ چھ طلاقیں دی ہیں اور شوہر بھی حلف کے ساتھ بیان کرتا

ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: شوہر نے اگر واقعی تین طلاقیں دیدی ہیں تو اس کی عورت ہندہ اس پر حرام ہوگئی بغیر حلالہ کے دوبارہ وہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ قال اللہ تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ۲ ع۱۳) اور طلاق دے کر شوہر کا انکار کرنا خداتعالیٰ کے یہاں کچھ فائدہ نہ دے گا بلکہ وہ زانی ہوگا اور سخت عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن صرف عورت کے بیان سے طلاق ثابت نہ ہوگی تاوقتیکہ شوہر اقرار نہ کرلے اور اس معاملہ میں عورت کی قسم فضول ہے اس لئے کہ وہ مدعیہ ہے اور مرد کی قسم معتبر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: البينة على المدعي واليمين على من انكر۔ لیکن عورت کو اگر یقین ہے کہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پیسہ وغیرہ دے کر اس سے رہائی حاصل کرلے اگر وہ اس طرح بھی نہ چھوڑے تو عورت اسے اپنے اوپر قابو نہ دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق نہ قائم کرے ورنہ مرد کے ساتھ وہ بھی سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد ادریس موضع تینواں تحصیل ہریا بستی

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو حالت حمل میں تین طلاقیں دیدیں تو طلاق کب واقع ہوگی اور کتنے دنوں کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

الجواب: جس وقت زید نے طلاق دی اسی وقت حالت حمل میں فوراً طلاق واقع ہوگئی بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ پارہ ۲۹ سورہ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد عبداللہ محلہ ڈیہہ پور کھیری

حلالہ کرنے والے مرد و عورت سے کیا کسی اجنبی شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان سے یہ دریافت کرے کہ تم دونوں نے بعد نکاح ہمبستری کی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: چونکہ حلالہ میں شوہر ثانی کا ہمبستری کرنا شرط ہے جیسا کہ قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور اس زمانہ میں لوگ اپنی جہالت سے صرف نکاح ہی کرنے کو حلالہ سمجھتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے اس لئے شوہر ثانی کو چاہئے کہ ذمہ دار افراد سے ہمبستری کرنے کا ذکر کردے تاکہ لوگوں کو حلالہ کی صحت پر یقین ہو جائے۔ اگر شوہر ثانی نے بیان نہیں کیا تو نکاح

خواں پر لازم ہے کہ شوہر اول کے ساتھ نکاح پڑھانے سے پہلے حلالہ کی صحت کے بارے میں تحقیق کرے لیکن شوہر ثانی کو ہمبستری کرنے کے بارے میں عام لوگوں سے بیان نہیں کرنا چاہئے اور عام لوگوں کو اس سے دریافت بھی نہیں کرنا چاہئے کہ ان لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ هذا ماظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ جل جلاله وصلی الله علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از عبدالرحمٰن مرسٹھوا۔ پوسٹ گینش پور۔ ضلع بستی

زید کو اقرار ہے کہ ہم نے طلاق دی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ ہم کو یاد نہیں کہ دو طلاقیں دی ہیں یا تین۔ البتہ ایک شخص کا بیان ہے کہ اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو اس صورت میں دو طلاقیں مانی جائیں یا تین۔

الجواب: جبکہ اس بات میں شک ہے کہ دو طلاقیں دی ہیں یا تین تو اس صورت میں دو ہی طلاقیں مانی جائیں گی جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۴۵۴ میں ہے: لوشك اطلق واحدا اواكثر مبنی علی الاقل۔ اور ایک شخص کی گواہی سے تین کا حکم نہ کیا جائیگا تاوقتیکہ دو عادل گواہوں سے اس کا ثبوت نہ ہو۔ البتہ اگر شوہر کو تین طلاق دینا یاد ہے مگر وہ حلالہ سے بچنے کے لئے اس طرح کا بیان دیتا ہے تو وہ زنا کار مستحق عذاب نار ہوگا۔

هذا ماعندی وهواعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سخاوت علی ساکن ہردی پوسٹ بکھرا بازا۔ بستی

زید اپنی بیوی ہندہ مدخولہ سے کسی بات پر جھگڑ رہا تھا اور اس نے اسی درمیان اپنی بیوی سے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے طلاق دے دوں گا۔ دے دوں گا' دے دوں گا اور چوتھی مرتبہ اس نے کہا جا میں نے تجھے طلاق دے دی تو ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ عدت کے اندر عورت کی مرضی کے بغیر بھی رجعت کر سکتا ہے۔ نکاح کی ضرورت نہیں اور بعد عدت اس کی مرضی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

فی المنیریة سئل فی رجل قال لزوجة زوحی طالق هل تطلق طلاقا رجعیا ام بائنا واذا قلتم تطلق رجعیا فما الفرق بینه وبین ما اذا اقصر علی قوله روحی ناویا به الطلاق حیث افتیتم بانه بائن اجاب بانه فی قوله روحی طلاق معناه روحی بصفة الطلاق فوقع بالصریح بخلاف روحی فان وقوعه بلفظ

الکنایۃ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۵۰۹) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۵ شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: مسئولہ مولوی...... ضلع بستی

زید اپنی غیر مدخولہ بیوی کے بارے میں چاہتا تھا کہ وہ بکر کے یہاں نہ جائے لیکن وہ مانتی ہی نہیں تھی۔ آخر زید کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اگر اب وہ بکر کے یہاں گئی تو اس پر طلاق۔ پھر ایک طلاق اور پھر ایک طلاق لڑکی کے باپ نے کہا زید کو ہمارے یہاں سے روکنے کا اختیار نہیں ہے جب اس کے یہاں جائے گی تب روگے گا اس بنا پر لڑکی بکر کے یہاں ایک شادی میں گئی تو اس پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اور واقع ہوئی تو کون سی طلاق؟ کیا زید اسے دوبارہ اپنے نکاح میں لاسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ عورت غیر مدخولہ ہے اس لئے صرف ایک طلاق واقع ہوئی اور باقی دو لغو ہو گئیں زید عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ اس کو دوبارہ اپنے نکاح میں لاسکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۱۷ پر غیر مدخولہ کی طلاق کے بیان میں ہے: اگر یوں کہا کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو ایک ہی ہوگی اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۴۵۷ میں ہے: تقع واحدۃ ان قدم الشرط لان المعلق کالمنجز۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انوار احمد قادری

مسئلہ: مسئولہ محمد ادریس چودھری موضع بشنپورہ، ضلع بستی

زید نے اپنی عورت کا نام لے کر تین چار بار کہا کہ "جاتو کا ناں ہیں راکھب" تو زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کون سی اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب: اگر زید نے جملہ مذکورہ سے طلاق کی نیت کی تو اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ لان البائن لایلحق البائن ھٰکذا فی الدر المختار۔ لہٰذا اس صورت میں بغیر حلالہ زید سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر زید کی مدخولہ نہیں ہے تو بعد طلاق فوراً دوسرے سے بھی نکاح کر سکتی ہے اور اگر مدخولہ ہے تو قبل انقضائے عدت دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی اور اگر زید نے جملہ مذکورہ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو کسی قسم کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: ضلع بستی۔ یوپی

زید جو اکثر شراب پیتا تھا اس کی بیوی ہندہ مرگئی۔ اس نے زینب کو نکاح کا پیغام دیا جو ایک بیوہ عورت ہے اور عدت

[illegible]

وفات گزار نکلی [illegible]

شراب نہیں پیوں گا [illegible]

آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا [illegible]

نے زید سے کہا کہ میں نے [illegible]

شراب نہیں تو زینب کو اپنے اوپر طلاق واقع [illegible]

قبول کیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے [illegible]

[illegible]

الجواب: صورت مسئولہ میں زینب کو اس مجلس میں جس میں علم ہوا [illegible]
طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۲۶ [illegible] فرماتے ہیں
کہ اگر عقد میں شرط کی اور ایجاب عورت یا اس کے وکیل نے کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے اپنے [illegible]
نکاح میں دیا۔ مرد نے کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا تو تفویض طلاق ہو گئی۔ شرط پائی جانے پر عورت کو اس مجلس میں علم ہو
اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہے۔ انتہی بالفاظہ۔ ھذا ما عندی وھو عالم بالصواب

انوار احمد قادری

مسئلہ: از عبد الرشید خان پان دکان۔ دستگیر شیخ: رشید پور بہار

زید نے کہا اگر میں نے ہندہ کے علاوہ کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کو تین طلاق۔ اب ہندہ کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی کوئی صورت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں ہندہ کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی صورت یہ ہے کہ فضولی یعنی جس کو زید نے نکاح کا وکیل نہ کیا ہو بغیر اس کے حکم کے کسی عورت سے نکاح کر دے اور جب اسے خبر پہنچے تو زبان سے نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اجازت ہو جائے مثلاً مہر کا کچھ حصہ یا کل اس عورت کے پاس بھیج دے یا اس کے ساتھ جماع کرے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا بوسہ لے یا لوگ مبارکباد دیں تو خاموش رہے تو اس طرح نکاح ہو جائے گا اور طلاق نہ پڑے گی۔ (بہار شریعت حصہ ہشتم مطبوعہ دہلی ۱۴۔۱۵ بحوالہ ردالمحتار خیریہ) وھو تعالٰی اعلم بالصواب

انوار احمد قادری

مسئلہ: از محمد سمیع مدو بھیک پوسٹ مدو بازار ضلع گونڈہ

ہندہ کی شادی زید سے ہوئی تھی لیکن زید نامرد ہے۔ اب ہندہ طلاق چاہتی ہے لیکن زید نہیں دیتا ہے لہٰذا اس صورت میں ہندہ کیا کرے؟

الجواب: اگر شوہر عورت سے پہلے ہمبستر ہوا مگر اس پر قادر نہ ہوا تو وہ نامرد ہے۔ اس کی عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ تفریق چاہے ضلع کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم کے پاس دعویٰ کرے جب عالم کو ثابت ہو جائے کہ فی الواقع شوہر نے قدرت نہ پائی تو وہ شوہر کو علاج ومعالجہ کے لئے ایک سال مکمل کی مہلت دے اور اس مدت میں عورت شوہر سے جدا نہ رہے۔ اگر سال گزرنے پر بھی قدرت نہ پائے تو عورت پھر دعویٰ کرے اور عالم پھر قدرت نہ پانے کا ثبوت لے۔ اگر ثابت ہو جائے تو عورت کو اختیار دے کہ چاہے اس شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے چاہے تفریق۔ اگر عورت بلا توقف تفریق پسند کرے تو عالم شوہر کو طلاق کا حکم دے اگر وہ طلاق نہ دے تو خود تفریق کردے۔ پھر عورت چاہے تو دوسرا نکاح کرے۔ درمختار جلد دوم مع شامی ص ۵۹۴ میں ہے: وجدته عنينا اجل سنة قمرية ورمضان وايام حيضها منها لا مدة حجها وغيبتها ومرضه ومرضها فان وطئ مرة فيها والابانت بالتفريق من القاضي ان ابى طلاقها يطلبها وبطل حقها لووجد منها دليل اعراض بان قامت من مجلسها اواقامها اعوان القاضي اوقام القاضي قبل ان تختار شيئا به يفتي اھ۔ ملتقطاً۔ وھو اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جمیل احمد یار علوی مقام بلبھریا ضلع بستی

ہندہ کا شوہر تقریباً پچیس برس سے گم ہے اس کی موت وزندگی کا کچھ پتہ نہیں ہے تو ہندہ دوسرے سے عقد کرنا چاہتی ہے اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: جس گمشدہ مرد کی موت وزندگی کا حال معلوم نہ ہو وہ مفقود الخبر ہے۔ مفقود کی بیوی کے لئے مذہب حنفی میں یہ حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر نوے سال ہونے تک انتظار کرے اور امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ شوہر کی عمر ستر سال ہونے تک انتظار کرے: لقوله عليه السلام اعمار امتي ما بين الستين الى السبعين مگر وقت ضرورت ملجئہ مفقود کی عورت کو حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کی رخصت ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق مفقود کی عورت ضلع کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم کے حضور فسخ نکاح کا دعویٰ کرے وہ عالم اس کا دعویٰ سن کر چار سال کی مدت مقرر کرے۔ اگر مفقود کی عورت نے کسی عالم کے حضور فسخ نکاح کا دعویٰ نہ کیا اور بطور خود چار سال انتظار کرتی رہی تو یہ مدت حساب میں شمار نہ ہوگی بلکہ دعویٰ کے بعد چار سال کی مدت درکار ہے اس مدت میں اپنے شوہر کی موت زندگی معلوم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے جب یہ مدت گزر جائے اور اس کے شوہر کی موت وزندگی نہ معلوم ہو سکے تو وہ عورت اسی عالم کے حضور استغاثہ پیش کرے اس وقت وہ عالم اس کے شوہر پر موت کا حکم کرے گا پھر عورت عدت وفات گزار کر جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اس سے پہلے اس کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ

ورسولہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ محرم الحرام ۹۵ھ۱۳

(نوٹ) عورت مذکور نے اپنا دعویٰ ۲۳ محرم ۱۳۹۵ھ کو حضرت شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی صاحب قبلہ شیخ الحدیث کے سامنے پیش کیا حضرت نے اس کا دعویٰ سن کر شوہر کے انتظار و تلاش کے لئے چار سال کی مدت مقرر فرما دی ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ محرم ۹۵ھ۱۳

چار برس سے زیادہ انتظار کر کے اور شوہر کی تلاش کے بعد حکم شرع کے مطابق مستغیثہ نے میرے روبرو اپنا معاملہ پیش کیا اور میں نے ماضی کے تمام کاغذات فتاویٰ اور اخباری نوٹسوں کا معائنہ کر کے آج بتاریخ ۳۰ شوال ۱۳۹۹ھ ۸ بجکر ۴۵ منٹ کے وقت دن میں مفتی دارالعلوم فیض الرسول حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ مدظلہ العالی و مولوی سراج احمد صاحب ساکن بلبھریا کی موجودگی میں از روئے شرع بحیثیت قاضی مستغیثہ کو یہ فیصلہ سنا دیا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا اور تو بیوہ ہو چکی اب تجھ پر لازم ہے کہ یکم ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ سے دس ربیع الاول ۱۴۰۰ھ تک چار مہینے دس دن عدت وفات گزارے اس کے بعد تو کسی بھی شخص سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

۲۵ شوال ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد سعید ہرباتحصیل خاص ضلع بستی

زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسری جگہ بکر کے ساتھ چلی گئی۔ قریب اٹھارہ ماہ بکر کے ساتھ رہنے کے بعد جب اسے بچہ پیدا ہوا تو زید نے اسے طلاق دی۔ اب ہندہ کی عدت طلاق پانے کے بعد کتنے دن کی ہے۔

الجواب: جبکہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو بچہ پیدا ہونے کے بعد طلاق دی تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ چاہے تین حیض تین چار سال کے بعد آئیں یا آٹھ دس سال کے بعد ہاں اگر پچپن سال کی عمر تک تین حیض نہ آئیں تو اس کی عدت عربی مہینہ سے تین ماہ ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

پارہ دوم رکوع ۱۲ میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یعنی طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (نکاح سے) روکے

رہیں۔وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۳ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از مولوی عبدالحکیم پل کھائیں ڈاکخانہ کپتان گنج بستی

عورت کی عدت کتنی ہے؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں تو بہتر ہے۔

الجواب: بیوہ عورت اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے جیسا کہ قرآن شریف پارۂ دوم رکوع ۱۴ میں ہے: وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۷۳ میں ہے: عدة الحرة فی الوفاة اربعة اشهر وعشرة ایام سواء کانت مدخولا بها اولا مسلمة او کتابیه تحت مسلم صغیرة او کبیرة او آئسة وزوجها حر اوعبد حاضت فی هذاالمدة اولم تحض ولم یظهر حبلها کذافی فتح القدیر اھ۔ اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ بیوہ ہو یا طلاق والی ہو اور خواہ وجوب عدت کے وقت حاملہ ہو یا بعد میں قرآن مجید پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور بدائع الصنائع جلد سوم ص ۱۹۷ میں ہے: روی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قلت یارسول الله حین نزول قوله تعالیٰ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن انها فی المطلقة ام فی المتوفی عنها زوجها فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیهما جمعیا وقدروت ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها ان سبیعة بنت الحارث الاسلمیة وضعت بعد وفاة زوجها ببضع وعشرین لیلة فامرها رسول الله صلی الله علیه وسلم بان تزوج اھ اور فتاویٰ قاضی خاں مع ہندیہ جلد اوّل ص ۵۳۸ میں ہے: فان کانت المعتدة عن الطلاق اوالوطا عن شبهة اوالموت حاملا فعدتها بوضع الحمل سواء کانت حاملا وقت وجوب العدة اوحبلت بعدالوجوب اھ۔ اور طلاق والی مدخولہ عورت جس سے صحبت کر چکا ہے اگر نابالغہ یا آئسہ یعنی پچپن سالہ ہو تو اس کی عدت تین مہینہ ہے قرآن عظیم پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے۔ وَاللَّائِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللَّائِیْ لَمْ یَحِضْنَ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: لو کانت المطلقة صغیرة اوائسة وهی حرة فعدتها ثلثة اشهر اھ۔ اور طلاق والی مدخولہ عورت اگر حاملہ آئسہ اور نابالغہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ یہ تین حیض تین ماہ تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ قرآن پاک پارۂ دوم رکوع ۱۲ میں ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا طلق الرجل امراته طلاقا بائنا اورجعیا اوثلثا اووقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعد تها ثلثة اقراء سواء کانت الحرة مسلمة اوکتابیة کذا فی السراج الوهاج اھ۔ اور اگر عورت کو ہمبستری اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی تو

اس کے لئے عدت نہیں بعد طلاق وہ فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور قرآن عظیم پارہ ۲۲ رکوع ۳ میں ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا اور فتح القدیر میں ہے: الطلاق قبل الدخول لا تجب فيه العدة اه واهو اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نبی رحم انصاری پوسٹ و مقام اوجھا گنج بستی

ایک عورت کی شادی ہوئی۔ بچہ بھی پیدا ہوا۔ پھر کچھ دنوں بعد شوہر اوّل نے طلاق دے دی طلاق کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال پر اس نے دوسری شادی کر لی۔ دوسرے شوہر کے یہاں تقریباً ساڑھے چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا۔ عورت کہتی ہے کہ نکاح سے پہلے مجھ سے زنا کا گناہ ہوا تھا یہ بچہ دوسرے کا ہے تو اس معاملہ میں شرع کا کیا حکم ہے۔ عورت مذکور کا دوسرا نکاح شرعاً درست ہوا تھا یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں عورت مذکور نے اگر عدت گزارنے کے فوراً بعد دوسرا نکاح کیا ہے تو وہ نکاح شرعاً منعقد ہو گیا اور لڑکا اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے زائد پر پیدا ہوا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو وہ لڑکا شرع کے نزدیک شوہر ثانی کا ہے اور عورت کا یہ کہنا کہ بچہ دوسرے کا ہے شرعاً غلط ہے اس لئے کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے۔ شرح وقایہ جلد دوم مجیدی ص ۱۴۵ میں ہے: اکثر مدة الحمل سنتان واقلها ستته اشهر یعنی حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے اور کم سے کم چھ ماہ ہے اور درمختار مع شامی ص ۶۳۹ میں ہے: اقلها ستته اشهر ا جماعا۔ یعنی تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے اور ہدایہ جلد ثانی ص ۴۰۹ میں ہے: ان جاء ت به الستة اشهر فصا عد يثبت نسبه منه یعنی اگر عورت چھ یا چھ ماہ سے زائد پر لڑکا لائے تو شرعاً لڑکا اسی شخص کا ہے کہ عورت جس کے نکاح میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۷۹ میں ہے: اذا تزوج الرجل امراة فجاء ت بالولد لا قل من ستته اشهر مند تزوجها لم يثبت نسبه وان جاء ت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه منه۔ یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا تو وہ عورت نکاح کے وقت سے چھ مہینے سے کم پر لڑکا لائی تو وہ لڑکا ثابت النسب نہ ہوگا۔ یعنی شوہر کا نہیں مانا جائے گا اور اگر چھ یا چھ ماہ سے زیادہ پر لائی تو شرع کے نزدیک وہ لڑکا شوہر کا ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل ص ۵۴۹ پر ہے: ان ولدت لستة اشهر من وقت نكاح الثاني فالولد للثاني۔ یعنی اگر نکاح ثانی کے بعد چھ مہینہ پر بچہ پیدا ہوا تو بچہ شوہر ثانی کا ہے اور اگر عورت سے زنا سرزد ہوا جیسا کہ مستفتی نے لکھا ہے کہ عورت کو توبہ کرایا جائے نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور دیگر کار خیر مثلاً قرآن خوانی اور میلاد شریف وغیرہ کرنے کی تلقین کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رجب ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: مسئولہ مولوی ضلع بستی

کسی کی منکوحہ عورت اگر اپنے شوہر سے فرار ہو کر کئی سال تک ادھر ادھر بھٹکتی رہے پھر اس کو لڑکا پیدا ہو تو وہ شوہر ہی کا قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسی صورت میں "وہ لڑکا شوہر ہی سے پیدا ہوا ہو بہت بعید بات ہے۔ اطمینان بخش جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رب عزوجل نے بچہ پر رحمت کے لئے اثبات نسب میں ادنیٰ 'بعید سے بعید اور ضعیف سے ضعیف احتمال پر نظر رکھی کہ آخر امر فی نفسہ عندالناس محتمل ہے قطع کی طرف انہیں راہ نہیں۔ غایت درجہ وہ اس پر یقین کر سکتے ہیں کہ فلاں نے عورت سے جماع کیا۔ اس قدر اور بھی سہی کہ اس کا نطفہ اس کے رحم میں گرا پھر اس سے بچہ اس کا ہونے پر کیونکر یقین ہوا؟ ہزار بار جماع ہوتا ہے نطفہ رحم میں گرتا ہے اور بچہ نہیں بنتا تو عورت جس کے پاس اور جس کے زیر تصرف ہے اس میں بھی احتمال ہی ہے اور شوہر کہ دور ہوا احتمال اس کی طرف سے بھی قائم ہے ممکن ہے کہ وہ طیِ ارض پر قدرت رکھتا ہو کہ ایک قدم میں دس ہزار کوس جائے اور چلا آئے۔ ممکن کہ جن اس کے تابع ہوں ممکن کہ صاحب کرامت ہو۔ ممکن کہ کوئی عمل ایسا جانتا ہو۔ ممکن کہ روح انسانی کی طاقتوں سے کوئی باب اس پر کھل گیا ہو۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ احتمالات عادۃً بعید ہیں مگر وہ پہلا احتمال شرعاً و اخلاقاً بعید ہے۔ زنا کے پانی کے لئے شرع میں کوئی عزت نہیں تو بچے اولاد زانی نہیں ٹھہر سکتے۔ اولاد اس کی قرار پانا ایک عمدہ نعمت ہے جسے قرآن عظیم نے بلفظ ہبہ تعبیر کیا کہ یَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ ذُكُورًا اور زانی اپنے زنا کے باعث مستحق غضب و سزا ہے نہ کہ مستحق ہبہ و عطا لہٰذا ارشاد ہوا وللعاهر الحجر زانی کے لئے پتھر۔ تو اگر اس احتمال بعید از روئے عادت کو اختیار نہ کریں۔ بے گناہ بچے ضائع ہو جائیں گے کہ ان کا کوئی باپ مربی' معلم' پرورش کنندہ نہ ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ دو احتمالی باتوں میں کہ ایک کا احتمال عادۃً قریب اور شرعاً و اخلاقاً بہت بعید سے بعید اور دوسری کا احتمال عادۃً بعید اور شرعاً و اخلاقاً بہت قریب سے قریب۔ اسی احتمال ثانی کو ترجیح بخشیں' اور بُعد عادی کے لحاظ سے بُعد شرعی و اخلاقی کو کہ اس سے بدر جہا بدتر ہے اختیار نہ کریں اس میں کون سا خلاف عقل و درایت ہے بلکہ اس کا عکس ہی خلاف عقل و شرع و اخلاق و رحمت ہے۔ لہٰذا عام حکم ارشاد ہوا کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ لہٰذا اگر زید اقصیٰ مشرق میں ہے اور ہندہ منتہائے مغرب میں اور بذریعۂ وکالت ان میں نکاح منعقد ہوا ان میں بارہ ہزار میل سے زیادہ فاصلہ اور صدہا دریا پہاڑ سمندر حائل ہیں اور اسی حالت میں وقت شادی سے چھ مہینے بعد ہندہ کے بچہ ہوا بچہ زید ہی کا ٹھہرے گا اور مجہول النسب یا ولد الزنا نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے: قد اکتفوا بقیام الفراش بلادخول کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما سنة فولدت لستة اشهر منذتزوجها لتصوره کرامة واستخداما فتح۔ ردالمحتار میں ہے: قوله بلادخول المراد نفیه ظاهرا الا فلابد من تصوره وامکانه فتح القدیر میں ہے: والتصور ثابت فی المغربیة لثبوت کرامات الاولیاء والاستخدامات فیکون صاحب خطوة

اوجنی۔ صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے: كان عتبة بن ابی وقاص (ای الكافر الميت على كفره) عهد الى اخيه سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ان ابن وليدة زمعة منی فاقبضه اليك (ای كان زنی بها فی الجاهلية فولدت فاوصی اخاه بالولد) فلما كان عام الفتح اخذه سعد فقال انه ابن اخی وقال عبد ابن زمعة اخی ابن وليدة ابی ولد على فراشه فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم هولك يا عبد بن زمعة الولد للفراش وللعاهر الحجر وفی رواية وهو اخوك يا عبد بن زمعة من اجل انه ولد على فراش ابيك ا ه مختصراً مزيداً مابين الهلالين (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۸۹) وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: انوار احمد قادری

فاضل فیض الرسول براؤں شریف

مسئلہ: از مہر علی ساکن پورینہ، ضلع بستی

زید نے اپنی بیوی ہندہ کے ساتھ تقریباً ۱۲ بجے دن میں بکر کو جو غیر محرم تھا اپنے مکان میں پایا درانحالے کہ بکر کھڑا تھا معلوم نہیں کہ بکر ہندہ کے ساتھ کتنے عرصہ سے تھا۔ اتفاقاً اسی روز مکان پر زید اور اس کے گھر والوں میں سے کوئی نہ تھا۔ عرصہ کے بعد زید کہیں سے آیا یہ حرکت شنیعہ دیکھی فوراً بکر مکان سے نکل کر چلا گیا تو زید نے اسی وقت اپنی بیوی ہندہ کو مکان سے نکال دیا پھر چند روز کے بعد اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی۔ ایسی حالت میں زید کو تین حیض تک نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟ اور مہر پورا دینا پڑے گا یا نہیں؟ اور بکر کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید پر عورت کے زمانہ عدت کا نفقہ لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۹۴ میں ہے: المعتدة عند الطلاق تستحق النفقة والسكنى كذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ اور بہار شریعت میں ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہے بہر حال عدت کے اندر نفقہ پائے گی۔ اھ۔ اور زید پر پورے مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے اور بکر نا محرم عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کے سبب سخت گنہگار ہوا۔ علانیہ توبہ استغفار کرے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از ایم اے مرزا ۱۷۲۱ اے وی سی روڈ قاضی بلڈنگ ماہم بمبئی ۱۶ (مہاراشٹر)

(۱)............ علاؤالدین کی زوجہ رئیسہ خاتون عرصہ دو سال سے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے میکہ جا بیٹھی ہے اور نہ تو وہ طلاق لینا چاہتی ہے اور نہ ہی علاؤالدین کے گھر آ کر اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی ہے بلکہ وہ علیحدہ رہ کر

والقران لایکون یمینا ذکرہ مطلقا والمعنی فیہ وھو ان الحلف بہ لیس بمتعارف فصار کقولہ وعلم اللہ وتدلیل ھذا فی زمانھم اما فی زماننا فیکون یمینا وبہ ناخذونا مر ونعتقد ونعتمد وقال محمد بن مقاتل الرازی لوحلف بالقران یکون یمینا وبہ اخذ جمھور مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المضمرات اھ اور حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم'' ان الفاظ سے بھی قسم ہو جاتی ہے۔ انتھی بالفاظہ (بہار شریعت ص۱۹، ج۹) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از واج محمد چھاؤنی بازار ضلع بستی

زید نے اپنی بیوی ہندہ سے خوش طبعی میں صلح کے وقت قسم کھالی تھی کہ اب میں تم کو ماروں پیٹوں گا نہیں۔ ہندہ کی چند غلطیوں پر زید نے ہندہ کو مارا پیٹا۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں قسم ٹوٹی یا نہیں؟ اگر قسم ٹوٹی تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ مستقبل میں ہونیوالی باتوں پر بغیر جانے ہوئے قسم کھالینے والے پر شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زید نے اگر ایسے لفظوں کے ساتھ قسم کھائی تھی جو عندالشرع قسم ہے پھر اس کیخلاف کیا یعنی اپنی قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ لازم ہو گیا۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو صبح و شام دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا پہنائے یعنی یہ اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جو چاہے کرے اور اگر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی قادر نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے جیسا کہ پارہ ہفتم رکوع اوّل میں ہے: فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم اوکسوتھم او تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام اور درمختار میں ہے: وکفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرۃ مساکین اوکسوتھم بما یستر عامۃ البدن وان عجز عنھا کلھا وقت الاداء صام ثلثۃ ایام ولاء اھ ملخصًا۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: فان لم یقدر علی احد ھذہ الاشیاء الثلثۃ صام ثلثۃ ایام متتابعات کذا فی السراج الوھاب اھ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۶ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: مسئولہ جمعدار منہار ساکن تنواں ضلع بستی

زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر آج سے تو گوشت کھائے تو سور کا گوشت کھائے۔ تو اب ہندہ گوشت کھا سکتی ہے یا نہیں؟ اور کھانے کی صورت میں کفارہ لازم آئے گا یا نہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کا قول ہندہ کے لئے شرعاً قسم نہیں اس لئے ہندہ گوشت کھا سکتی ہے اور گوشت

کھانے کے سبب ہندہ پر کسی طرح کا کفارہ نہیں لازم آئے گا۔ البتہ زید توبہ کرے کہ اس طرح کا جملہ کسی مسلمان کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ربیع الاخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از نور محمد مستری و بندھو شاہ وارثی ہریا چندرسی ضلع گونڈہ

ہندہ نے قسم کھائی کہ اگر میں اس گھر میں اس دروازہ پر آؤں تو اپنے باپ سے منہ کالا کروں کچھ عرصہ بعد آئی پھر قسم کھائی کہ ان کے دروازہ پر آؤں تو سور کا گوشت کھاؤں۔ کچھ ہی عرصہ بعد پھر آئی تو کیا عندالشرع یہ قسم ہوئی یا نہیں؟ دین مبین میں ہندہ مجرم ہوئی کہ نہیں؟ اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: ہندہ پر توبہ واستغفار لازم ہے مگر کفارہ واجب نہیں اس لئے کہ یہ شرعاً یمین منعقدہ نہیں ہے۔ بہار شریعت حصہ نہم ص ۲۰ میں مبسوط کے حوالہ سے ہے: کسی نے کہا اگر اس کو کھاؤں تو سور کھاؤں یا مردار کھاؤں (شرعاً) قسم نہیں ہے یعنی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ وتعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از کریم بخش موضع ٹنڈوا پوسٹ بھنگا ضلع بہرائچ

ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہم محرم کے تعزیہ کی منت مانتے ہیں۔ اگر ہم تعزیہ نہیں رکھیں گے تو امام صاحب ہمارے لڑکے پر آجائیں گے تو تعزیہ کی منت ماننا اور تعزیہ نہ رکھنے پر امام صاحب کا کسی کے اوپر آنے کا خیال کیسا ہے؟

الجواب: تعزیہ کی منت ماننا سخت جہالت ہے اور تعزیہ نہ رکھنے پر امام صاحب کا کسی کے اوپر آنے کا خیال سراسر لغو ہے۔ اس قسم کی منتیں نہیں ماننی چاہئیں اور مانی ہو تو پوری نہ کرے جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم اور تعزیہ بنانے اور پیک بننے اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیہ پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں ان کی منت سخت جہالت ہے ایسی منت نہ ماننی چاہئے اور مانی ہو تو پوری نہ کرے۔ (بہار شریعت حصہ نہم ص ۳۵) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد فاروق نعیمی۔ سہنا گدھنا ضلع گونڈہ

زید نے بکر سے کہا ہمارے یہاں دعوت ولیمہ میں ضرور آیئے گا۔ بکر نے قسم کھا کر کہا میں ضرور آؤں گا انشاء اللہ۔ پھر وہ دعوت ولیمہ میں نہیں آیا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر قسم کھانے کے ساتھ اس نے متصلاً انشاء اللہ کہا تو اس صورت میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہوا اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کہا تو لازم ہو گیا۔ ہدایہ اولین ص ۴۶۳ میں ہے: من حلف علی یمین وقال انشاء اللہ متصلاً بیمینہ فلاحنث علیہ لقولہ علیہ السلام من حلف علی یمین وقال انشاء اللہ فقد بر فی یمینہ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از تاج محمد امیٹھی رام پور، ضلع گونڈہ متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

بعض عورتیں لڑکوں کے نام اور کان چھدوانے اور ان کے سروں پر چوٹیاں رکھنے کی منت مانتی ہیں تو اس طرح کی منت ماننا کیسا ہے؟

الجواب: اس طرح کی منت ماننا جہالت ہے۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "بعض جاہل عورتیں لڑکوں کے ناک کان چھدوانے اور بچوں کو چوٹیاں رکھنے کی منت مانتی ہیں اور طرح طرح کی ایسی منتیں مانتی ہیں جن کا جواز کسی طرح ثابت نہیں۔ اولاً ایسی واہیات منتوں سے بچیں اور مانی ہوں تو پوری نہ کریں اور شریعت کے معاملہ میں اپنے لغو خیالات کو دخل نہ دیں نہ یہ کہ ہمارے بڑے بوڑھے یوں ہی کرتے آئے ہیں اور یہ کہ پوری نہ کریں گے تو بچہ مر جائے گا۔ بچہ مرنے والا ہوگا تو یہ ناجائز منتیں بچا نہ لیں گی۔ منت ماننا کرو تو نیک کام نماز، روزہ، خیرات، درود شریف، کلمہ شریف، قرآن مجید پڑھنے اور فقیروں کو کھانا دینے کپڑا پہنانے وغیرہ کی منت مانو۔ (بہار شریعت حصہ نہم مطبوعہ دہلی ص ۲۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ مولوی فصیح اللہ علوی براؤں شریف۔ سدھارتھ نگر

ایک شاہ صاحب جو سلسلۂ قادریہ چشتیہ کے پیر تھے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جو کچھ بنایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا ہے۔ ہم اس میں سے اپنی کسی اولاد کو کچھ نہیں دیں گے جو ہمیں اپنے باپ کا ترکہ ملا ہے صرف وہی دیں گے۔ چنانچہ مرض وفات میں مبتلا ہونے سے بہت پہلے وصال فرمانے سے چھ سال قبل ہوش و حواس کی درستگی میں اس مضمون کی رجسٹری فرما دی کہ مقر کی زوجۂ اولیٰ سے چار لڑکے اور زوجۂ ثانیہ سے دو لڑکے ہیں۔ مقر نے اپنی جائیداد کا ترکہ اور حقوق اپنی اولاد کو تقسیم کرتے ہوئے زوجۂ اولیٰ کے لڑکوں کو دو قطعہ مکان سافلہ پوش و گھاری اور زوجۂ ثانیہ کے دونوں لڑکوں کو ایک قطعہ مکان جو مسجد کی جانب شمال واقع ہے دے دیا ہے۔ رہا خانقاہ کا مسئلہ تو وہ عام مسلمانوں کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہے اور مقر نے اس کو

مسلمانان اہلسنت ہم عقیدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملکیت فی سبیل اللہ قرار دے دیا ہے۔لہذا خانقاہ کسی شخص واحد کی ملکیت ہرگز قرار نہ پائے گی۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ نے اپنے جس فرزند کو سجادہ نشین مقرر کیا وہ حضرت کے ہمراہ اسی خانقاہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتے رہے اور حضرت کی وفات کے بعد بھی بحیثیت سجادہ نشین اسی میں رہے اس درمیان میں انہوں نے ترکہ میں پائے ہوئے مکان کو اپنے اہل وعیال کے رہنے کے لائق نہیں بنایا اور نہ کوئی دوسرا نیا مکان تعمیر کیا البتہ خانقاہ جو پوری سفالہ پوش (کھپڑیل) تھی اس کے پچھلے حصہ کو گروا کر اس پر نئی دیواریں قائم کیں۔اوران پر دومنزلہ پختہ مکان تعمیر کیا۔اب ان کے انتقال کے بعد ان سے منسوب اردو زبان میں ایک وصیت نامہ چھپوا کر تقسیم کیا گیا جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رجسٹرار آفس میں ہندی زبان میں رجسٹری کئے گئے وثیقہ کی اردو شکل ہے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وصیت نامہ پر انہوں نے خود جان بوجھ کر دستخط کیے ہیں یا مضمون کی تفصیلات سے لاعلم رکھ کر ان سے دستخط لے لیا گیا ہے یا ان کی طرف سے فرضی دستخط کر دیا گیا ہے۔اس وصیت نامہ میں یہ ہے کہ دومنزلہ پختہ مکان (جو خانقاہ کی سفالہ پوش عمارت گرا کر بنوایا گیا ہے) ہم مقر کی زوجۂ ثانی کی ملکیت ہے جنہوں نے اپنے ذاتی سرمایہ سے اسے تعمیر کروایا ہے تو اب دریافت طلب یہ امور ہیں۔

(۱) وقف کے مال کا کیا حکم ہے؟ (۲) کیا وقف کسی کی ملکیت ہوسکتا ہے؟ (۳) وقف میں مالکانہ تصرف کرنا کیسا ہے؟ وقف کا مکان گرا کر اپنے روپیوں سے دومنزلہ پختہ مکان بنالیا گیا اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ (۵) حضرت شاہ صاحب قبلہ نے جو مکان خانقاہ پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف فرمایا ہے اسے کرایہ پر دے سکتے ہیں۔(۶) اگر موقوفہ جائیداد کوئی غصب کرنا چاہے تو مسلمانوں کو اس کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: (۱) مال وقف مثل مال یتیم کے ہے جس کی نسبت (اللہ تعالیٰ کا) ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا (جیسا کہ پ۴، ع۱۲ میں ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (فتاوٰی رضویہ جلد ششم ص ۳۷۵) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲)............وقف کسی کی ملکیت ہرگز نہیں ہوسکتا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: جائیداد ملک ہو کر وقف ہوسکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہوسکتی (فتاوٰی رضویہ جلد ۶، ص ۳۵۳) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۳)............فتاوٰی رضویہ جلد ششم، ص ۳۵۴ پر ہے: وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے نکال دیں اگرچہ خود واقف ہو چہ جائے کہ دیگر درمختار میں ہے: وینزع وجوبا ولو الواقف درد فغیرہ بالاولیٰ غیر مامون۔ یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف بدرجۂ اولیٰ۔

ترجمہ از فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۴۷۴۔وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(۴)..........اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ القوی اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اپنا روپیہ لگا کر جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا تو وقف کا مفت قرار پائے گا اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا اکھیڑنا وقف کو مضر نہیں تو جتنا اس نے زیادہ کیا اسے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے تو وہ اپنا عملہ اٹھا کر لے جائے۔ اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے وہ دیوار ویسی ہی بنائے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو تو بنی ہوئی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے اگر یہ عملہ اکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا تو اتنی قیمت مال مسجد (یعنی مال وقف) سے اسے دے دیں۔ اگر فی الحال اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلق مسجد یا دیگر اسباب مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کردیں گے۔ اس کے لئے اگرچہ برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے۔

یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ٹھہرے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کر لئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی ملک وقف ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۴۵۶) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

(۵)..........حضرت شاہ صاحب نے جو مکان خانقاہ پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف فرمایا ہے اسے کرایہ پر دینا حرام ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا حرام لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا جائز نہیں اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف فروع فصل شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ ولہٰذا خلاصہ میں تحریر یہ فرمایا کہ جو گھوڑا قتال مخالفین کے لئے وقف ہوا ہو اسے کرایہ پر چلانا ممنوع وناجائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۴۵۵) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۶)..........اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۰ پر تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ مال وقف ودفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کریں گے مستحق اجر ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی: اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (پ ۱۱ ع ۴) ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

مسئلہ: ازمحمد عزیز الدین جعفری سکریٹری دارالعلوم جماعتیہ طاہر العلوم محلہ راعین محل گیٹ چھترپور (ایم پی)

شہر چھترپور پہلے ہندور جواڑہ رہا ہے۔ ہندو راجہ نے اپنے زمانہ میں کچھ زمین اس زمانہ کے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے دی تھی جس میں مردے دفن ہوتے رہے اب قبرستان کی وہ زمین بیچ شہر میں آ چکی ہے۔ کئی سالوں سے مردے دفن نہیں ہوتے ہیں حکومت کی جانب سے ممانعت ہے۔ یہاں کے بوڑھے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ قبرستان کے ایک حصہ میں مردے دفن نہیں ہیں۔ اب یہ زمین وقف ایکٹ کے تحت وقف بورڈ بھوپال مدھیہ پردیش میں درج ہے اور وقفیہ پر پرٹی کہلاتی ہے جس کی نگران یہاں کی انجمن اسلامیہ ہے اور اس کے صدر عبدالرشید خاں ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ازروئے شرع ہندو راجہ کی دی ہوئی زمین وقف کے حکم میں آتی ہے کہ نہیں؟ اراکین انجمن کا کہنا ہے کہ اس خالی زمین پر مدرسہ بن جائے اور اس کا مختصر کرایہ مدرسہ والے انجمن کو دیتے رہیں ان لوگوں کو ایسا کرنا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر اراکین مدرسہ انجمن والوں سے نوے سال کے لئے وہ زمین لیز پر لے لیں اور اس کا کرایہ انجمن کو دیتے رہیں۔ شرعی رو سے یہ طریقہ کیسا ہے؟ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مدرسہ کی تعمیر اراکین انجمن کو کرنی چاہئے یا اراکین مدرسہ کو؟ بینوا توجروا

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب وہ زمین مسلمانوں کو نسلاً بعد نسل ہمیشہ کے لئے (رانا والی ریاست ادے پور کی طرف سے) دی گئی اور مسلمانوں نے اس پر بطور ملک قبضہ کر کے اسے قبرستان کر دیا اور مردہ دفن ہوا وہ زمین ہمیشہ ہمیشہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی۔ کسی زمیں دار کا اس پر کوئی حق دعویٰ نہ رہا ہندو ہو یا مسلمان۔ زمین دار اگر مسلمان ہو تو عام مسلمانوں کی طرح اتنا حق اس کا بھی ہوگا کہ اپنے مردے دفن کرے۔ اس سے زیادہ اسے اپنی حقیقت وملکیت وہ بھی نہیں ٹھہرا سکتے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۹۲)

لہٰذا زمین مذکور اگرچہ ہندو راجہ نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے دی تھی لیکن جب مسلمانوں نے بطور ملک قبضہ کر کے اسے قبرستان کر دیا اور مردے اس میں دفن ہوئے تو ہمیشہ کے لئے وہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی۔ انجمن اسلامیہ نگرانی کے سبب اس زمین کی مالک نہیں اور نہ وہ اسے کرایہ پر دے سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۵ میں ہے کہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے والے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا حرام لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا جائز نہیں اھ۔ اور اس زمین پر مدرسہ بھی بنانا جائز نہیں۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۷ میں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کوشش کر کے حکومت سے اس قبرستان میں پھر مردے دفن کرنے کی اجازت حاصل کریں اور وقف کے خلاف اس میں کوئی بیجا تصرف نہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی۔

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سید جاوید اشرف چشتی رضوی نظامی۔ سلی گوڑی۔ دارجلنگ

رمضان شریف میں وقت افطار پیاز تراش کر اس میں لیموں نچوڑا جاتا ہے دوران افطار بڑے ہی چاؤ سے چند افراد مع امام صاحب کے کھاتے ہیں۔ اذان مغرب ہوئی جھٹ کلی کیا پٹ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ تاویل لوگ یہ کرتے ہیں کہ ہے تو پیاز بدبودار لیکن عرق لیموں سے مہک نہیں رہتی۔ بتایا جائے اس طرح پیاز کھا کر مسجد میں نماز کے لئے جانا کیسا ہے؟ جو اس پر ضد کرے کیا حکم شرعی نافذ ہوگا۔

الجواب: لیموڈالنے سے پیاز کی بو پورے طور پر زائل نہیں ہوتی جس کا تجربہ سونگھ کر کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا جب تک کہ اس کی بو کامل طور پر ختم نہ ہو جائے اسے کھا کر منہ کی بو دور ہونے سے پہلے مسجد میں جانا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: من اکلھا فلا یقر بن مسجدنا۔ یعنی جو شخص کچی پیاز یا لہسن کھائے تو ان کی بو دور ہونے سے پہلے ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے (ابوداؤد شریف) جو شخص کچی پیاز کھا کر بو دور ہونے سے پہلے مسجد میں جائے وہ گنہگار ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کو روکیں ورنہ وہ بھی گنہ گار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از سید ذوالفقار حیدر کوارٹر ۱۸۵ ایل فور کدمہ، جمشید پور

موم بتی مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں جبکہ موم بتی میں چربی پڑتی ہے اور چربی ذبیحہ اور غیر ذبیحہ دونوں قسم کے جانوروں سے حاصل کی جاتی ہے اور بلا امتیاز مسلم اور غیر مسلم دکانوں میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصنیف کردہ کتاب احکام شریعت حصہ دوم ص ۸۹،۸۸ مطبوعہ الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں مرقوم ہے:

عرض: موم بتی جس میں چربی پڑتی ہے مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: اگر مسلمان کی بنائی ہوئی ہے تو جائز ہے ورنہ مسجد ہی میں نہیں ویسے بھی جلانا نہیں چاہئے"۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کس حد تک قابل اعتبار ہے۔ زید اس فتویٰ کو نہیں مانتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسلم و غیر مسلم کے کارخانہ کی بنی ہوئی کے امتیاز کی ضرورت نہیں جبکہ فقہ کی عبارت الیقین لایزول بالشخ (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا) سے صاف صراحت ہو جاتی ہے پھر کسی قسم کی قید لگانے کا کیا معنی؟ کیا موم بتی کے لئے حقیقتاً کسی قید کی ضرورت نہیں۔

الجواب: اگر یہ شبہ ہو کہ یہ موم بتی چربی کی بنی ہوئی ہے یا کسی دوسری چیز کی تو اس موم بتی کو جلانا ناجائز نہ ہوگا اس لئے کہ اصل طہارت ہے اور نجاست عارض والیقین لایزول بالشك لیکن اگر یہ معلوم و متقین ہو کہ یہ چربی کی بنی ہوئی موم بتی ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ذبیحہ کی چربی سے بنی ہوئی ہے یا غیر ذبیحہ کی چربی سے مثلاً ہندو کے یہاں کی بنی ہوئی موم بتی ہے یا اس کی دکان سے خرید کر لائی گئی ہو تو اس کو مسجد وغیرہ میں کہیں نہ جلایا جائے اس لئے کہ چربی میں اصل حرمت ہے اور حلت اس

کو ذبح سے عارض ہوتی ہے۔ والیقین لایزول بالشك اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ زید نے الیقین لایزول بالشك کی تلاوت بے محل کی اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ حق وصحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ شوال المکرم ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: از خیر النساء اسمٰعیل خان پٹھان ۱۱۷۶ نواپورہ مین روڈ ناسک (مہاراشٹر)

میری ملکیت اور قبضے میں برسوں سے ایک چار دیواری ہے جس کا استعمال میں گھریلو طور پر کرتی آئی ہوں اس میں کبھی منبر اور محراب بھی تھی جسے میں ہٹا چکی ہوں اس وجہ سے کہ ماضی میں یہ چہار دیواری طوائفوں کی مسجد کے نام سے منسوب تھی۔ سرکاری ریکارڈ، دستاویزات سے کہیں بھی لفظ ''مسجد'' کا پتہ نہیں چلتا جبکہ ۱۹۱۷ء میں کوئی اکبر خان نامی شخص کے سٹی سروے کے دفتر میں چند سطور کا ایک بیان دیا تھا کہ اس چہار دیواری کو کلیان جی نامی ہندو طوائف نے اپنی نواسی صاحب جان نامی طوائف کو ورثے میں دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ کلیان جی کی مسجد ہے بعد میں ۱۹۲۶ء میں میرے نانا کو یہ جائیداد صاحب جان نامی طوائف کی طرف سے ملی تھی جو بعد میں میرے نانا نے مرنے سے پہلے یعنی ۱۹۷۳ء میں یہ جگہ میرے نام کردی جو آج بھی میری ملکیت اور استعمال میں ہے۔ ماضی میں یہاں کے لوگ اس کو طوائفوں کی مسجد کہہ کر یہاں نماز پڑھنے سے گریز کرتے رہے پھر بھی دو ایک لوگوں کا کہنا ہے کبھی ہم نے یہاں نماز پڑھی تھی جبکہ میرے نانا نے یا میں نے اور پاس پڑوس والوں نے یہاں کبھی کسی کو بھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس علاقے میں یہ جگہ ہے وہاں کل بھی غلط ماحول تھا اور آج بھی اس جگہ کے آس پاس زنا کاری اور ویڈیو فلم کے اڈے چلتے ہیں۔ شریف انسان اس طرف سے گزرتے ہوئے کتراتا ہے۔ اس چہار دیواری سے متعلق کہا جاتا ہے کہ ماضی میں کچھ علماء نے فتویٰ بھی دیا تھا کہ اس جگہ نماز جائز نہیں اور اب تو میں برسوں سے یہ جگہ اپنے ذاتی استعمال میں لا رہی ہوں کیونکہ لوگوں کے کہنے کے متعلق یہ جگہ طوائفوں کے استعمال میں رہ چکی ہے اور کسی ہندو طوائف کی ملکیت رہی ہے۔ اس لئے میرے گمان میں یہ جگہ ''مسجد'' نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے حضور مفتی اعظم ہند کی مشہور کتاب ''الملفوظ'' میں یہ پڑھا ہے کہ مسجد کے لئے مال حلال طیب چاہئے بہر حال اسی گمان میں ہونے کی وجہ سے میں نے یہاں سے منبر ومحراب نکال دی۔ اس پر بھی اس ضمن میں شرعی فیصلہ جاننے کے لئے بے تاب ہوں۔ لہٰذا مندرجہ ذیل اہم نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک اور احادیث نبوی کی روشنی میں فیصلہ وفتویٰ صادر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

(۱)............... کبھی یہ جگہ کسی ہندو طوائف کی ملکیت تھی جو ورثے میں مسلم طوائف کو ملی پھر میرے نانا کے نام ہوئی اور اب میں قانونی طور اس کی پر مالکہ ہوں۔

(۲)............... یہاں کبھی بھی کوئی پنچ، کمیٹی متولیان امام اور موذن نہیں رہے اسی لئے کبھی یہاں جماعت کے ساتھ بھی نماز نہیں دیکھی گئی اور نہ ہی کبھی اذان پکاری گئی۔

(۳)..........مسجد کی طرح اس چہار دیواری پر مینار و گنبد نہیں ہیں۔ منبر و محراب تھے جو میں غیر ضروری جان کر ہٹا چکی ہوں۔

(۴)..........سرکاری دستاویزات کی رو سے پتہ چلتا ہے یہ جگہ ماضی میں کئی مرتبہ گروی (رہن) بھی رکھی جا چکی ہے۔ اگر مسجد ہوتی تو اسے فرد واحد کیسے گروی رکھ سکتا تھا۔

(۵)..........سرکاری ریکارڈ پولیس، میونسپلٹی وغیرہ کے ریکارڈ پر یہ جگہ کہیں بھی مسجد کے نام سے درج نہیں ہے۔

(۶)..........اطراف میں غلط ماحول آج بھی ہے جیسے زنا کاری اور ویڈیو فلم کے اڈے چلتے ہیں۔

(۷)..........ان حالات میں میری یہ ذاتی ملکیت مجھ پر دباؤ ڈال کر ظلماً بطور مسجد استعمال میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب: مقام مذکور میں منبر و محراب کا ہونا اور زمانہ ماضی میں اس کا طوائفوں کی مسجد کے نام سے منسوب ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ چہار دیواری مسجد ہے۔ رہی یہ بات کہ اسے طوائف نے بنوایا تھا تو یہ لوگ جب مسجد وغیرہ کسی کار خیر میں اپنا مال لگانا چاہتی ہیں تو حیلہ شرعی سے اس کو پاک کر لیا کرتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے طوائف کی مجلس میلاد کی شیرینی پر فاتحہ پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے تحریر فرمایا کہ اس مال کی شیرینی پر فاتحہ پڑھنا حرام ہے مگر جبکہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ جب کوئی کار خیر کرنا چاہتی ہیں تو ایسا ہی کرتی ہیں اور اس کے لئے کوئی شہادت کی حاجت نہیں (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۴۴) اعلیٰ حضرت کے اس جملہ سے کہ ایسا ہی کرتی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ طوائف نے جب مسجد بنوائی تو اس نے اپنے حرام مال کو ضرور بدلا ہوگا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ طوائف نے اپنا مال حرام نہیں بدلا تو اس صورت میں بھی جب تک کہ اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوں مسجد کی طرف اس حرام مال کی خباثت سرایت نہیں کرے گی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اسکی خباثت سرایت نہ کر سکتی جب تک کہ اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بائعوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہا خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے کر پھر وہی زر حرام ثمن میں دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف و باطل تھا (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۸۲) اس مسئلہ کی مزید تفصیل فتاویٰ رضویہ کی اسی جلد کے ص ۳۹۷ پر بھی ملاحظہ ہو۔

اور اس چہار دیواری کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ ماضی میں کچھ علماء نے فتویٰ بھی دیا تھا کہ اس جگہ نماز جائز نہیں اس لئے کہ جب جنگل بیابان اور سڑک وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یہاں تک کہ کافروں کی زمینوں پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے تو طوائف کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا کیوں نہیں جائز رہے گا۔ البتہ طوائف کی مسجد ہونے کے سبب لوگوں نے اسے آباد نہیں کیا یہاں تک کہ وہ غصب ہوگئی اور اس کا منبر و محراب ہٹا کر مسجد کا نشان تک مٹا دیا گیا۔ لہٰذا بر وقت اس جگہ پر جس کا قبضہ ہے حکم شرع

معلوم ہو جانے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا قبضہ ہٹا کر اسے مسلمانوں کے سپرد کر دے کہ مال وقف مثل مال یتیم ہے اور اس پر ناجائز قبضہ کرنے والے کے لئے قرآن وحدیث میں وعید شدید ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اور جس طرح بھی ممکن ہو اس پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں مسجد کی عمارت بنا کر اسے آباد کریں۔ اگر مسلمان قدرت کے باوجود ایسا نہیں کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ جمادی الاخری ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از ریاض احمد، موضع گھراونڈیہہ پوسٹ اٹیئی رامپور گونڈہ

مسجد میں مولی کھا کر جانا اور لالٹین یا چراغ میں مٹی کا تیل ڈال کر مسجد میں جلانا کیسا ہے؟ تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: مولی، کچی پیاز، لہسن اور ہر وہ چیز کہ جس کی بو ناپسند ہو اسے کھا کر مسجد میں جانا جائز نہیں جب تک کہ باقی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور لہسن کھانے سے منع کیا اور فرمایا: من اکلھا فلا یقربن مسجدنا۔ یعنی جو انہیں کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے اور فرمایا کہ اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر اس کی بو دور کر لو (مشکوٰۃ شریف ص ۷۰) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر چہ بوئے ناخوش دارد از ماکولات وغیر ماکولات دریں حکم داخل ست۔ یعنی ہر وہ چیز کہ جس کی بو ناپسند ہو اس حکم میں داخل ہے خواہ وہ کھانے والی چیزوں میں سے ہو یا نہ ہو (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۲۸) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مسجد میں کچا لہسن اور پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں جب تک کہ بو باقی ہو اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں بو ہو جیسے گندنا، مولی، کچا گوشت اور مٹی کا تیل (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۸۵) اور مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام ہے مگر جبکہ اس کی بو بالکل دور کر دی جائے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۹۸)

وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم احکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از رحمت علی اندار پور، بڑگاؤں، ضلع گونڈہ

زید نے اپنی زمین میں اس طرح مسجد اور مدرسہ بنانے کی نیت شروع میں کی تھی کہ نیچے مسجد ہوگی اور اس کے اوپر مدرسہ اب مسجد کی چھت لگ چکی ہے اس کے برآمدے کی چھت لگنا باقی ہے زید اپنی نیت کے مطابق مسجد کے اوپر مدرسہ بنانا چاہتا ہے تو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: اب زید مسجد کے اوپر مدرسہ نہیں بنا سکتا کہ مسجد ہو جانے کے بعد اس کی چھت پر مسجد کے علاوہ کسی قسم کی دوسری عمارت بنانا جائز نہیں (بہار شریعت حصہ دہم ص ۷۸) میں ہے: ''مسجد کی چھت پر امام کے لئے بالا خانہ بنانا چاہتا ہے اگر قبل تمام مسجدیت ہو تو بنا سکتا ہے اور مسجد ہو جانے کے بعد نہیں بنا سکتا اگرچہ کہتا ہو کہ مسجد ہونے کے پہلے سے میری نیت بنانے کی

تھی بلکہ اگر دیوار مسجد پر حجرہ بنانا چاہتا ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں یہ حکم خود واقف اور بانی مسجد کا ہے لہٰذا جب اسے اجازت نہیں تو دوسری بدرجۂ اولیٰ نہیں بنا سکتے اگر اس قسم کی کوئی ناجائز عمارت چھت یا دیوار پر بنا دی گئی تو اسے گرا دینا واجب ہے۔ اھ اور درمختار میں ہے: لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالك لم یصدق تاتار خانیة فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد اھ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از غلام نبی۔ نئی سڑک کانپور

مسجدوں میں بچوں کو پڑھاتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اگر بچے ناسمجھ ہیں تو ان کو مسجد میں پڑھانا منع ہے کہ ان کو مسجد میں لے جانے کی اجازت ہی نہیں لیکن اگر مدرس تنخواہ لے کر مسجد میں پڑھاتا ہو تو بہر صورت ناجائز ہے خواہ بچے ناسمجھ ہوں یا بڑی عمر والے سمجھدار اس لئے کہ تنخواہ لے کر پڑھانا دنیاوی کام ہے اور مسجدیں دنیاوی کاموں کے لئے نہیں ہیں۔ الاشباہ والنظائر ص ۳۷۰ میں ہے: تکره الصناعة فیه من خیاطة وکتابة باجر و تعلیم صبیان باجر لا بغیره اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لئے جانے کی ممانعت ہے۔ حدیث میں ہے: جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم۔ خصوصاً اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز کہ اب کار دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لئے مسجد میں جانا حرام ہے نہ کہ طویل کار کے لئے (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۶)۔ وهو سبحانه وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد یوسف نوری ۳ نیشنل موٹرورکس ۱۹ چھوٹی گوال ٹولی۔ اندور۔ ایم پی

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے؟

الجواب: مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو فتح القدیر میں ہے: الکلام المباح فیه مکروه یاکل الحسنات۔ اشباہ میں ہے: انه یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب امام ابو عبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی ہے کہ الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البهیمة الحشیش۔ مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔ غمز العیون میں خزانة الفقه سے ہے: من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط الله تعالٰی عنه عمل اربعین سنة۔ جو مسجد میں دنیا کی بات

کرے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔ اقوال ومثلہ لایقال بالرای. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سیکون فی اخر الزمان قوم یکون حدیثھم فی مسجدھم لیس للہ فیھم حاجة۔ آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے۔ اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں ہے: کلام الدنیا اذا کان مباحاصد قا فی المساجد بلا ضرورة داعیة الی ذالك كالمعتكف يتكلم في حاجة اللازمة مكروه كراهة تحريم ثم ذكر الحديث وقال في شرحه ليس لله تعالیٰ فيهم حاجة ای لايريد بهم خيراوانما هم اهل الخيبة والحرمان والاهانة والعسران۔ یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے پھر حدیث مذکور ذکر کر کے فرمایا۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کرے گا اور وہ نامراد ومحروم وزیاں کار اور اہانت وذلت کے سزاوار ہیں۔ اسی میں ہے: وروی ان مسجد امن المساجد ارتفع الی السماء شاکیا من اهله يتكلمون فيه بكلام الدنيا فأستقبلة الملئكة وقالوا بعثنا بهلا كهم یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔ اسی میں ہے: وروی ان الملئكة يشكون الى الله تعالیٰ من فتن فم المغاتبين والقائلين في المساجد بكلام الدنيا۔ یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام وناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۰۳) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از علی جرار۔ گجپور گرنٹ۔ اترولہ۔ گونڈہ

مدرسے کی چھت پہ مسجد تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مدرسہ کی چھت پر مسجد بیت کی طرح مسجد تعمیر ہوسکتی ہے لیکن اگر مسجد عام بنانا چاہیں اور مدرسہ کی زمین وقف ہے تو اس کی چھت پر مسجد عام کی تعمیر نہیں ہوسکتی کہ مسجد عام کے لئے زمین کا اس کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے اور مدرسہ کی موقوفہ زمین مسجد کی ملکیت نہیں ہوسکتی۔ لانہ تغییر الوقف لا یجوز ھکذا فی الھندیة. ہاں اگر مدرسہ کسی کی ملکیت میں ہو اور وہ مدرسہ کو مسجد میں دے دے تو اس صورت میں اس کی چھت پر مسجد عام بنانا بھی جائز ہے۔ وھو سبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد محی الدین۔ ہر یا خرد۔ پورندر پور۔ ضلع گورکھپور

ایک کافر مسجد میں مصلے دے یا تعمیر مسجد میں چندہ دے تو اس مصلے پر نماز پڑھنا یا اس کا پیسہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کافر کی تین قسمیں ہیں۔ ذمی۔ مستامن، حربی اور ذمی و مستامن کے لئے بادشاہ اسلام کا ذمہ اور امن دینا ضروری ہے لہذا یہاں کے کفار یقیناً نہ تو ذمی ہیں اور نہ مستامن بلکہ حربی ہیں جیسا کہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان ھم الاحربی وما یعقلھا الاالعالمون (تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰) اور کافر حربی کا مال عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا منوع نہیں یعنی جو عقد مابین دو مسلمان ممنوع ہے اگر کافر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں بشرطیکہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو مثلاً ایک روپیہ کے بدلے دو روپیہ لینا جائز ہے بشرطیکہ مکر وفریب اور غدر و بدعہدی نہ ہو تو اپنی خوشی سے اس کے دیئے ہوئے مصلٰی پر نماز پڑھنا اور اس کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے مگر نہ لینا بہتر ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از احمد عرف بلو پہلوان متولی جامع مسجد اترولہ۔ گونڈہ

مسجد کا صحن پہلے لکیر ا تک تھا پھر اس کے بعد لکیر ۳ تک وسیع کر دیا گیا اس طرح کہ صحن کے نیچے مسجد کی دکانیں تھیں لیکن دکانوں کی چھت اور صحن کی سطح برابر تھی۔ پھر دوسری تعمیر اس طرح کہ لکیر ا اور ۳ کے درمیان ایک حد قائم کی گئی۔ اس طرح مسجد کا کچھ صحن دکانوں میں آ گیا اور صحن کی سطح سے دکان کی سطح تقریباً پانچ فٹ بلند ہو گئی اور چھت کا استعمال اب بھی نماز کے لئے رہے گا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے صحن کو لکیر ۲ سے ۳ تک اس طرح بلند کر دینا کہ داخل مسجد نہ معلوم ہو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں لکیر ا سے ۳ تک اگر مسجد کے صحن کی وسعت ہی مقصود تھی مگر ساتھ ہی نشیبی حصہ میں دکانوں کی تعمیر بھی کر دی گئی تھی تو پھر جدید تعمیر جائز نہیں اور اگر مسجد کا صحن سمجھ کر تعمیر نہ ہوئی تھی اور اس صحن کو مسجد ہونا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ دکانوں کی چھت پر وضو کرنا حائضہ عورت اور جنب کا اس پر جانا وہاں دنیا کی باتیں کرنا اور مسجد کے احترام کے خلاف دوسری باتیں کرنا وہاں شرعاً جائز سمجھا جاتا تھا تو یہ جدید تعمیر جائز ہے اور اگر اس وقت کوئی تعیین نہیں کی گئی تھی یا مسجد کے صحن کی وسعت اور دکانوں کی تعمیر دونوں مقصود تھی یا پہلی تعمیر کی نیت معلوم نہیں۔ مگر بعد تکمیل چھت کو داخل مسجد قرار دے دیا گیا۔ اس طرح کہ ان دکانوں کی چھت پر نماز پڑھنے والوں کو مسجد میں نماز پڑھنے والا سمجھا جاتا تھا۔ جنب اور حائضہ عورت کا اس پر چلا جانا جائز نہ سمجھا جاتا تھا اور اس پر بغیر اعتکاف کے حقہ کھانا اور بیڑی کا پینا معیوب سمجھا جاتا تھا اور اس حصہ پر بھی دنیا کی باتیں کرنا

شرعاً ناجائز سمجھا جاتا تھا تو لکیر ۲ سے ۳ تک کے صحن کو اس طرح بلند کر دینا کہ داخل مسجد نہ معلوم ہو شرعاً جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ

نوٹ: صحن مسجد کے بعض حصہ کو اس طرح بلند کر دینا کہ وہ داخل مسجد نہ معلوم ہو اس لئے ناجائز قرار دیا گیا کہ جب وہ حصہ داخل مسجد نہیں معلوم ہوگا تو اس کا احترام مسجد جیسا نہیں ہوگا مگر ایک بڑے ادارہ کے مشہور مفتی نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا تو راقم الحروف کے فتویٰ کو غلط قرار دے کر لکیر ۲ سے ۳ تک کو قد آدم سے زیادہ بلند کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحن کا وہ حصہ جو داخل مسجد تھا بلند ہو جانے کے بعد مستفتی کی تولیت ہی کے زمانہ میں اس حصہ کو کوئی داخل مسجد نہیں سمجھتا تھا اور نہ آج سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے مدرسہ خیال کیا جاتا ہے تو مسجد جیسا احترام اس کا نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے فقہائے کرام نے فرمایا: لا یجوز تغیر الوقف عن ھیاتہ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مندرجہ ذیل فتویٰ سے راقم الحروف کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ اولاً ایک مسجد کے ایک پہلو میں فرش صحن کے نیچے دکانات کے آثار تھے مگر ان کی چھت کی بلندی صحن مسجد کی عام سطح سے کہیں ممتاز نہیں تھی۔ یعنی دکانات کی چھت اور مسجد کا بقیہ صحن سب ایک سطح مستوی تھی اور یہ کل رقبہ ایک فصیل سے محاط تھا۔ اس فصیل کے اندر اندر کل اراضی مسجد اور مصلیٰ تھی اب وہ دکانات دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ فصیل گرادی گئی صحن مسجد کا وہ جز جو دکانات کی چھت بنا ہوا تھا دکانات میں ڈال دیا گیا اور وہ اتنی اونچی پائی گئیں کہ بقیہ صحن سے ایک قد آدم سے زیادہ بلند ہیں۔ اس چھت کے پرنالے دکانات کے پچھیت پر یعنی صحن مسجد میں اتارے گئے اور صحن مسجد کے کنارے پر پچھیت کی جڑ میں ایک عرض محدود کر دیا گیا ہے جس پر وہ پرنالے گرتے ہیں اور اس نالے میں بھی لوگ وضو کرنے لگے۔ اس چھت سے ملحق ایک بالا خانہ اور چھت کل کو ایک مکان کی حیثیت سے کرایہ پر اٹھا دیا گیا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ اب یہ چھت مسجد کے حکم میں ہے یا خارج از مسجد؟ اور اس پر ایسے تصرفات جائز ہیں یا نہیں؟ جو مسجد پر ناجائز ہوتے ہیں مثلاً بود وباش رکھنا' نجاست ڈالنا وغیرہ اور مذکورہ بالا پرنالے اور نالی قابل قائم رکھنے کے ہیں یا نہیں۔ ثانیاً ایک مسجد کے صحن کا ایک جز مصلے کاٹ کر موڑ پر سے محدود کر دیا گیا بدیں غرض کہ نمازی اس جگہ جوتا اتارا کریں۔ یہ تصرف اور اس جگہ جوتے اتارنا جائز ہیں یا نہیں۔

الجواب: وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالا خانہ حجرہ کا صحن وگزرگاہ کر دینا دوسرا حرام اور اسے کرایہ پر اٹھا دینا تیسرا حرام اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑ لینا محدود کر دینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام غرض یہ افعال حرام در حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کر کے مسجد مثل سابق کر دیں۔

درمختار میں ہے: لوبنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من مصالح امام لوتمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال اردت ذالك لم یصدق تاتار خانیة فاذا کان هذافی الواقف فکیف بغیرہ فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد ولا یجوزا خذالاجرة منه ولا ان یجعل شیئا منه مستغلاولا سکنی بزازیه۔ اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کر دیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنانا یہ بھی تصرف باطل ومردود وحرام ہے۔ اوقاف میں تبدیل وتغیر کی اجازت نہیں: لایجوز تغیر الوقف عن هیاته۔ مسجد کی بجمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے۔ قال الله تعالیٰ: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فوراً اس ظلم کی منڈیر کو دور کر کے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۶) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مسئلہ: از عبدالقیوم خاں بگان شاہی جمشید پور

اگر مسجد کی جدید تعمیر ہو اور اس کا تعمیری سامان بچ رہے تو ان کو مسجد (بمعنی موضع صلوٰۃ) کے علاوہ مسجد ہی کے مصالح کی دیگر جگہوں میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً کرایہ کی دکان یا مکان یا وضوخانہ وغیرہ کی تعمیر میں۔

الجواب: تعمیری سامان یا اس کے لئے روپیہ اگر کسی نے صرف تعمیر مسجد کے لئے دیا ہے تو وہ سامان کسی بھی طرح تعمیر مسجد ہی میں صرف کیا جائے مسجد کے مصالح میں اسے صرف نہیں کر سکتے اور اگر مسجد کے عام مصالح کے لئے دیا ہے تو اس سے مکان، دکان یا وضوخانہ وغیرہ جو چاہیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان جلد سوم مع ہندیہ ص ۳۳۰ میں ہے: قوم بنوا مسجدا وفضل من خشبهم شئ قالوا یصرف الفاضل الی بنائه ولا یصرف الی الدهن والحصیر وهذا اذا سلم اصحاب الخشب الخشب الی المتولی لیبنی به المسجد اھ وهو تعالیٰ اعلم ورسوله الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از اعزازی سیکرٹری احمد ابراہیم باندرہ۔ بمبئی

ایک مسجد راستے سے قریب اور سٹیشن بھی قریب ہے مسجد کی بنیاد ایسی ہے ایک وقت تھا کئی برس پہلے یہ چھوٹی جگہ تھی اور چند مصلی نماز پڑھتے تھے مسجد کے متولی جگہ کو رفتہ رفتہ وسیع کرتے گئے اس کے بعد میونسپلٹی کا مقدمہ ہوا جہاں متولیان نے مقدمہ جیت لیا اور مسجد کی جگہ رجسٹرڈ ہو گئی جس کا نمبر ۷۸۷ ہے اور میونسپلٹی نمبر ۳ ہے مسجد کا کاروبار ایک جماعت چلاتی ہے اور چند سال سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ وصول کیا جا رہا ہے اور چندے کی رقم کافی جمع ہو چکی ہے اب متولیان نے مسجد بنانے کا نیا پلان میونسپلٹی آفس میں داخل کیا ہے مگر جگہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ پلان منظور نہیں ہو رہا ہے۔ جس کا رقبہ ۱۲۸ فٹ مربع ہے اسی وجہ

سے جمعہ وعیدین وتراویح کی نماز باہر سڑک پر پڑھی جاتی ہیں مسجد کی جگہ کسی کی نہیں ہے اور وقف بھی نہیں ہے۔ اس میں دوسرے خیر خواہ لوگوں نے کوشش کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسجد اگر شہید کر کے بنائی جائے یا مرمت کی جائے تو دس فٹ جگہ چھوڑنی پڑتی ہے اس کے سوا دوسری ایک رائے اور پیش کی گئی کہ مسجد یہاں سے ہٹائی جائے اور جگہ راستے کے لئے میونسپلٹی کو دی جائے تو میونسپلٹی مسجد کے جنوبی حصہ میں جہاں دیوار ہے وہ دیوار کے اندر حصہ میں میونسپلٹی کی جگہ سے دوگنی جگہ دے رہی ہے ایسی صورت میں ہمیں کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ مذکورہ صورت میں شرع کیا اجازت دیتی ہے۔

الجواب: مسجد کے کل یا بعض حصے کو کسی قیمت پر چھوڑ دینا ہرگز جائز نہیں۔ بہار شریعت ص ۱۴۳۱ میں ہے مسجد تنگ ہوگئی ایک شخص کہتا ہے کہ مسجد مجھے دے دو میں اسے اپنے مکان میں شامل کرلوں اور اس کے عوض وسیع اور بہترین زمین تمہیں دیتا ہوں تو مسجد کو بدلنا جائز نہیں۔ انتہی بالفاظہ اور فتاویٰ عالمگیر جلد دوم مصری ص ۳۵۶ میں ہے: لو کان مسجد فی محلة ضاق علی اهله ولا یسعهم ان یزید واالیه فسألهم بعض الجیران ان یجعلوا ذالك المسجد له لیدخل هو فی داره ویعطیهم مکانه عوضا ماهو خیراله فیسع فیه اهل المحلة قال محمد رحمة الله تعالیٰ لا یسعهم ذالك کذا فی الذخیرة۔ هذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: مولوی مقبول احمد سیٹھ ڈائی میکر کیر آف اقبال میٹرورکس اکبر لالہ کمپاؤنڈ آزاد نگر گھاٹ کر پر بمبئی ۷۶

عام طور پر یہ رائج ہے کہ جب ایک شخص کسی سے کوئی مال خریدتا ہے اور بیچنے والے کو کچھ رقم بیعانہ دیتا ہے پھر کسی وجہ سے وہ مال لینے سے انکار کر دیتا ہے یعنی بیع کو فسخ کر دیتا ہے تو بیچنے والا بیعانہ کی رقم ضبط کر لیتا ہے خریدار کو واپس نہیں کرتا تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جبکہ بیچنے والے نے خریدار کے انکار کو مان لیا اور بیع کا فسخ منظور کر لیا تو بیعانہ کی رقم واپس کرنا اس پر لازم ہے اگر نہیں واپس کرے گا تو سخت گنہگار حق العبد میں گرفتار ہوگا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کر لینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے۔ قال الله تعالیٰ: لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ پھر چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بیع کو فسخ ہو جانا ان کو مبیع نہ دے اور روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کر لے۔ هل هذا الاظلم صریح (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۷) وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبداللہ محلہ نارائن نگر گھاٹ کر پر بمبئی

اسمگلنگ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ یعنی دوسرے ملکوں سے چاندی، سونا یا گھڑی اور کپڑا وغیرہ لا کر اپنے ملک

بیچنا شرع کے نزدیک کیسا ہے جبکہ ملکی قانون کے اعتبار سے جرم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: جس صورت میں سونا، چاندی اور گھڑی وغیرہ دوسرے ملک سے لاکر اپنے ملک میں فروخت ملکی قانون کے اعتبار سے جرم ہے اس سے ازروئے شرع ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: الصور المباحة ما یکون جرما فی القانون ففی اقتحامه تعریض النفس للاذی والاذلال وهو لایجوز فیجب التحرز عن مثله (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۱۱۵)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از اصغر علی سپروائزر۔ سپرولی بازار۔ گورکھپور

بکر کے پاس زید سو روپے قرض مانگنے کے لئے گیا۔ بکر نے کہا میں روپیہ قرض نہیں دوں گا البتہ سوا سو روپیہ کا غلہ ہم سے لے جاؤ اور کسی کے ہاتھ بیچ ڈالو تو تم کو کم سے کم سو روپے ضرور مل جائیں گے چنانچہ بکر نے سوا سو روپے کا غلہ دیا اس غلہ کو خالد نے سو روپے میں ادھار خرید کر اسی بکر کے پاس لے جاکر سو روپے میں نقد بیچا اور سو روپے بکر سے لے کر زید کو دے دیا۔ اس طرح زید کو صرف سو روپے ملے مگر اس کو دینے پڑیں گے سوا سو روپے تو زید بکر کا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بکر اکثر اس طرح کا معاملہ کیا کرتا ہے۔

الجواب: یہ صورت بیع عینہ کی ہے جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ فرمایا ہے کیونکہ قرض کی خوبی اور حسن سلوک سے محض نفع کی خاطر بچنا چاہتا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں بلکہ بیع کرنے والا مستحق ثواب ہے کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ہمارے زمانہ کی اکثر بیعوں سے بہتر ہے۔ هٰکذا فی بہار شریعت۔ اور امام قاضی خاں اپنے فتاویٰ میں سود سے بچنے کی صورتیں لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: حیلة اخری ان یبیع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ویدفع السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیعها من غیره باقل مما اشتری ثم ذالك الغیر بیعها من المقرض بما اشتری لتصل السلعة بعینها ویأخذ الثمن ویدفعه الی المستقرض فیصل المستقرض الی القرض ویحصل الربح للمقرض وهذه الحیلة هی العینة التی ذکرها محمد رحمة الله تعالیٰ وقال مشائخ بلخ بیع العینة فی زماننا خیرامن البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی یوسف رحمة الله تعالیٰ علیه ان قال العینة جائزة ماجورة وقال اجره لمکان الفرار من الحرام۔ وهو سبحانه تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عبد اللطیف خاں۔ برگدوا۔ ضلع گونڈہ

گوبر لید اور پاچک جس کو ہندوستان کے بعض علاقوں میں اپلا اور کنڈہ کہتے ہیں ان کی خرید وفروخت اوران کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گوبر لید مینگنی اور اپلے کا خریدنا بیچنا اوران کا استعمال کرنا وجلانا جائز ہے۔ بحرالرائق مع ردالمحتار باب البیع الفاسد میں ہے: یجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والو قودبه كذا فی السراج الوهاج. وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی مدرسہ امجدیہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی

زید آڑھت میں اپنا مال بیچنے کے لئے پہنچاتا ہے اور آڑھت دار اس سے کچھ رقم پیشگی لے لیتا ہے کہ مال فروخت ہونے پر حساب کرلیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: زید اگر آڑھتدار سے قرض لیتا ہے تو اس کی خوشی سے لینا جائز ہے آڑھت میں مال پہنچانے کے سبب اس پر جبر نہیں کرسکتا اور اگر آڑھتدار سے اپنے مال کی قیمت پیشگی لیتا ہے اس شرط پر کہ فروخت ہونے کے بعد حساب ہو جائے گا تو حرام ہے۔ هٰكذا فی الجزء السابع من الفتاوىٰ الرضويه. وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد سعید اشرفی امام مکہ مسجد اشرف نگر باسنی ضلع ناگور راجستھان

کسی سامان کو نقد کم قیمت پر اور ادھار زیادہ قیمت پر بیچنا بہار شریعت حصہ یازدہم ص ۹۷ پر جائز لکھا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نقد کم دام پر اور ادھار زیادہ دام پر بیچنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عقد میں دوسرا عقد جائز نہیں۔ مثلاً غلام اس شرط پر بیچا کہ بائع ابھی اس سے ایک ماہ خدمت لے گا یا گھر اس شرط کے ساتھ بیچا کہ بیچنے والا ابھی اس میں ایک ماہ رہے گا تو چونکہ یہ عقد بیع کے ساتھ دوسرا عقد اجارہ یا اعارہ بھی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ حضرت شیخ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی علیہ الرحمۃ والرضوان اس کے عدم جواز کی علت لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: لانه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شئ من الثمن يكون اجارة فی بيع ولو كان لا يقابلهما يكون اعارة فی بيع وقد نهى النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين فی صفقة (ہدایہ جلد سوم ص ۴۴) وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ شوال ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از محمد طاہر مدرسہ اسلامیہ فیضان العلوم راجمند رخرد برگدہی پورندر پور۔ ضلع گورکھپور

ہندوستان کے کافر حربی ہیں یا ذمی یا مستامن؟ ان کے اموال عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ فتاوٰی عزیزیہ میں موجود ہے کہ ہندوستان کے کافروں کے اموال عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا جائز ہیں اور بکر اس کے خلاف ہے بلکہ زید یہ بھی کہتا ہے کہ ہندوستان کے کافر حربی ہیں اور حربی کافر کا سامان عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔ نیز ان کا مال چونکہ مباح ہے کھانا تو عقود فاسدہ کے ذریعہ اس لئے ان سے سود بھی لے سکتے ہیں اور اگر کافر اپنے آپ سود دے تو اس کا لینا جائز ہے۔ یہ بات ازروئے شرع کہاں تک درست ہے؟ مع حوالہ رقم فرمائیں۔

الجواب: ہندوستان کے کافر حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہاء حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان ھم الاحربی وما یعقلھا الا العالمون (تفسیر احمدیہ ص ۳۰۰) اور ان کے اموال عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا جائز ہیں جیسا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: عقد فاسد کے ذریعہ کافر حربی کا مال حاصل کرنا ممنوع نہیں یعنی جو عقد مابین دو مسلمان ممنوع ہے اگر کافر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو مثلاً ایک روپیہ کے بدلے دو روپیہ خریدے یا اس کے ہاتھ مردار کو بیچ ڈالا کہ اس طریقہ پر مسلمان سے روپیہ حاصل کرنا شرع کیخلاف اور حرام ہے اور کافر سے حاصل کرنا جائز ہے۔ (بہار شریعت جلد یازدہم ص ۱۵۳) اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ روپیہ دے کر کافر حربی سے نفع حاصل کرنا جائز ہے مگر اسے سود کی نیت سے نہ لے کہ سود مطلقاً حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از راحت علی۔ محلہ پرانا گورکھپور۔ شہر گورکھپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں کہ آم کی فصل بور آتے ہی ایک غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دی گئی تو اس طرح بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ پیسہ مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بور آتے ہی آم کی فصل بیچنا جائز نہیں اور اگر آم کے پھل ظاہر ہو چکے ہیں مگر کام کے قابل نہیں ہیں تو ان کا بیچنا جائز ہے مگر اس شرط پر جائز نہیں ہے کہ جب تک پھل تیار نہ ہوں گے درخت پر رہیں گے ہاں اگر بغیر شرط کے خرید وفروخت ہو پھر بیچنے والا تیار ہونے تک پھلوں کو درخت پر رہنے دے تو حرج نہیں۔ بہار شریعت جلد ۱۱ ص ۸۸ میں ہے: "پھل اس وقت بیچ ڈالے کہ ابھی نمایاں بھی نہیں ہوئے ہیں یہ بیع باطل ہے اور اگر ظاہر ہو چکے ہیں مگر قابل انتفاع نہیں ہیں تو یہ بیع صحیح ہے مگر مشتری پر فوراً توڑ لینا ضروری ہے اور اگر یہ شرط کر لی ہے کہ جب تک تیار نہیں ہوں گے درخت پر رہیں گے تو بیع فاسد ہے اور اگر بلا شرط خریدے ہیں مگر بائع نے بعد بیع کی اجازت دی کہ تیار ہونے تک درخت پر رہنے دو تو اب کوئی حرج

نہیں۔ انتھی کلام صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مصر ۹۷ میں ہے: بیع الثمار قبل الظہور لا یصح اتفاقا فان باعها بعد ان تصیر منتفعا بها یصح وان باعها قبل ان تصیر منتفعا بها بان لم تصلح لتناول بنی ادم وعلف الدواب فالصحیح انه یصح وعلی المشتری قطعها فی الحال هذا اذا باع مطلقا او بشرط القطع فان باع بشرط الترك فسد البیع اھ. اور اس قسم کی جائز بیع کو فسخ کردینا متعاقدین پر واجب ہے اگر فسخ نہ کریں گے تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ درمختار مع ردالمحتار جلد چہارم ص ۱۲۵ میں ہے: یجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعده مادام المبیع بحاله جوهره فی یدی المشتری اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر اھ ملخصًا. مگر ہندوستان کے کافر حربی ہیں جیسا کہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان هم الاحربی لایعقلها الا العالمون (تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰) اور کافر حربی کا مال عقد فاسد کے ذریعہ حاصل کرنا ممنوع نہیں۔ بہار شریعت جلد ۱۱ ص ۱۵۳ میں ہے: عقد فاسد کے ذریعہ کافر حربی کا مال حاصل کرنا ممنوع نہیں یعنی جو عقد مابین دو مسلمان ممنوع ہے اگر کافر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو۔ اھ۔ اور ردالمحتار جلد چہارم ص ۱۸۸ میں ہے: لوباعهم درهما بدرهمین اوباعهم میتة بدراهم اواخذ ما لامنهم بطریق القمار فذالك كله طیب له اھ. لہٰذا بور آتے ہی آم کی فصل بیچ کر جو پیسہ یہاں کے کافر سے لیا گیا وہ مسلمان کے لئے حلال وطیب ہے البتہ مسلمان کے ہاتھ اس قسم کی بیع جائز نہیں۔ هذا ما ظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اقبال اشرفی ۶۵۲ روی وار پیٹھ پونہ ۲

(۱)............دار الاسلام کسے کہتے ہیں؟

(۲)............دار الحرب کسے کہتے ہیں؟

الجواب: (۱)............دار الاسلام وہ ہے کہ جہاں بادشاہ اسلام کا حکم جاری ہو یا اس طرح کہ بروقت وہاں سلطنت اسلامی موجود ہو یا پہلے وہاں سلطنت اسلامی رہی ہو اور کافر کے قبضہ کرنے کے بعد شعائر اسلام جمعہ اور اذان واقامت وغیرہا کلاًیا بعضاً برابر اب تک جاری ہوں جیسے کہ ہندوستان، افغانستان اور ایران وغیرہ جیسا کہ شرح نقایہ میں کافی سے ہے: دار الاسلام ما یجری فیه حکم امام المسلمین. اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں فصول عمادی سے ہے: ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب اذا بقی شیء من احکام الاسلام وان زال غلبة اهل الاسلام. وهو تعالیٰ اعلم

(۲)............دار الحرب وہ ہے کہ جہاں بادشاہ اسلام کا حکم کبھی جاری نہ ہوا ہو جیسے روس، فرانس، جرمن اور پرتگال وغیرہا یورپ کے اکثر ممالک یا بادشاہ اسلام کے احکام جاری ہوئے ہوں مگر پھر غلبۂ کفار کے بعد شعائر اسلام بالکل مٹا دیئے گئے ہوں اور وہاں

کوئی مسلمان امان اوّل پر باقی نہ ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ دارالحرب سے ملحق ہو سلطنت اسلامیہ میں محصور نہ ہو جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: فی الزیادات انما تصیر دارالاسلام دارالحرب بشروط ثلاثۃ احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلۃ بدارالحرب لا یتخلل بینھما بلد من بلادالاسلام والثالث ان لایبقی فیھا مومن ولا ذمی بامانہ الاول اھ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ابرار احمد۔ امجدی منزل اوجھا گنج۔ ضلع بستی

زید جو مال نقد خرید نے والوں کو دس روپے میں دیتا ہے وہی مال ادھار خرید نے والوں کو بارہ روپے میں دیتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: جو مال نقد خرید نے والوں کو دس روپے میں دیتا ہے وہی مال ادھار خرید نے والوں کو دس روپے کی بجائے بارہ پندرہ یا اس سے زیادہ میں دینا جائز ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں قرضوں سے بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا۔ یہ باہمی تراضی بائع ومشتری پر ہے: قال اللہ تعالیٰ: اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۷۲) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ واتم احکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مظفر پور (بہار)

اگر بہت زیادہ محتاج ہو کہ فاقہ کی نوبت ہو اور کہیں سے قرض حسن نہ ملے تو اس صورت میں سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: فقہائے کرام نے سود سے بچنے کی جو صورتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر بہار شریعت کے گیارہویں حصہ میں ہے اگر اس طرح بھی قرض نہ مل سکے تو صحیح شرعی مجبوری کی صورت میں سودی قرض لینا جائز ہے۔ الاشباہ والنظائر ص ۹۳ میں ہے: فی القنیۃ والبغیۃ یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''سود دینے والا اگر حقیقۃً صحیح شرعی مجبوری کے سبب دیتا ہے اس پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح۔ اور اگر بلا مجبوری شرعی سود دیتا ہے مثلاً تجارت بڑھانے یا جائیداد میں اضافہ کرنے یا اونچا محل بنوانے یا اولاد کی شادی میں بہت کچھ لگانے کے واسطے سودی قرض لیتا ہے تو وہ بھی سود کھانے والے کے مثل ہے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۴۳) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمولانا محمد امام بخش قادری تیغی مدرسہ تیغیہ فیض الرسول مہوا۔ ضلع ویشالی بہار

زید کہتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے: لاربو ابین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ یعنی دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود نہیں۔ اور ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں لہٰذا یہاں پر مسلمان اور حربی کافروں کے درمیان سود ہے تو زید کا قول صحیح ہے کہ نہیں۔

الجواب: زید کا قول صحیح ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں دارالحرب کی قید یا تو احترازی نہیں ہے واقعی ہے کہ اس زمانہ میں کافروں میں سے صرف ذمی اور مستامن دارالاسلام میں رہتے تھے اور حربی دارالحرب ہی میں رہتا تھا اس لئے کہ بغیر امان لئے اگر وہ دارالاسلام میں داخل ہوتا تو اس کی جان و مال محفوظ نہ رہتے جیسا کہ ردالمحتار جلد سوم ص ۲۴۸ میں ہے: لودخل دارنا بلا امان کان ومامعه فیأ۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فی دار الحرب فرمادیا نہ اس لئے کہ حربی کافر کبھی دارالاسلام میں رہے تو مسلمان اور اس کے درمیان سود ہو جائے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً یعنی اے ایمان والو! دونا دون سود نہ کھاؤ (پ۴ ع۵) تو اس آیت کریمہ میں دونا دون کی قید احترازی نہیں ہے کہ دونادون سے کچھ کم وبیش سود کھانا جائز ہے بلکہ اس زمانہ میں لوگ عام طور پر دونادون سود کھاتے تھے اس لئے فرمایا کہ دونادون سود نہ کھاؤ۔ رئیس الفقہاء حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں: انما قید به اجراء علی عادتهم والافهو حرام مطلقا غیر مقید بمثل هٰذا القید (تفسیرات احمدیہ ص ۱۴۴) اور یا تو حدیث شریف میں فی دارالحرب کی قید مستامن کو نکالنے کے لئے ہے یعنی جب حربی مستامن ہو جائے تو اس کے اور مسلمان کے درمیان سود ہے اس لئے کہ امان کے سبب اس کا مال مباح نہیں رہ جاتا کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ اس کو مسلمان حاصل کر سکے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضروری نہیں۔ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشا اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا ردالمحتار میں ہے: قوله ثمه ای فی دارالحرب قید به لانه لودخل دارنا بامان فباع منه مسلم درهما بدرهمین لایجوز اتفاقا عن المسکین ہدایہ میں ہے: لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منهم لان ماله صار محظور العقد الامان اھ۔ ملخصاً فتح القدیر میں مبسوط سے ہے: اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق اخذه حل بعد کونه برضابخلاف المستامن منهم عند نا لان ماله صار محظورا بالامان فاذا اخذه بغیر الطریق المشروعة یکون غدرا اھ۔ تلخیصًا (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۸۸) وهو تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از شکیل احمد نوری دواخانہ باری مسجد جکتدل ضلع چوبیس پرگنہ۔ بنگال

(۱)......دکان یا مکان کے لئے بینک سے قرضہ لینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲)......ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان کے کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱)......بینک اگر مسلمان کا ہے یا مسلم اور غیر مسلم کا مشترکہ ہے تو ایسے بینک سے سود دینے کی شرط پر قرض لینا حرام ہے اور سود دینے والا بھی لینے والے کے مثل گنہگار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔ یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں (مسلم شریف) اور اگر بینک یہاں کے خالص کافروں کا ہے تو اگرچہ ایسے بینک سے زائد رقم دینے کی شرط پر دکان وغیرہ کے لئے روپیہ لانا شرعاً سود نہیں کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور مسلمان وحربی کے درمیان سود نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لاربا بین المسلم والحربی مگر ایسے بینک سے بھی بلاضرورت شدیدہ قرض لانا اور انہیں نفع دینا منع ہے۔

(۲)......یہاں کے کافروں کو قرض دے کر زائد رقم لینا جائز ہے کہ وہ حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان ھم الاحربی وما یعقلھا الاالعالمون (تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰) مگر زائد رقم سود کی نیت سے نہ لے کہ سود مطلقاً حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَحَرَّمَ الرِّبٰو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۹۳) وھو سبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از فضل الرحمٰن انصاری۔ گورکھپور

(۱)............تجارت میں دو چار گنا یا آٹھ گنا نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)............گورنمنٹ لاٹری کا جو روپیہ ملتا ہے اس کا لینا کیسا ہے؟

(۳)............گورنمنٹ کی تنخواہ کے علاوہ کمیشن کے طور پر ٹھیکیداروں کے ذریعہ کمپنیوں سے جو روپیہ ملتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱)......جائز ہے عندالشرع کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جھوٹ نہ بولے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے یا میں نے اتنے میں خریدی ہے۔ ردالمحتار میں ہے: لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ۔اھ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)............لاٹری ایک قسم کا جوا ہے اور جوا حرام ہے۔ جو شخص لاٹری کا ٹکٹ خریدے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے لیکن اگر کسی کو اس طرح روپیہ مل گیا ہو تو حلال ہے کہ گورنمنٹ خالص حربی کافروں کی ہے۔

ردالمحتار جلد چہارم ص ۱۸۸ میں ہے: لو باعهم درهما بدرهمين او باعهم ميتة بدراهم او اخذ مالامنهم بطريق القمار فذالك كله طيب له. وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم

(۳) جائز ہے۔ وهو تعالىٰ اعلم وعلمه اتم واحكم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبدالقادر مدرسہ مصباح العلوم بدھیانی خلیل آباد بستی

محترم المقام حضور مفتی صاحب قبلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج عالی! گزارش خدمت اقدس اینکہ میں آپ سے کچھ باتیں سمجھنا چاہتا ہوں لہٰذا مدلل سمجھادیں۔

(۱)............ ہندوستان دارالاسلام ہے اور حکومت ہندی ہے تو کیا مسلمان اس ہندی حکومت کے بینک میں روپیہ جمع کر کے نفع لے سکتا ہے؟ بکر کہتا ہے کہ ہندو گورنمنٹ کے بینک سے جو سود ملتا ہے وہ سود نہیں ہوتا بلکہ نفع ہے۔ اس کو لینا جائز ہے دینا جائز نہیں، سود تو مسلمان مسلمان کے درمیان ہوتا ہے اور زید کہتا ہے کہ بینک یا ڈاکخانہ سے جو اضافہ ملتی ہے سب سود ہے اگرچہ غیر مسلم کے بینک سے۔ دونوں میں کون صحیح ہے؟

(۲)............ تاڑی جو کھجور اور تاڑ کے درخت سے ہے ان کا پینا کیسا ہے؟

(۳)...... لاؤڈ سپیکر جو کہ بارات اور میلاد میں بجاتے ہیں اس سے جو آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی کیسی ہے۔

(۴)...... زنا کے ذریعہ جو بچہ پیدا ہوا اس کو مسلمان کہہ سکتے ہیں کہ نہیں اور بچہ بھی اس زنا کے عذاب میں گرفتار ہے کہ نہیں؟

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

(۱)............ بکر کا قول صحیح ہے وہ رقم جائز ہے اس کا لینا جائز ہے وہ شرعاً سود نہیں کہ سود کے لئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے۔ طحطاوی علی الدر اور شامی میں ہے: شرط الربا عصمة البدلين. اور ہندوستان کے تمام کفار حربی ہیں اس لئے کہ کفار کی تین قسمیں ہیں۔ ذمی، مستامن، حربی اور یہاں کے کفار یقیناً نہ تو ذمی ہیں اور نہ تو مستامن بلکہ حربی ہیں اس لئے کہ ذمی اور مستامن ہونے کے لئے بادشاہ اسلام کا ذمہ اور امن دینا ضروری ہے۔ رئیس الفقہاء عارف باللہ حضرت ملا جیون استاذ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰ میں زیر آیت حَتّٰی يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الخ فرماتے ہیں: ان هم الاحربى لا يعقلها الاالعالمون ؟ تو جب یہاں کے کفار حربی ٹھہرے تو ان کا مال مباح ہے بشرطیکہ ان کی رضا سے ہو غدر اور بدعہدی نہ ہو۔ لہٰذا وہ بینک جو خالص غیر مسلموں کے ہیں ان میں روپیہ جمع کرنے پر جو اضافہ ملتا ہے اس کا لینا جائز ہے کہ وہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں اور لینے میں اپنی عزت وآبرو کا کوئی خطرہ بھی نہیں وہ رقم کسی کے سود کہہ دینے سے سود نہ ہوگی اسے اپنے

جائز کام میں استعمال کرسکتا ہے۔وھو تعالیٰ اعلم

(۲)........تاڑی نشہ آور ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔حدیث شریف میں ہے: کل مسکر حرام اور فقیہ اعظم ہند مرشدی صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ تاڑی بیشک حرام ہے کہ اس میں نشہ ہوتا ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۱۹۰)

(۳)......لاؤڈ اسپیکر اگر جائز کام میں استعمال کیا گیا جیسے میلاد شریف اور تقریر و وعظ وغیرہ میں تو اس کی آمدنی جائز ہے۔ اور اگر ریکارڈ بجانے ناچ نچانے یا اس قسم کے دوسرے ناجائز کاموں میں استعمال کیا گیا تو اس کی آمدنی ناجائز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۴)......اگر ماں مسلمان ہے تو بچہ بھی مسلمان ہے اور زنا کا گناہ بچہ پر نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جیش محمد صدیقی برکاتی دار العلوم حنفیہ جنک پور دھام (نیپال)

محترم المقام صد احترام حضرت مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم۔عرض یہ ہے کہ ایک شبہہ کا ازالہ فرمادیں کرم ہوگا۔وہ یہ کہ بہار شریعت حصہ یازدہم ص ۱۷۵ پر بیع سلم کے سلسلہ میں مرقوم ہے کہ مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک برابر دستیاب ہوتا رہے۔الخ اور ص ۱۷۷ پر ہے کہ نئے گیہوں میں سلم کیا اور ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں یہ ناجائز ہے یہی اردو عالمگیری ص ۱۱۱ میں لکھا ہے قانون شریعت میں بھی یہی تحریر ہے اور ہدایہ جلد دوم باب سلم میں جو حدیث شریف مروی ہے نیز صاحب ہدایہ کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم اس نئے دھان میں جائز نہ ہونی چاہئے جو ابھی موجود نہ ہوئے ہیں۔قدوری وغیرہ میں بیع سلم کے جواز سے متعلق جو شرائط مذکور ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اطراف میں اگھن آنے سے ایک دو ماہ قبل نئے دھان پر روپے دیتے ہیں وہ جائز نہ ہو کیونکہ مسلم فیہ وقت عقد موجود نہیں ہے نہ بازار میں نہ گھر میں بلکہ کھیت میں پودا کی صورت میں ہے اور بہار شریعت نیز عالمگیری، ہدایہ، قدوری وغیرہ کی عبارات سے ظاہر ہے کہ جائز نہ ہو اور آپ نے اپنی کتاب انوار الحدیث میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔مثلاً زید نے فصل تیار ہونے سے پہلے بکر سے کہا کہ آپ سو روپے ہمیں دیجئے۔الخ۔بخاری اور مسلم کی جن حدیثوں کو آپ نے پیش کیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم نئے گیہوں اور نئے دھان وغیرہ میں جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہیں جن کی فصل تیار نہ ہوئی ہے جائز ہے لہٰذا رفع اشکال کی کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حضرت مولانا المحترم زید احترامکم۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.........بیشک بیع سلم کی صحت کے شرائط میں سے ہے کہ مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک برابر دستیاب ہوتا رہے اس لئے کہ پوری میعاد میں مسلم فیہ کے تسلیم پر بائع کا قادر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے نئے گیہوں اور دھان میں بیع سلم ناجائز ہے مگر اس کا مطلب یہ

ہے کہ گیہوں یا دھان جب تک کہ قابل انتفاع نہ ہوں ان کی بیع سلم جائز نہیں اور جب قابل انتفاع ہو گئے تو جائز ہے اگر ابھی کھیت سے نہ کاٹے گئے ہوں اس لئے کہ بائع مسلم فیہ کے تسلیم پر قادر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتسلوا فی الثمار حتی یبدوصلاحها۔ یعنی پھلوں کی درستگی ظاہر ہونے سے پہلے انکی بیع سلم مت کرو۔ ثابت ہوا کہ جب پھلوں کی درستگی ظاہر ہو جائے یعنی وہ قابل انتفاع ہو جائیں تو ان کی بیع سلم جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس حالت میں ہلاک نادر ہو۔ لان النادر کالمعدوم۔ اور اگر قابل انتفاع ہونے کے بعد بھی اکثر ہلاک ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض نشیبی علاقوں میں دھان وغیرہ سیلاب سے اکثر ہلاک ہو جاتے ہیں تو اگر اس صورت میں بازاروں میں دھان نہ ملتے ہوں تو جب تک کھیت سے کاٹ کر محفوظ نہ کر لئے جائیں ان کی بیع سلم ناجائز ہے۔ لان الغالب فی احکام الشرع کالمتیقن۔ لہٰذا آپ کے اطراف میں اگر قابل انتفاع ہونے سے پہلے نئے دھان کی بیع سلم کرتے ہیں اور اس وقت نئے دھان بازاروں میں نہیں پائے جاتے تو اس طرح بیع سلم کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں بائع نئے دھان کے تسلیم کرنے پر قادر نہیں۔ ہاں اگر نئے دھان کی قید نہ ہو بلکہ متعاقدین میں یہ طے ہو کہ بائع دھان دے گا خواہ نیا دے یا پرانا مشتری کو اعتراض نہ ہوگا تو اس صورت میں اگہن سے ایک دو ماہ پہلے دھان کی بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ دھان اس علاقہ کے بازاروں میں اس وقت مل سکتا ہو۔ لان البائع قادر علی تسلیم المسلم فیہ اور انوار الحدیث میں جو لکھا ہے کہ زید نے فصل تیار ہونے سے پہلے الخ۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ قابل انتفاع ہونے کے بعد اور کٹنے سے پہلے الخ۔ اور بخاری ومسلم کی جو حدیث شریف کتاب میں لکھی ہے اگرچہ بظاہر اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو چیز ابھی پیدا نہ ہوئی ہو اسکی بیع سلم جائز ہے مگر دوسری حدیثوں میں پیدا ہونے سے پہلے بیع سلم کرنے کو صراحتاً منع کیا گیا ہے جیسا کہ وہ حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اور بخاری شریف میں ہے: عن البختری قال سالت ابن عمر عن السلم فی النخل قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع النخل حتی یصلح وسالت ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن السلم فی النخل فقال نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن بیع النخل حتی یوکل منه۔ اور ابوداؤد وابن ماجہ میں ہے: عن ابی اسحاق عن رجل نجرانی قلت لعبدالله بن عمر اسلم فی نخل قبل ان تطلع قال لا۔ وهو تعالیٰ ورسوله الاعلی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از (مفتی) جیش محمد صدیقی برکاتی...... دار العلوم حنفیہ جنک پوردھام (نیپال)

فیض مآب حضرت علامہ مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف دامت فیوضکم العالیہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت کا فتویٰ مع نامہ ایک ہفتہ قبل تشریف لا کر نظر نواز ہوا۔ ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ۔ مطالعہ کے بعد ایک شبہہ کا

ازالہ ہوااور ایک کا اضافہ۔ وہ یوں کہ اگر کھیت کی قابل انتفاع شے کو (جو ابھی بازار میں نہیں ملتی ہے) بازار میں موجود ہونے کا حکم دیا جائے جیسا کہ حضرت کے فتویٰ سے مفہوم ہوتا ہے تو جو شے گھر میں موجود ہے اور بازار میں نہیں ملتی اسے بدرجۂ اولیٰ بازار میں موجود ہونے کا حکم دیا جاسکتا ہے کہ مقدور التسلیم ہے۔ حالانکہ بہار شریعت حصہ یازدہم ص ۱۷۵ پر موجود ہونے کا یہ معنی بیان فرمایا ہے کہ بازار میں ملتا ہواور اگر بازار میں نہ ملتا ہواور گھروں میں ملتا ہو تو موجود ہونا نہ کہیں گے تو فتویٰ اور بہار شریعت کی اس عبارت میں ٹکراؤ مفہوم ہوتا ہے اندفاع کی صورت تحریر فرمائیں؟

الجواب: مولانا المکرم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کھیت کی قابل انتفاع شے کا بازار میں موجود ہونے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ جب وہ قابل انتفاع ہے تو بائع اس کی تسلیم پر قادر ہے اور بہار شریعت کی عبارت بازاروں میں نہ ملنے اور گھروں میں پائے جانے کا معنی یہ ہے کہ وہ فروخت نہ ہوتی ہو اور بازاروں میں ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فروخت ہوتی ہو۔ لہٰذا گھروں میں جو شے موجود ہے اگر فروخت ہوتی ہے تو بیشک اسے بھی بازاروں میں ملنا کہیں گے اس لئے کہ وہ مقدور التسلیم ہے اور اگر بازاروں میں ہے مگر فروخت نہیں ہوتی تو اسے بازاروں میں ملنا نہ کہیں گے اس لئے کہ بائع اسکی تسلیم پر قادر نہیں اصل یہ ہے کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی ایک شرط قدرت علی التحصیل ہے جیسا کہ ہدایہ باب السلم جلد ثالث ص ۸۱ میں ہے اور قدرت علی التحصیل سے مراد عدم انقطاع ہے جیسا کہ فتح القدیر جلد سادس ص ۲۲۹ میں ہے: اما القدرۃ علی تحصیلہ الظاھر ان المراد منه عدم الانقطاع۔ لہٰذا جب مسلم فیہ کھیت بازار یا گھر کہیں سے حاصل ہو سکے تو عدم انقطاع کی شرط پائی گئی بیع سلم صحیح ہے اور اگر کہیں سے نہ مل سکے تو صحیح نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از تاج محمد گونڈوی متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی............

بہت سے لوگ خصوصاً مدرسین دوسروں کے نابالغ بچوں سے پانی بھروا کر پیتے اور وضو کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہرگز نہیں جائز ہے کہ وہ بچوں کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا ہبہ صحیح نہیں درمختار مع شامی جلد چہارم ص ۵۰۸ میں ہے: لا تصح ھبة صغیر۔ اور فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بعض لوگ دوسرے کے بچہ سے پانی بھروا کر پیتے یا وضو کرتے ہیں یا دوسری طرح استعمال کرتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ اس پانی کا وہ بچہ مالک ہوتا ہے اور ہبہ نہیں کرسکتا۔ پھر دوسرے کو اس کا استعمال کیونکر جائز ہوگا۔ (بہار شریعت حصہ ۱۴، ص ۷۷) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمد علی باسنی ضلع ناگور راجستھان

(۱)............زید نے اپنی بیوی ہندہ کو قریب آٹھ سال کے بعد طلاق دے دی۔ اس وقت ہندہ کے تین بچے ہیں۔ ایک اور ہونے والا ہے۔ زید نے جب ہندہ سے نکاح کیا تھا تو اس وقت اس نے کچھ زیور ہندہ کو دیا تھا اور طلاق دینے تک اس نے وہ زیور کبھی بھی واپس نہیں مانگا۔ اب طلاق دینے کے قریب دو ماہ بعد زید اپنی مطلقہ ہندہ سے زیور کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس صورت میں ہندہ کو زیور دینا چاہئے کہ نہیں؟

(۲)......سب بچے کس کی پرورش میں رہیں گے؟ اور کب تک رہیں گے اور چوتھے بچے کی ولادت وغیرہ کا خرچہ شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱)......اگر گواہان عادل شرعی یا زید کے اقرار سے ثابت ہو کہ اس نے زیور ہندہ کو ہبہ کر دیا تھا تو اس صورت میں ہندہ پر زیور کا واپس کرنا لازم نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۳۲۷ میں فتاویٰ عالمگیری سے ہے: اذا وھب احد الزوجین لصاحبہ لا یرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما۔ اھ۔ اسی طرح جو زیور عورت کو شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اگر اس علاقہ یا کم از کم زید کی برادری میں عورت کو مالک بنا دیئے جانے کا عرف ہے تو اس صورت میں بھی ہندہ پر زیور کی واپسی لازم نہیں۔ علماء فرماتے ہیں: المعروف عرفا کالمشروط نصا۔ اور اگر گواہان شرعی یا زید کے اقرار یا عرف سے زیور کا مالک ہونا ہندہ کے لئے ثابت نہ ہو تو اس پر زیور کا واپس کرنا لازم ہے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)......جبکہ حالت حمل میں طلاق دی ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ لہٰذا وضع حمل تک عدت کا خرچ اور بچے کی ولادت کے سارے اخراجات زید پر لازم ہیں۔ اور سب بچے ماں کی پرورش میں رہیں گے۔ لڑکے سات سال کی عمر تک اور لڑکیاں نو سال کی عمر تک اور پرورش کا سب خرچ زید پر واجب ہوگا۔ اگر ہندہ بچوں کے غیر محرم سے شادی کر لے تو بچے اپنی نانی کی پرورش میں رہیں گے اور پرورش کا خرچ اس کو ملے گا اور اگر نانی و پرنانی وغیرہ نہیں ہوں گی تو بچے دادی کی پرورش میں رہیں گے۔ ھٰکذا فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الغوث ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از حفیظ اللہ انصاری حفیظ منزل پوسٹ ومقام شہرت گڑھ بستی

مکرمی! حضور مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ مؤدبانہ التماس ہے کہ حسب ذیل سوالوں کے جوابات شریعت مقدسہ کی روشنی میں مع دلائل مرحمت فرمائیں۔

زید کی کھیتی راج نیپال ترائی میں ہے اور زید انڈیا میں رہتا ہے۔ فصل فصل پر جایا کرتا ہے اس لئے اپنے کھیت کو اسی گاؤں

ہے مسلم اور غیر مسلم کاشتکاروں کو حسب ذیل شرائط پر دیا کرتا ہے۔

(۱)..........کھیت کو لگان یعنی مال گذاری پر طے کر کے دینا کہ ایک سال میں ایک بار صرف دو من دھان لوں گا جبکہ کاشتکار اسی کھیت میں دو فصل بوتا کاٹتا ہے یہ بھی طریقہ جائز ہے کہ نہیں؟ سرکار کو لگان زید خود ہی دیتا ہے۔

(۲)......کھیت کو ہنڈا پر دینا مثلاً ایک بیگھہ کھیت ہے سال میں ایک بار صرف دو من دھان دوں گا جبکہ کاشتکار اسی کھیت میں دو فصل بوتا کاٹتا ہے یہ بھی طریقہ جائز ہے کہ نہیں؟ سرکار کو لگان زید خود ہی دیتا ہے۔

(۳)......کھیت کو بٹائی پر کم و زیادہ کی مقدار میں طے کر کے دینا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: (۱)......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال (جس میں ہر سال چار من دھان دینا طے ہوا) کا جواب لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام وواجب الفسخ ہے کہ اس میں مالک زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں یا اتنے بھی نہ ہوں۔ فی التنویر الابصار المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ اھ ملتقطا بلکہ یوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی۔ پھر اگر کچھ پیدا ہو تو حسب قرارداد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا اور کچھ نہ پیدا ہوا تو کچھ نہیں۔ یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد و حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۱۶۵)

هذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲)..........یہ صورت بھی اجارہ فاسد اور عقد حرام کی ہے جیسا کہ جواب نمبر ایک سے ظاہر ہے۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحكم

(۳)......زمین و بیج ایک شخص کے اور دوسرا شخص اپنے ہل بیل سے جوتے بوئے گا یا ایک کی فقط زمین باقی سب کچھ دوسرے کا یعنی بیج بھی اسی کے اور ہل بیل بھی اسی کے اور کام بھی وہی کرے گا یا کھیتی کرنے والا صرف کام کرے گا باقی سب کچھ مالک زمین کا یہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور اگر یہ طے ہو کہ زمین اور بیل ایک شخص کے اور کام و بیج دوسرے کے یا بیل و بیج ایک کے اور زمین و کام دوسرے یا یہ کہ ایک کے ذمہ فقط بیل باقی سب کچھ دوسرے کے ذمہ۔ یا ایک کے ذمہ فقط بیج باقی سب دوسرے کے ذمہ یہ چاروں صورتیں ناجائز و باطل ہیں۔ درمختار میں ہے: صحت لو كان الارض والبذر لزيد والبقر والعمل للاخر والارض والباقي للاخر والعمل له والباقي للاخر فهذه الثلثة جائزة وبطلت في اربعة اوجه لو كان الارض والبقر لزيد او البقر والبذر له واللاخران للاخران والبقرا والبذر له والباقي للاخر. اھ۔ اور کھیت کو بٹائی پر جن صورتوں میں دینا جائز ہے ان میں کمی بیشی کی ہر مقدار میں جائز ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازیارمحمد ستاروالا۔ نورباغ سٹیشن روڈ۔ سورت گجرات

بہت سے لوگ گائے، بکری یا مرغی اس شرط پر دوسروں کو دیتے ہیں کہ تم اس کی پرورش کرو۔ بچے اور انڈے جس قدر ہوں گے وہ ہم لوگ آپس میں بانٹ لیں گے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "دوسرے کو گائے بکری اس شرط کے ساتھ دینا جائز نہیں کہ جتنے بچے پیدا ہوں گے دونوں نصف نصف لے لیں گے۔ اس صورت میں شرعاً بچے اس کے ہیں جس کی گائے بکری ہے اور دوسرے کو صرف اس کے کام کی واجبی اجرت ملے گی (بہار شریعت حصہ ۱۴، ص ۱۴۳) اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اذا دفع البقرة بعلففيكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللاخر مثل علفه واجر مثله تتارخانية (ردالمحتار جلد سوم ص ۳۵۱) اسی طرح مرغی بھی کسی کو اس شرط پر دینا جائز نہیں کہ انڈے ہم دونوں تقسیم کرلیں گے۔ کل انڈے اسی کے ہیں جس کی مرغی ہے۔ دوسرے کو اس کے کام کی مناسب مزدوری ملے گی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد چہارم مصری ص ۴۴۰ میں ہے: لو دفع الدجاج على ان يكون البيض بينهما لا يجوز. والحادث كله لصاحب الدجاج كذا في الوجيز للكردري اه تلخيصًا. وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی عبدالعزیز نوری فلکس ٹیوبس ۴۱ کیبا کالونی۔ اندور (ایم پی)

اذان پڑھنے، امامت کرنے اور تعلیم قرآن مجید و دیگر علوم شرعیہ کے پڑھانے کی تنخواہیں مقرر کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تنخواہ لینے والے مؤذن اور امام کو اذان و امامت پر اور مذہبی تعلیم دینے والے مدرس کو پڑھانے پر ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا تجروا۔

الجواب: متقدمین فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اذان و امامت اور تعلیم قرآن و دیگر علوم دینیہ کی تنخواہ و اجرت لینا جائز نہیں مگر متاخرین فقہاء نے ان کاموں پر ضرورتاً جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اخذ اجرت بر تعلیم قرآں و دیگر علوم و اذان و امامت جائز ست۔ على ما افتى به الائمة المتاخرون نظرا الى الزمان حفظا على شعائر الدين والايمان (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۱۶۳) پھر اسی جلد کے ص ۱۶۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ استیجار علی الطاعات حرام و باطل ہے سوا تعلیم علوم دین و اذان و امامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوے جواز دیا۔ اھ۔ اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ طاعت و عبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لئے، امامت کے لئے، قرآن و فقہ کی تعلیم کے لئے، حج کے لئے یعنی اسی لئے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے۔ متقدمین فقہاء کا یہی مسلک ہے مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین کے کاموں میں سستی پیدا ہوگئی ہے اگر اس اجارہ

کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہوگا۔ انہوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثناء فرمادیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم قرآن و فقہ اور اذان و امامت پر اجارہ جائز ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۱۴ ص ۱۱۴) لیکن تنخواہ لے کر اذان پڑھنے والوں، امامت کرنے والوں اور پڑھانے والوں کو ان کاموں پر ثواب نہیں ملتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ اجیر ہوتے ہیں اور اجیر عامل لنفسہ ہوتا ہے۔ عامل للہ نہیں ہوتا اور جو کام اللہ کے لئے نہ ہو اس پر ثواب نہیں ملتا۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اذان کہنے پر احادیث میں جو ثواب ارشاد ہوئے ہیں وہ انہیں کے لئے ہیں جو اجرت نہیں لیتے خالصاً لوجہ اللہ اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ ہاں اگر لوگ بطور خود مؤذن کو صاحب حاجت سمجھ کر دے دیں تو یہ بالاتفاق جائز بلکہ بہتر ہے اور یہ اجرت نہیں (غنیۃ) جبکہ المعهود کالمشروط کی حد تک نہ پہنچ جائے (رضا)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی اس سوال کے جواب میں کہ امام جمعہ اور امام پنج وقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں کہ جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۱۷۷) پھر اسی جلد کے اسی صفحہ پر اس سوال کے جواب میں کہ تعلیم قرآن و تعلیم فقہ و احادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

تحریر فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر کچھ ثواب نہیں۔ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سید اعجاز احمد قادری نیر پوسٹ آفس تاڑپٹری (اے پی) سوم، دسواں، بیسواں اور چالیسواں وغیرہ کے موقع پر ایصال ثواب کے لئے روپیہ دے کر قرآن خوانی کرانا کیسا ہے؟

الجواب: ایصال ثواب کے لئے کسی بھی موقع پر قرآن خوانی کروانا جائز و مستحسن ہے لیکن اس پر اجرت لینا دینا جائز نہیں۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''سوم وغیرہ کے موقع پر اجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے دینے والا لینے والا دونوں گنہگار۔ اسی طرح اکثر لوگ چالیس روز تک قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کرواتے ہیں۔ اگر اجرت پر ہو یہ بھی ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں ایصال ثواب بے معنی بات ہے کہ جب پڑھنے والے نے پیسوں کی خاطر پڑھا تو ثواب ہی کہاں جس کا ایصال ثواب کیا جائے اسکا ثواب یعنی بدلہ پیسہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اعمال جتنے ہیں نیت کے ساتھ ہیں جب اللہ کے لئے عمل نہ ہو ثواب کی امید بے کار ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۱۴ ص ۱۳۹)

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة ان القران بالاجرة لایستحق بالثواب لا للمیت ولا للقاری. وقال العینی فی شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی اثمان. فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراة الاجزاء بالاجرة لایجوز لان فیه الامر بالقراة واعطاء الثواب للامر والقراة لاجل المال فاذالم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة
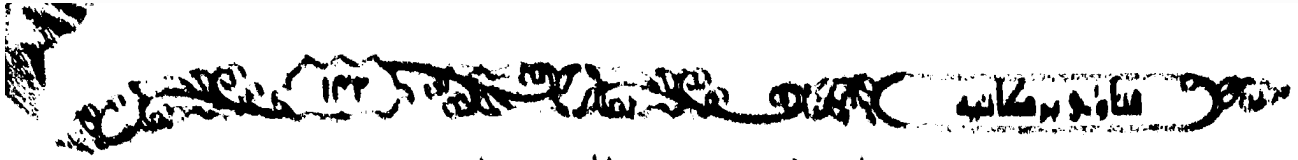
فاین یصل الثواب الی المستاجر (ردالمحتار جلد پنجم ص۳۵) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد المصطفیٰ لیلر محلہ پوروہ۔ مہنداول ضلع بستی

امام ومؤذن جو امامت کرنے اور اذان پڑھنے کی تنخواہ لیتے ہیں اور مدرسین جو مذہبی تعلیم دینے کا پیسہ لیتے ہیں ان کاموں پر امام ومؤذن اور مدرس کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ یہ لوگ امامت، اذان اور مدرسی روپے کے لئے کریں تو اجیر ہیں اور اجیر عامل لنفسہ ہے عامل للہ نہیں اور جب عمل اللہ کے لئے نہ ہو تو ثواب کی امید بیکار ہے۔ ھذا ماظھر لی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد خلیل ساکن پیر اہمنگت ضلع بستی

ہمارے یہاں لوگ عام طور پر ایک بیگھہ زمین بیس روپے پچیس روپے سالانہ کرایہ پر دیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو سو روپیہ قرض دیا اس شرط پر کہ وہ اپنا ایک بیگھہ کھیت ہمیں دے دے جس سے ہم فائدہ اٹھائیں اور گورنمنٹی لگان ایک یا دو روپیہ سالانہ وصول کرتا ہے اور جب بھی وہ سو روپیہ قرض ادا کرے تو ہم کھیت اسے واپس کردیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں اس لئے کہ قرض دے کر نفع حاصل کرنا سود ہے جو حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے: کل قرض جر نفعا فھو ربو۔ البتہ غیر مسلم حربی کافر کا کھیت اس طرح لے سکتا ہے اس لئے کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ ان کا مال لینا جائز ہے۔ ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے: مالھم مباح فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا ماجا اذا لم یکن فیہ غدر اھ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: از محمد جمیل صدیقی ٹیوب ویل مستری جین پور۔ اعظم گڑھ

وہابی کا ذبیحہ مردار کیوں ہے اور کتابی کا ذبیحہ حلال کیوں ہے؟ جبکہ دونوں ہم اہلسنت وجماعت کے نزدیک کافر و بددین ہیں؟

الجواب: کافر کی دو قسمیں ہیں اصلی اور مرتد۔ اصلی کافر وہ ہے جو شروع سے کافر ہو اور کلمۂ اسلام کا منکر ہو۔ پھر اصلی کافر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ منافق اور مجاہر۔ منافق وہ کافر ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتا ہو اور دل سے انکار کرتا ہو اور مجاہر وہ کافر

ہے کہ علانیہ کلمۂ اسلام کا انکار کرتا ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں اوّل دہریہ دوم مشرک اور سوم مجوسی۔ ان سب کا ذبیحہ مردار ہے اور چہارم کتابی یہ بھی اگرچہ کلمۂ اسلام کا علانیہ انکار کرتا ہے مگر اسکا ذبیحہ حلال ہے اس وجہ سے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: طعامھم ذبیحتھم۔ تو آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ کتابیوں کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے کہ ذبح کرنے والے کا کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنا شرط ہے لہٰذا کتابی نے اگر مسلمان کے سامنے ذبح کیا ہو اور یہ معلوم ہو کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اگر ذبح کے وقت حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کا نام لیا ہو اور مسلمان کے علم میں یہ بات ہو تو ذبیحہ مردار ہے اور اگر مسلمان تھا پھر کتابی ہوا تو اس کا ذبیحہ بھی مردار ہے کہ وہ مرتد ہے عنایہ میں ہے: ومن شرط الذبح ان یکون الذابح صاحب ملة التوحید اما اعتقادا کالمسلم او دعوی کالکتابی فانه یدعی ملة التوحید وانما تحل ذبیحة اذا لم یذکر وقت الذبح اسم عزیر والمسیح لقوله تعالیٰ: وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ اور مرتد وہ کافر ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں مجاہر و منافق، مرتد مجاہر وہ ہے کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا یعنی دہریہ، مشرک مجوسی یا کتابی وغیرہ کچھ بھی ہو گیا اور مرتد منافق وہ ہے کہ اسلام کا کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے مگر خدا عزوجل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے جیسے آج کل کے وہابی، دیوبندی کہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے مگر اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ کی بنیاد پر مرتد ہیں جیسا کہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، پاکستان، ہندوستان بنگال اور برما وغیرہ کے سینکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام کے فتاوے وہابیوں کے بارے میں حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں شائع ہو چکے ہیں اور مرتد احکام دنیا میں سب کافروں سے بدتر ہیں کہ مستحق قتل ہیں اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا اور اس کا نکاح مسلم کافر یا مرتد کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا محض زنا ہوگا۔ کما صرح فی الکتب الفقھیة۔ اور مرتد کا ذبیحہ اس وجہ سے حرام و مردار ہے کہ وہ کلمہ گو ہو کر کفر کرتا ہے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے پھر اگرچہ وہ کتابی ہو جائے اس کا ذبیحہ مردار ہے کہ دین اسلام چھوڑ کر جس دین کی طرف وہ چلا گیا اس پر بھی اسے ثابت نہ مانا جائیگا۔ یعنی خواہ کسی ملت کا دعویٰ کرے مرتد کا دعویٰ بیکار ہے ہدایہ میں ہے: لاتوکل ذبیحة المجوسی والمرتد لانه لاملة له فانه لایقر علی ما انتقل الیه۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لاتؤکل اهل الشرك والمرتد لانه لایقر علی الدین الذی انتقل الیه۔ هذا ما ظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی المولیٰ تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ
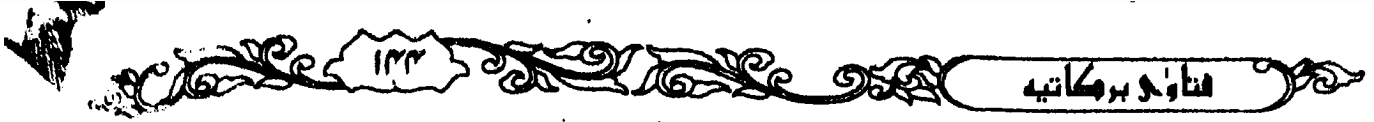
مسئلہ: از فصیح اللہ گورا بازار ضلع بستی

(۱)......حلال جانوروں کا کپورہ کھانا کیسا ہے؟

(۲)......حلال جانور مثلاً مرغ اور بکرے کا چمڑا مع گوشت یا گوشت الگ بھون کر یا پکا کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: (۱)......ذبح شرعی کے باوجود حلال جانوروں کا کپورہ کھانا حرام ہے فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۲۵۶ میں ہے: مایحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح، والذکر، والاثنتان والقبل، والغدة والمثانة، والمرارة کذا فی البدائع۔ یعنی حلال جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں (۱) بہتا ہوا خون (۲) آلہ تناسل (۳) دونوں خصیے یعنی کپورے (۴) شرمگاہ (۵) غدود (۶) مثانہ اور پتہ ایسے ہی بدائع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲)......حلال جانوروں کا چمڑا بعد ذبح شرعی مع گوشت یا گوشت سے الگ بھون کر یا پکا کر کھانا جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۲۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از احسان اللہ شاہ قادری بیل گھاٹ۔ گورکھپور

اوجھڑی اور آنتیں کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اوجھڑی اور آنتیں کھانا درست نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خبائث یعنی گندی چیزیں حرام فرمائیں گے۔ اور خبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے سلیم الطبع لوگ گھن کریں اور انہیں گندی جانیں امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اما الدم فحرام بالنص واکرہ الباقیة لانھا مما تستخبثھا الانفس قال تعالیٰ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیوان ماکول اللحم کے بدن میں جو چیزیں مکروہ ہیں ان کا مدار خبث پر ہے اور حدیث میں مثانہ کی کراہت منصوص ہے اور بیشک اوجھڑی اور آنتیں مثانہ سے خباثت میں زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔ مثانہ اگر معدن بول ہے تو آنتیں اور اوجھڑی مخزن فرث ہیں۔ لہٰذا دلالت النص سمجھا جائے یا اجرائے علت منصوصہ بہرحال اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز نہیں۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولی علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از چودھری بیت اللہ سرپنچ۔ پپری بزرگ بستی

کافر کے ہاتھ سنی مسلمان کے یہاں سے گوشت منگا کر کھانا کیسا ہے؟

زید کہتا ہے کہ ناجائز ہے تو اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے زید کا کہنا صحیح نہیں۔ بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۳۶ میں ہے: اپنے نوکر یا غلام کو گوشت لانے کے لئے بھیجا اگر چہ یہ مجوسی ہو یا ہندو ہو وہ گوشت لایا اور کہتا ہے کہ مسلمان یا کتابی سے خرید کر لایا ہوں تو یہ گوشت کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس نے یہ کہا کہ مشرک مثلاً مجوسی یا ہندو سے خرید کر لایا ہوں تو اسکو نہ مانا جائے گا۔ گوشت کا کھانا حرام ہے کہ خریدنا بیچنا معاملات میں سے ہے اور معاملات میں کافر کی خبر معتبر ہے۔ اگر چہ حلت و حرمت دیانات میں سے ہے اور دیانات میں کافر کی خبر نا مقبول ہے مگر چونکہ اصل خبر خریدنے کی ہے اور حلت و حرمت اس مقام پر ضمنی چیز ہے۔ لہٰذا جب وہ خبر معتبر ہوئی تو ضمناً یہ بھی ثابت ہو جائے گی اور اصل خبر حلت و حرمت کی ہوتی تو نہ معتبر ہوتی۔ انتھی بالفاظہ۔ فتاویٰ عالمگیری مصری ج ۵ ص ۱۷۱ اور ہدایہ مجیدی ج ۴ ص ۴۳۷ اور اس کی شرح کفایہ میں ہے: من ارسل اجیرا له مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی او نصرانی او مسلم وسعه اکله اھ اور درمختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: یقبل قول کافر و لو مجو سیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل او قال اشتریته من محوسی فیحرم ولا یردہ بقول الواحد واصله ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات۔ اور فتاویٰ ہندیہ مصری ج ۵ ص ۲۷۱ میں ہے: لا یقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة هٰکذا فی التبیین۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از رضوان علی موضع جھامٹ۔ ضلع گورکھپور

چار بھائی ہیں اور سب ایک میں ہیں اور ان سب کا باپ نہیں ہے لہٰذا بڑا بھائی مالک ہے تو آیا قربانی چاروں کے نام سے واجب ہوگی یا صرف بڑے بھائی کے نام؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر چاروں بھائی ایک میں ہیں اور چاروں بھائیوں کا مشترکہ مال چار نصاب پورا نہیں ہے تو کسی پر قربانی واجب نہیں اور اگر چار نصاب پورا ہے تو ہر بھائی پر قربانی واجب ہے اس لئے کہ اس صورت میں ان میں سے ہر ایک مالک نصاب ہے اور بڑا بھائی مالک بہ معنی انتظام کار ہے نہ کہ حقیقی مالک۔ وھوا علم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد بابر برکاتی نائب صدر دار العلوم برکاتیہ بزم برکات منشی کمپاؤنڈ جوگیشوری ویسٹ بمبئی ۱۰۲
جرسی گائے وبیل کی قربانی کرنا کیسا ہے؟ نیز جرسی گائے کا دودھ پینا اور گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جرسی گائے اور بیل کی قربانی کرنا جائز ہے۔ بکر کہتا ہے کہ وہ خنزیر کی جنس سے ہیں اس لئے نہ ان کی قربانی جائز ہے نہ ہی ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یہاں تک کہ اس گائے کا دودھ پینا بھی ناجائز وحرام ہے۔ آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اگر جائز ہے تو اور ناجائز ہے تو دونوں صورتوں میں تفصیلی جواب سے نوازیں تاکہ عوام کو شرعی حکم سے آگاہ کیا جاسکے۔

الجواب: جرسی گائے اور بیل جبکہ گائے کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں تو ان کی قربانی کرنا، ان کا گوشت کھانا جائز ہے اور جرسی گائے کا دودھ پینا بھی جائز ہے اس لئے کہ جانوروں میں ماں کا اعتبار ہے۔ لہٰذا بکر کا قول صحیح نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص ۲۶۲ میں ہے: ان کان متولدا من الوحشی والانسی فالعبرة للام فان کانت اهلیة تجوز والا فلا حتّٰی لو کانت البقرة وحشیة والثور اهلیا لم تجز. هذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ کسان ٹولہ سندیلہ۔ ہردوئی
ایک شخص صاحب نصاب ہے مگر ایام قربانی گزر گئے اور وہ قربانی نہیں کر سکا تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شخص مذکور اگر قربانی کا جانور خرید چکا تھا تو اسی کو صدقہ کرے اور اگر نہیں خریدا تھا تو ایک بکرا کی قیمت صدقہ کرنا اس پر واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۰۴ میں ہے: ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاة المشتراة للاضحیة اذا لم یضح بها حتّٰی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینها حیة کالفقیر بلا خلاف بین اصحابنا. اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے: ان لم یشتر وهو موسر وقد مضت ایامها تصدق بقیمة شاة تجزی للاضحیة اھ وهو سبحانه وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از رحمت اللہ چمبور۔ بمبئی
زید کہتا ہے کہ مالک نصاب ایک سال اپنے نام سے قربانی کردے وہ کافی ہے ہر سال اپنے نام سے قربانی واجب نہیں ایک سال اس نے اپنے نام سے قربانی کردی اور اب ہر سال دوسرے کے نام قربانی کرتا ہے تو واجب اس کے ذمہ سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس طرح کہ دوسرے کی طرف سے زکاۃ وفطرہ ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا ایسے ہی دوسرے کی

طرف سے قربانی کرنے پر بھی واجب اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا لہٰذا زید کا یہ کہنا غلط ہے کہ مالک نصاب پر ہر سال اپنے نام سے قربانی واجب نہیں۔ اگر وہ مالک نصاب ہوتے ہوئے ہر سال اپنے نام سے قربانی نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مولوی فصیح اللہ مدرسہ گورا بازار ضلع بستی

دسویں ذی الحجہ کو بعد نماز فجر قبل نماز عیدالاضحیٰ قربانی کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شہر میں نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں لیکن دیہات میں دسویں ذی الحجہ کو بعد نماز فجر قبل نماز عیدالاضحیٰ قربانی کرنا جائز ہے بلکہ طلوع صبح صادق ہی سے جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد کرے درمختار میں ہے: اول وقتها بعد الصلوٰة ان ذبح فی مصر وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیره اھ ملخصًا۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے: فاما اهل السواد والقری والرباطات عندنا یجوز لهم التضحیة بعد طلوع الفجر الثانی من الیوم العاشر من ذی الحجة اھ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۰ میں ہے: والوقت المستحب للتضحیة فی حق اهل السواد بعد طلوع الشمس وفی حق اهل المصر بعد الخطبة کذا فی الظهیریة اھ. هذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰه تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی المولیٰ تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از حافظ عبدالمجیب کاتب مدرسہ عالیہ وارثیہ مچھلی محل لکھنؤ

بقرعید کے دن اگر شہر میں کرفیو لگ جائے یا فتنہ وفساد ایسا ہو کہ لوگ گھروں سے نکل کر عیدگاہ یا مسجد میں بقرعید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو اس صورت میں شہر کے لوگ قربانی کب کریں؟

الجواب: جبکہ کرفیو یا کسی دوسرے فتنہ کے سبب شہر میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں دسویں ذوالحجہ ہی کو شہر میں بھی طلوع فجر کے بعد ہی سے قربانی کرنا جائز ہے۔ درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۰۳ میں ہے: فی البزازیة بلدة فیها فتنة فلم یصلوا وضحوا بعد طلوع الفجر جاز فی المختار۔ اور شامی میں ہے: قوله جاز فی المختار لان البلدة صارت فی هذا الحکم کالسواد اتقانی وفی التتار خانیة وعلیه الفتویٰ. وهو تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از قاضی عبدالصمد فاروقی بنڈلیہ پوسٹ ہلور۔بستی

(۱)......قربانی کا بکرا سال بھر کا ہے اور دانت ابھی نہیں نکلا ہے لیکن گاؤں کے لوگ کہتے ہیں کہ سال بھر کا ہو گیا ہے تو اس بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(۲)......جبکہ قربانی کے بکرے کی سینگ وغیرہ صحیح ہونا چاہئے یعنی اس کا بے عیب ہونا ضروری ہے تو کیا بدھیا ہونا عیب نہیں ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے؟

(۳)......کیا تین دن قربانی کا جائز ہونا حدیث وفقہ سے ثابت ہے؟

الجواب: (۱)......قربانی کے بکرے کی عمر سال بھر ہونا ضروری ہے دانت کا نکلنا ضروری نہیں لہٰذا بکرا اگر واقعی سال بھر کا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اگر چہ اس کے دانت نہ نکلے ہوں۔ درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۰۴ میں ہے: صح الثنی فصاعد اوالثنی هوا بن حول من الشاة اه ملخصًا (۲)......بیشک بدھیا ہونا عیب نہیں ہے اس لئے کہ عیب اس بات کو کہتے ہیں جس کے سبب جانور کی قیمت کم ہو جائے اور بدھیا ہونے سے جانور کی قیمت کم نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے تو اس کی قربانی جائز ہی نہیں بلکہ افضل ہے اس لئے کہ بدھیا ہونے سے اس کا گوشت اور عمدہ ہو جاتا ہے ہدایہ جلد سوم باب خیار العیب ص ۲۳ میں ہے: کل ما اوجب نقصان الثمن فی عادة التجار فهو عیب. اور فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۲۶۴ میں ہے: الخصی افضل من الفحل لانه اطیب لحما کذا فی المحیط. اور جوہرہ نیرہ جلد دوم ص ۲۵۴ میں ہے: یجوز ان یضحی بالخصی لانه اطیب لحما من غیر الخصی قال ابو حنیفة ما زادفی لحمه انفع مما ذهب من خصیته اه ملخصًا.

(۳)......بیشک تین دن قربانی کا جائز ہونا حدیث وفقہ سے ثابت ہے بدائع الصنائع جلد پنجم ص ۶۵ میں ہے: روی عن سیدنا عمر وسیّدنا علی وابن عباس وابن سیدنا وعمر وانس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنهم انهم قالوا ایام النحر ثلاثة اولها افضلها والظاهر انهم سمعوا ذالك من رسول الله صلی الله علیه وسلم لان اوقات العبادات والقربات لا تعرف الا بالسمع اه. اور ہدایہ جلد چہارم ص ۴۳۰ میں ہے: وهی جائزة فی ثلاثة ایام یوم النحر ویومان بعده اه. وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از قاضی صالح محمد رتن نگر ضلع چورو (راجستھان)

عقیقہ اور قربانی کی کھال قبرستان کی حفاظت کے لئے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ قربانی کے چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے اسے اپنے کام میں بھی لا سکتا

ہے مثلاً مصلی بنائے یا چھلنی یا مشکیزہ وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص ۲۶۵ میں ہے: یتصدق بجلدھا او یعمل منھا نحوغر بال وجراب۔ یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کرے اور چھلنی اور تھیلی وغیرہ بنائے۔ معلوم ہوا کہ قربانی کے چمڑے کا وہ حکم نہیں جو زکاۃ اور صدقۂ فطر کا ہے کہ چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں اور اگر صدقہ کرے تو اس میں تملیک شرط نہیں ہے اور زکاۃ وغیرہ میں تملیک شرط ہے اسی لئے زکاۃ کو تعمیر مسجد یا حفاظت قبرستان میں صرف کرنا جائز نہیں۔ کما صرح فی کتب الفقہ۔ اور چرم قربانی کو حفاظت قبرستان میں صرف کرنا جائز ہے اور یہی حکم عقیقہ کی کھال کا بھی ہے۔ البتہ اگر چرم قربانی کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کی نیت سے بیچا تو اب اس کا پیسہ حفاظت قبرستان میں خرچ کرنا جائز نہیں کہ اس صورت میں اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور صدقۂ واجبہ میں تملیک شرط ہے۔ کفایہ میں ہے: اذ تموّلھا بالبیع وجب التصدق کذا فی الایضاح اھ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عبدالحمید ساکن بشنپور ٹنٹواں۔ پچپڑوا۔ ضلع گونڈہ

چرم قربانی کی قیمت سے مسجد کا کوئی حصہ تعمیر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ زید کا قول ہے کہ چرم قربانی کی قیمت سے مسجد کو تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ زید دلیل میں بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۱۴۴ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے: ''قربانی کا چمڑا اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی نیک کام کے لئے دیدے مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ کو دے دے یا کسی فقیر کو دے دے''۔ اس عبارت میں کسی قسم کی تشریح قیمت وغیرہ کی نہیں ہے تو مسجد میں چرم کس صورت میں صرف ہوسکتا ہے؟ مفصل ومدلل مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمانے کی زحمت کریں۔ بینوا توجروا

الجواب: قربانی کا چمڑا صدقہ کرنا واجب نہیں۔ اسی لئے فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی جائز کام میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اس کا مصلی بنائے یا چھلنی اور مشکیزہ وغیرہ بنائے یا کتابوں کی جلدوں وغیرہ میں لگائے یہ سب جائز ہے۔ فتح القدیر جلد ہشتم ص ۴۳۷ میں ہے: الانتفاع بنفس جلد الاضحیہ غیر محرم اھ یعنی قربانی کے چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے اسے کام میں لانا حرام نہیں ہے اور درمختار مع شامی جلد خامس ص ۲۰۹ میں ہے: یتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو اھ۔ یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کردے یا چھلنی، تھیلی، مشکیزہ، دسترخوان اور ڈول وغیرہ بنائے اور فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص ۲۶۵ میں ہے: یتصدق بجلدھا او یعمل منھا نحو غربال وجراب اھ۔ یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کرے یا چھلنی اور تھیلی وغیرہ بنائے اور فتاویٰ قاضی خاں جلد ثالث مع ہندیہ ص ۳۸۷ میں ہے: لاباس بان یتخذ من جلد الاضحیۃ فروا او بساطا او متکا یجلس علیہ اھ۔ یعنی قربانی کے چمڑے کا لباس، بستر یا بیٹھنے کے لئے تکیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں اور فتاویٰ بزازیہ جلد سوم مع ہندیہ ص ۲۷۹ میں ہے:

یجوز الانتفاع بجلدھا بان یتخذ فراشا اوفروا اوجرابا او غربالا اھ۔ یعنی قربانی کے چمڑے کو اپنے کام میں لانا جائز ہے کہ بستر بنائے یا پوستین، تھیلی اور چھلنی بنائے بلکہ قربانی کے چمڑے کو ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے کہ جس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کام میں لائے جیسے چھلنی، مشکیزہ اور کتاب وغیرہ البتہ کسی ایسی چیز سے نہیں بدل سکتا کہ جس کو ختم کر کے فائدہ حاصل کرے مثلاً چاول، گیہوں اور گوشت وغیرہ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ جلد پنجم مصری ص ۲۶۵ میں ہے: لاباس بان یشتری به مالا ینتفع به الابعد الا ستھلاك نحواللحم والطعام اھ۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: لاباس بان ینتفع باھاب الا ضحیة او یشتری بھا الغربال والمنخل اھ۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: له ان یشتری متاع البیت کالجراب والغربال والخف لا الخل والزیت واللحم اھ۔ ان حوالہ جات سے خوب ظاہر ہو گیا کہ قربانی کی چمڑے کا وہ حکم نہیں ہے جو زکوٰۃ، عشر اور صدقۂ فطر کا ہے کہ چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں اور اگر صدقہ کرے تو اس میں تملیک شرط نہیں اور زکاۃ وغیرہ میں تملیک شرط ہے اسی لئے زکاۃ کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں۔ کما صرح فی الکتب الفقھة اور چرم قربانی کو مسجد یا اس کے مینارے وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے خواہ متولی مسجد کو چمڑا دے کہ وہ بیچ کر مسجد کی تعمیر پر صرف کرے یا مسجد میں صرف کرنے کی نیت سے بیچ کر اس کی قیمت دے ہر طرح جائز ہے اور بہار شریعت کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔ فتاویٰ ہندیہ جلد ۵، ص ۲۶۵ میں ہے: لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین وھکذا فی الھدایة والکافی اھ۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: له ان یبیعھا بالدراھم لیتصدق بھا اھ۔ اور فتاویٰ خانیہ میں ہے: ان باعه بدراھم او فلوس یتصدق بثمنه فی قول اصحابنار حمھم الله تعالیٰ اھ اور جوہرہ نیرہ جلد ثانی ص ۲۵۵ میں ہے: فان باع الجلد اواللحم بالفلوس اوالدراھم اوالحنطة تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الی بدله اھ۔ اور حدیث شریف میں جو بیچنے کی ممانعت ہے اس سے مراد اپنے لئے بیچنا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایبیعه بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسه وعیاله اھ۔ یعنی اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لئے چمڑے کو بیچنا جائز نہیں۔ اور خانیہ میں ہے: لیس له ان یبع الجلد لینفق الثمن علی نفسه اوعیاله اھ۔ یعنی قربانی کے چمڑے کو اس لئے بیچنا کہ اس کی قیمت اپنی ذات پر یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے گا جائز نہیں اور اگر اپنی ذات پر صرف کرنے کی نیت سے بیچا تو اس کی قیمت کو مسجد یا مدرسہ کی تعمیر پر صرف کرنا جائز نہیں کہ اب اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور صدقۂ واجبہ میں تملیک شرط ہے کفایہ میں ہے: اذا تمولھا بالبیع وجب التصدق کذا فی الایضاح ۱۲ ھذا ما ظھر لی والعلم عندالمولیٰ تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ جل جلاله ووصلی المولیٰ تعالیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از ابرار احمد شمسی معین الاسلام دار العلوم اہلسنت پرانی بستی

زکاۃ یا چرم قربانی کا پیسہ مسلمانوں کے عام قبرستانوں کی چہار دیواری یا دوسری ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز چکبندی میں گورنمنٹ کی طرف سے قبرستان کے لئے عطا کی ہوئی زمین جو بالکل خالی پڑی ہے اس کی چہار دیواری کے لئے چرم قربانی کے پیسے تصرف میں لائے جا سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب: زکاۃ کی رقم قبرستان کی دیوار یا مسجد اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ زکاۃ میں تملیک شرط ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایجوزان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیک فیہ کذا فی التبیین ملخصًا۔ اگر زکاۃ کی رقم ان چیزوں کی تعمیر میں صرف کرنا چاہیں تو کسی غریب آدمی کو دے دیں پھر وہ اپنی طرف سے ان چیزوں کی تعمیر پر صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا۔ ھٰکذا قال صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہار شریعت ناقلا عن ردالمحتار۔ اور چرم قربانی کو قدیم وجدید قبرستان کی دیوار یا مسجد اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کر سکتے ہیں کہ اس کی تملیک اور صدقہ واجب نہیں بلکہ چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے اسے اپنے کام میں بھی لا سکتا ہے مثلاً اس کی جانماز، چھلنی، مشکیزہ، دسترخوان اور ڈول وغیرہ بنائے یا کتابوں کی جلدوں میں لگائے یہ سب کر سکتا ہے (بہار شریعت جلد ۱۵، ص ۱۴۴) اور درمختار میں ہے: یتصدق بجلدھا اویعمل منہا نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلوا ھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از اللہ بخش پنچیڑ ضلع رتلام (ایم پی)

پانچوں وقت با جماعت نماز پڑھنے کے بعد مسلمانوں کا آپس میں مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: مصافحہ کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور نماز باجماعت کے بعد بلاشبہ جائز ہے۔ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء میں ہے: تجوز المصافحۃ ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ ملخصًا بقدر الضرورۃ۔ یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے۔ اور فقہاء نے جو اسے بدعت فرمایا تو وہ بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ امام نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: قال اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلاۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لاباس بہ۔ قال الشیخ ابوالحسن البکری وتقیید بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوٰۃ کلھا کذالک ملخصًا بقدر الضرورۃ۔ (شامی جلد پنجم، ص ۲۵۲) یعنی امام نووی نے فرمایا کہ ہر ملاقات کے بعد مصافحہ کرنا سنت ہے اور فجر و عصر کے بعد جو مصافحہ کا رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

کہ صبح اور عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے جو امام نووی کے زمانے میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے یعنی جائز ہے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ربیع النور ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از حافظ لئیق احمد انصاری۔ رائے بریلی

(۱)...... وسیلہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

(۲)...... بزرگان دین کے وصال کے بعد ان کے مزارات یا ان کی ذوات سے توسل کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا طریقہ بتایا ہے؟ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد صحابۂ کرام آپ کے روضۂ اقدس سے کس طرح توسل کرتے رہے؟

(۳)...... زید جو عالم دین ہے نے دوران تقریر کہا کہ غیر اللہ سے استمداد جائز ہے تو کیا قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل ہے۔ نیز اللہ ورسول نے اس کا حکم فرمایا ہے یا نہیں؟

الجواب: وسیلہ بالاعمال فرض ہے یعنی ایسے اعمال کو اختیار کرنا جس سے خدا تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو بندوں پر فرض ہے اور وسیلہ بالذوات جائز ومستحسن ہے اس لئے کہ وسیلہ اس عمل یا ذات کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے جیسا کہ پ ۶ ع ۱۰ کی آیت کریمہ: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کے تحت تفسیر کشاف میں ہے: وھی شاملۃ للذوات والاعمال لان الوسیلۃ کل مایتوسل بہ ای یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ من قرابۃ اوضیعۃ او غیر ذلک اھ۔

(۲)...... بزرگان دین کے مزارات اور ان کی ذوات سے وسیلہ جائز ہے اور جائز کام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بتانا ضروری نہیں۔ مسلمانوں کو اختیار ہے وہ جائز طریقہ پر جس طرح بھی چاہیں ان کو وسیلہ بنائیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اداروں کے جشن منانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا تو ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیوبند کے بڑے بڑے مولویوں نے اپنے دارالعلوم کا جس طرح چاہا جشن منایا بلکہ اس کا آغاز ایک کافرہ عورت سے کرایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور کے روضۂ اقدس سے مختلف طریقے پر توسل کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال قحط اھل مدینۃ قحطا شدیدا فشکوا الی عائشۃ فقالت انظروا قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاجعلوا منہ کوی الی السماء حتی لایکون بینہ وبین السماء سقف ففعلوا مطروا مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی لفتقت من الشحم فسمی عام الفتق۔ یعنی حضرت ابوجوزاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب چھت میں سوراخ کر دو یہاں تک کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس زور کی بارش ہوئی کہ خوب سبزہ اگا اور اونٹ فربہ ہو گئے یہاں تک کہ ان کی چربی پھٹی پڑتی تھی تو اس سال کو خوشحالی کا سال کہا جانے لگا (دارمی۔ مشکوٰۃ ص ۵۴۵) حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ آج کل قحط کے وقت اہل مدینہ کا طریقہ یہ ہے حجرہ شریف کے گرد جو مقصورہ ہے اس کا وہ دروازہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے سامنے ہے کھول دیتے ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں۔ (وفاء الوفاء جلد اول ص ۳۹۸) اور امام بیہقی وابن ابی شیبہ نے مالک الدار سے روایت کی ہے: اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل (بلال بن حارث المزنی الصحابی) الی قبر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یارسول اللّٰہ استسق اللّٰہ لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام فقال ائت عمر فاقراه السلام واخبرهم انهم سیسقون. یعنی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک مرتبہ قحط پڑا تو ایک صحابی یعنی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے مزار اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگئے کہ وہ ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ عمر کو جا کر سلام کہو اور لوگوں کو خبر کر دو کہ جلد پانی برسنے والا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرۃ العینین میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ رواہ عمر فی الاستیعاب اور امام قسطلانی نے مواہب میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳)...... زید نے صحیح کہا۔ بے شک غیر اللہ سے استمداد جائز ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے ایشاں در حیات خود یا بیشتر شیخ معروف کرخی وشیخ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را از اولیاء شمردہ ومقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ ویافتہ ست گفتہ وسیدی احمد بن مرزوق کہ از عاظم فقہاء وعلماء ومشائخ دیار مغرب ست گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی اقوی ست یا امداد میت من بگفتم قومے می گویند کہ امداد حی قوی ترست ومن می گویم کہ امداد میت قوی ترست پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق ست ودر حضرت اوست ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازیں ست کہ حصر واحصا کردہ شود ویافتہ نمی شود در کتاب وسنت واقوال سلف وصالح کہ منافی ومخالف ایں باشد ورد کند ایں را۔ یعنی حجۃ الاسلام حضرت محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس سے زندگی میں مدد طلب کی جاتی ہے اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ مشائخ میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے بزرگوں میں سے چار شخصوں کو دیکھا کہ وہ اپنی قبروں میں ویسے ہی تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں یا کچھ زیادہ۔ شیخ معروف کرخی وشیخ عبدالقادر جیلانی اور دو دوسرے حضرات کو اور مقصود حصر نہیں ہے جو خود دیکھا اور پایا کہا اور

سیدی احمد بن مرزوق جو عظماء فقہاء وعلماء ومشائخ مغرب میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا فوت شدہ کی۔ میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ قوی ہے تو شیخ ابو العباس نے فرمایا: ہاں اس لئے کہ وہ بارگاہ حق میں ہیں اور اس کے حضور میں اور اس گروہ سے اس معنی کی نقل حصر واحصا کی حد سے باہر ہے اور کتاب وسنت نیز اقوال سلف میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے منافی ہو۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۱۶) اور جب کتاب وسنت میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو غیر اللہ سے استمداد کے منافی ہو تو یہی قرآن وحدیث سے اسکے جواز کی اصل ہے۔ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: الحلال ما احل اللہ فی کتابه والحرام ما حرم اللہ فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه. یعنی حلال وہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس کا کچھ نہیں ذکر فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة۔ یعنی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة اوالکراهة الذین لا بدلهما من دلیل بل فی الاباحة التی هی الاصل. یعنی یہ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا تعالیٰ پر افتراء کیا جائے کہ حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے اس لئے کہ اصل وہی ہے اور جائز ہونے کے لئے اللہ ورسول کا حکم فرمانا ضروری نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا۔ اسی لئے مسلمانوں میں بیشمار چیزیں ایسی رائج ہیں کہ جن کا اللہ ورسول نے حکم نہیں فرمایا۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد عبد الوارث اشرفی الیکٹرک دکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

جو لوگ وعظ کہنے یا نعت شریف پڑھنے کے لئے جلسوں میں جاتے ہیں اور روپے پاتے ہیں تو یہ آمدنی ان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں تین صورتیں ہیں۔ اگر وعظ کہنے اور حمد ونعت پڑھنے سے مقصود یہی ہے کہ لوگوں سے کچھ مال حاصل کریں تو بیشک اس آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہیں اور حکم لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (پ۱ ع۵) کے مخالف۔ وہ آمدنی ان کے حق میں خبیث ہے خصوصاً جبکہ ایسے حاجت

مدنہ ہوں جن کو سوال کی اجازت ہے کہ اب تو بے ضرورت دوسرا سوال حرام ہوگا اور وہ آمدنی خبیث تر وحرام مثل غصب ہے عالمگیریہ میں ہے: ماجمع السائل بالتکدی فھو خبیث۔ دوسرے یہ کہ وعظ اور حمد ونعت سے ان کا مقصود محض اللہ ہے اور مسلمان بطور خود ان کی خدمت کریں تو یہ جائز ہے اور وہ مال حلال۔ تیسرے یہ کہ وعظ سے مقصود تو اللہ ہی ہو مگر ہے حاجت مند اور عادۃً معلوم ہے کہ لوگ خدمت کریں گے اس خدمت کی طمع بھی ساتھ لگی ہوئی ہے تو اگرچہ یہ صورت دوم کے مثل محمود نہیں مگر صورت اولی کی طرح مذموم بھی نہیں جیسا کہ درمختار میں فرمایا: الوعظ لجمع المال من ضلالۃ الیھود والنصاری۔ یعنی مال جمع کرنے کے لئے وعظ کہنا یہود ونصاریٰ کی گمراہیوں سے ہے۔ یہ تیسری صورت بین بین ہے اور دوم سے بہ نسبت اول کے قریب تر ہے جس طرح حج کو جائے اور تجارت کا کچھ مال بھی ساتھ لے جائے جیسے (پ ۲ ع ۹ میں) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فرمایا...... لہٰذا فتویٰ اس کے جواز پر ہے افتی بہ الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی الخانیۃ والھندیۃ وغیرھما والذی ذکرتہ توفیق بین القولین وباللہ التوفیق (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۳۹۰) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حبیب قبلہ جناب مولانا نعمانی صاحب مدظلہٗ سلام مسنون

مزاج گرامی! میں آپ کی علمی وادبی صلاحیتوں کا معترف ہوں لہٰذا از راہ کرم بروئے شریعت آگاہ فرمائیں کہ مومنات خواص وعوام دونوں تکمیل مسرت کے لئے شادی کی تقریبات میں نغمہ سرائی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے بعض حلقے اس عمل کو معصیت کفر وشرک اور بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ اس کا جواز موجود ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مداخلت کے باوجود شادی (عید) کے موقع پر لڑکیوں کو دف بجا کر گانے کی اجازت دی ہے۔ صرف اس قدر نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھ کر سماعت فرمایا۔ اس حدیث کو اور اس کے راوی کو آپ صحیح اور مستند تسلیم فرماتے ہیں یا نہیں؟ خواتین زیادہ تر امیر خسرو کے نغمے گاتی اور یہی نغمے عرس کے موقع پر قوال ساز پر گاتے ہیں، اجمیر شریف پھلواری اور متعدد مقامات پر میں نے خود سنا ہے۔ ایسی حالت میں خواتین پر کس حد تک پابندی لگائی جاسکتی ہے اور شریعت انہیں کس حد تک اجازت دیتی ہے۔ آپ از راہ کرم واضح اور شافی جواب دیں تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں۔

محتاج کرم حبیب

حضرت مفتی دار العلوم فیض الرسول سے گزارش ہے کہ اس استفتاء کا جواب باصواب تحریر فرما کر کرم فرمائیں۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری خادم دار العلوم غوثیہ نظامیہ جمشید پور

الجواب: بیشک عورتوں کو شادی وغیرہ کسی بھی تقریب میں گانا معصیت ہے ہرگز جائز نہیں کہ ان کا گانا آواز کے ساتھ ہوتا ہے اور فتنہ ہے یہاں تک کہ اسی فتنے کے سبب ان کو اذان بھی کہنا جائز نہیں۔ بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۳ میں۔

اما اذان المرأة فلانها منهية عن رفع صوتها لانها يؤدى الى الفتنة اور گانے میں عموماً وصال ہجر کے اشعار ہوتے ہیں اور ایسا گانا بہر حال برا ہے کہ وہ زنا کا منتر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: الغناء رقية الزنا وهو مروى عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۲۴۹) لیکن جو لوگ کہ عورتوں کے گانے کو کفر و شرک کہتے ہیں وہ کھلی ہوئی غلطی پر ہیں اور جو لوگ کہ اس کا جواز حدیث شریف سے ثابت مانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اس لئے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب اعلان النکاح کی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ لڑکیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دف بجا کر گایا اس کی شرح میں امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تلك البنات لم يكن بالغات حد الشهوة یعنی دف بجا کر گانے والی لڑکیاں حد شہوت کو پہنچی ہوئی نہیں تھیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳، ص ۴۱۹) کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دف کے ساتھ لڑکیوں کا گانا سن رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ اقدس پر کپڑا ڈالے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے لڑکیوں کو گانے سے منع کیا تو حضور نے فرمایا: دعهما يا ابابكر فانها ايام عيد۔ یعنی اے ابوبکر! لڑکیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ عید کا دن ہے۔ اس حدیث شریف کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ عندها جاريتان کے تحت فرماتے ہیں: اى بنتان صغيرتان۔ یعنی دف بجا کر گانے والی دو چھوٹی بچیاں تھیں (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۲۴۹) اور حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: دو دخترک بودند از دخترگان انصار۔ یعنی دف بجانے اور گانے والی انصار کی لڑکیوں میں سے دو چھوٹی لڑکیاں تھیں۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول، ص ۵۹۹) اور چھوٹی لڑکیاں غیر مکلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کے گانے سے عورتوں کے گانے کا جواز ثابت کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے اور جبکہ فتنہ کے سبب عورتوں کو اذان کہنا جائز نہیں تو انہیں امیر خسرو وغیرہ کے نغمے گانا کیوں کر جائز ہوگا اور قوال وغیرہ کا اچھے سے اچھے اشعار کے ساتھ بھی ساز کا ملانا حرام ہے جیسا کہ حضرت محبوب الٰہی سیدنا نظام الدین سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام ست۔ اور مزامیر جبکہ حرام و ناجائز ہے تو وہ ہر جگہ حرام و ناجائز رہے گا۔ چاہے اجمیر شریف میں ہو یا مکہ معظمہ میں۔ خواتین کو گانا گانے کے لئے پوری طرح پر پابندی ہے ان کو کسی بھی درجہ میں گانے کی اجازت دینا فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سید نصیر اللہ قادری مدرسہ اشاعت الاسلام محمد ڈیہہ پوسٹ رہرا بازار ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں جس طرح تعزیہ داری کا عام رواج ہے کہ حضرت امام حسین کے روضے کے نام پر مندر کی شکل بناتے ہیں اور اس کو رکھ کر ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں یہ ناجائز ہے اور بکر کہتا ہے کہ ڈھول تاشہ وغیرہ بجانا جائز ہے۔ تعزیہ داری کو ناجائز اور مندر کی شکل بتانے والا سنی نہیں ہے بد دین ہے تو ان میں حق پر کون ہے؟

الجواب: زید حق پر ہے بیشک ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری ناجائز و حرام ہے اور بیشک عام طور پر تعزیہ دار حضرت امام حسین کے روضہ کا نقشہ نہیں بناتے بلکہ مندر کی شکل کا ڈھانچہ بنا کر اس کو اپنی بیوقوفی سے امام حسین کے روضہ کا نقشہ سمجھتے ہیں اور بیشک ڈھول وغیرہ جیسا کہ محرم میں عموماً بجاتے ہیں حرام و ناجائز ہے۔

اور بکر جاہل گنوار ہے جو ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری اور ڈھول تاشہ وغیرہ بجانے کو جائز سمجھتا ہے اور اگر اس نے واقعی مروجہ تعزیہ داری کو ناجائز بتانے والے کو غیر سنی اور بددین کہا تو اس پر توبہ لازم ہے کہ علمائے اہلسنت نے مروجہ تعزیہ داری کو ناجائز قرار دیا ہے یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ تعزیہ داری میں ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری کو ناجائز و حرام اور بدعت سیئہ لکھا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ عزیزیہ جلد اوّل ص ۷۵ پر تحریر فرماتے ہیں: ''تعزیہ داری ہم چوں مبتدعان می کنند بدعت ست وہم چنیں ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم وغیرہ ایں ہمہ بدعت ست وظاہر ست کہ بدعت حسنہ کو دراں ماخوذ نہ باشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است۔ اور حافظ ملت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ مروجہ تعزیہ داری ڈھول تاشا باجا وغیرہ یزیدیوں کی نقل اور رافضیوں کا طریقہ ہے یہ ناجائز و حرام ہے۔ (تحریر ۳ رجب ۸۸ھ) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد شوکت علی صدر بزم قادری موضع کمہریا۔

وارانسی علماء اور مشائخ کی دست بوسی کرنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز و حرام کہتے ہیں۔

الجواب: علماء اور مشائخ کی دست بوسی کرنا جائز ہے اسے ناجائز و حرام کہنا جہالت ہے۔ درمختار باب استبراء میں ہے: لاباس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک۔ یعنی برکت کے لئے عالم اور پرہیزگار آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے اور اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۲۱ پر ہے: بوسہ دادن دست عالم متورع را جائز ست۔ بعضے گفتہ اند مستحب ست۔ یعنی پرہیزگار عالم کا ہاتھ چومنا جائز ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ مستحب ہے یہاں تک کہ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب الحظر والاباحۃ ص ۵۴ میں لکھتے ہیں: تعظیم دین دار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس مسئلہ پر مزید حوالہ جاننے کے لئے رسالہ ''محققانہ فیصلہ'' کا مطالعہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از جمیل احمد متعلم مدرسہ حنفیہ غوثیہ کان پور

نسبندی کیا ہوا شخص اذان دے سکتا ہے کہ نہیں؟ امام کے پیچھے کھڑا ہو سکتا کہ نہیں؟ امام کو لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر امام نے لقمہ لیا تو نماز ہو گی یا نہیں؟ چاند یا دیگر شرعی گواہیاں دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نسبندی کیا ہوا شخص بعد توبہ اذان دے سکتا ہے امام کے پیچھے اگلی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ امام کو لقمہ دے سکتا ہے اور چاند وغیرہ کی شرعی گواہیاں بھی دے سکتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو۔ حدیث میں: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ اور شراب پینے والے چوری کرنے والے زنا کرنے والے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے اور اسی قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ کا مرتکب جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اگر بعد توبہ اذان وغیرہ دے سکتے ہیں تو نسبندی کے گناہ کا مرتکب بدرجۂ اولیٰ ان کاموں کو انجام دے سکتا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از غلام رب موضع ڈھلھو پور پوسٹ سلیم پور۔ ضلع بستی

تعزیہ داری کرنا اور باجا بجانا کیا ہے؟ اور تعزیہ دار بدعتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تعزیہ داری کرنا جیسا کہ آج کل عام طور پر ہندوستان میں رائج ہے اور باجا بجانا حرام و ناجائز بدعت سیئہ ہے اور تعزیہ دار بدعتی ہے جیسا کہ پیشوائے اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ بہ القوی اپنے رسالہ مبارکہ ''اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان الشھادۃ'' ص ۴ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں: اب کہ تعزیہ داری طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ملک شوکت علی اے ڈیومہوا خرد پوسٹ دھو بہا۔ بستی

زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد بیوی کو شوہر نہ ہاتھ لگا سکتا ہے۔ نہ دیکھ سکتا ہے نہ جنازہ اٹھا سکتا ہے اور نہ قبر میں اتار سکتا ہے اس لئے کہ وہ مرنے کے بعد نکاح سے خارج ہو جاتی ہے تو زید کی باتیں کہاں تک صحیح ہیں؟

الجواب: مرنے کے بعد عورت نکاح سے ضرور خارج ہو جاتی ہے لیکن شوہر اسے دیکھ سکتا ہے جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے البتہ بلا حائل اس کے بدن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے۔ لہٰذا زید کی سب باتیں صحیح نہیں۔ درمختار مع شامی جلد اول ص ۵۷۵ میں ہے: یمنع زوجھا من غسلھا ومسھالا من النظر الیھا علی الاصح. اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ شوہر عورت کے جنازہ کو نہ کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے نہ منہ دیکھ سکتا ہے یہ محض غلط ہے صرف نہلانے اور اس کے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۵) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
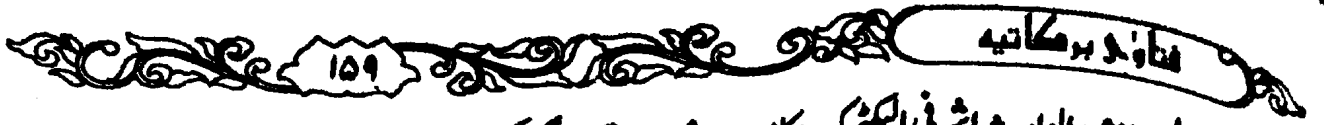
مسئلہ: از عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

ہندی اور انگریزی تعلیم مسلمانوں کو حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دینی تعلیم کے علاوہ دوسری ایسی تعلیم کہ جو دین کی ضروری تعلیم کے لئے رکاوٹ بنے مطلقاً حرام ہے چاہے وہ ہندی، انگریزی تعلیم ہو یا کوئی دوسری۔ اور ان باتوں کی تعلیم جو اسلامی عقیدے کے خلاف ہیں جیسے آسمان کے وجود کا انکار، شیطان و جن کے ہونے کا انکار، زمین کے چکر کاٹنے سے رات و دن ہونا، آسمان کا خرق والتیام محال ہونا یا اعادہ معدوم ناممکن ہونا وغیرہ تمام باطل عقیدے جو قدیم و جدید فلسفے میں ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہوں اور ایسی تعلیم بھی جائز نہیں کہ جس میں نیچریوں، دہریوں کی صحبت رہے ان کا اثر پڑے دین کی گرہ کھل جائے یا سست ہو اور اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کے بعد ریاضی و ہندسہ اور حساب و جغرافیہ وغیرہ سیکھنے کی ممانعت نہیں خواہ وہ کسی زبان میں ہوں اور ہندی انگریزی نفس زبان سیکھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ ھٰکذا فی الجزء العاشر من الفتاویٰ الرضویہ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از فقیر محمد قاری موضع پرری نئی بستی۔ اترولہ۔ ضلع گونڈہ

پردہ سے غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عورتوں کو چوڑی پہننا کیسا ہے؟

الجواب: بلا پردہ ہو یا پردہ سے بہر صورت غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عورتوں کو چوڑی پہننا ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حرام حرام حرام ہے۔ ہاتھ دکھانا غیر مرد کو حرام ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا حرام ہے جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ اسے جائز رکھتے ہیں دیوث ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۲۰۸) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ڈاکٹر عثمانی

عورت کا حمل ساقط کرنا کیسا ہے؟

الجواب: چار مہینہ میں جان پڑ جاتی ہے اور جان پڑ جانے کے بعد حمل ساقط کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا گویا کہ قاتل ہے اور جان پڑنے سے پہلے اگر ضرورت ہو تو حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۱۵۱، ص ۲۶۰) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دکان مدینہ مسجد ریتی روڈ شہر گورکھپور۔ یوپی

ساس اپنے داماد سے اور بہو اپنے خسر سے پردہ کرے یا نہیں؟

الجواب: جوان ساس کو اپنے داماد سے پردہ مناسب ہے یہی حکم خسر اور بہو کا بھی ہے۔ ھٰکذا فی الجزء العاشر من الفتاویٰ الرضویہ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از اوج محمد چھاؤنی بازار ضلع بستی

لڑکیوں سے لکھوانا شرع میں کیسا ہے اور لڑکیوں کو لکھنا سکھانے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکیوں کو لکھنا سکھانا منع ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن المغزل وسورۃ النور. یعنی عورتوں کو کوٹھوں پر نہ رکھو اور انہیں نہ لکھنا نہ سکھاؤ۔ انہیں چرخا کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور پڑھاؤ (بیہقی شریف) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ لا تسکنوا نساء کم الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ۔ یعنی اپنی عورتوں کو بالا خانہ پر نہ رکھو اور نہ انہیں لکھنا سکھاؤ۔ (ترمذی شریف) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: لا تعلموا نساء کم الکتابۃ ولا تسکنوھن العلالی۔ یعنی اپنی عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ اور نہ انہیں کوٹھوں پر ٹھہراؤ (ابن عدی وابن حبان) لہٰذا لڑکیوں کو لکھنا سکھانے والے فعل ممنوع کے مرتکب ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے پرہیز کریں اور حدیث شریف کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ہردوئی عورت جیٹھ۔ دیور اور خسر سے پردہ کرے یا نہیں؟

الجواب: جیٹھ اور دیور سے پردہ واجب ہے کہ وہ نامحرم ہیں اور خسر سے پردہ واجب نہیں جائز ہے۔ اس کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نامحرموں سے پردہ مطلقاً واجب ہے اور محارم غیر نسبی جیسے کہ مصاہرت اور رضاعت کا رشتہ تو ان سے پردہ کرنا اور نہ کرنا جائز ہے۔ مصلحت اور حالت کا لحاظ ہوگا۔ اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ کرنا مناسب ہے یہی حکم خسر اور بہو کا ہے اور جہاں فتنہ کا گمان ہو پردہ واجب ہو جائے گا۔ ھٰکذا فی الجزء العاشر من الفتاویٰ الرضویہ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: حافظ عبدالواحد متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر یوپی

آج کل مسلک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے حامیوں سنی مسلمانوں کا دستور چل پڑا ہے کہ بعد نماز فجر وعصر اختتام جماعت کے بعد جھوم جھوم کر بلند آوازوں سے سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں کہیں بعض جگہ پر لاؤڈ سپیکر کا بھی استعمال ہوتا ہے کچھ مقتدی یا مسلمان جنہیں جماعت نہیں ملتی ہے وہ اپنی نمازیں آ کر پڑھتے ہیں صلاۃ وسلام کی آواز کی بنا پر مسجد گونج اٹھتی ہے ایسے نمازی اپنی نمازیں صحیح طور پر نہیں ادا کر پاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاویٰ جلد سوم ص ۵۹۶، ۵۹۷ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر صلوٰۃ وسلام زور سے پڑھنے سے منع کیا جائے۔ صورت مستفسرہ میں جو شرعاً حکم ہو تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

الجواب: اہلسنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کے حامیوں میں آج کل عام طور پر جو یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ فجر وعصر کی جماعت کے بعد بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں بیشک یہ غلط ہے اس لئے کہ اس کے سبب بعد میں آنے والے لوگ بھول جاتے ہیں ان کے خیالات بدل جاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتے ہیں لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس طرح صلاۃ وسلام ہرگز نہ پڑھیں اور مخصوص لوگوں پر واجب ہے کہ یہ طریقہ بند کرائیں اگر قدرت کے باوجود ایسا نہیں کریں گے گنہگار ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے: ان الناس اذا راوا منکرا فلم یغیرہ یوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ۔ یعنی لوگ جب کوئی ناجائز کام دیکھیں اور اس کو نہ مٹائیں تو عنقریب خدا تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۳۶) اگر لوگ بعد نماز درود وسلام کی برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو الگ الگ آہستہ پڑھیں۔

ھذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہ جل مجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالرحمٰن موضع مرسٹھوا گنیش پور ضلع بستی

نظم میں نورنامہ نام کی ایک کتاب عوام میں بہت مقبول ہے۔ خاص کر عورتیں ایسے بہت پڑھتی ہیں تو اس کتاب میں جو روایت لکھی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: نورنامہ مذکور میں جو روایت لکھی ہوتی ہے وہ بے اصل ہے اس کتاب کا پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''رسالہ منظوم ہندیہ بنام نورنامہ مشہور ست روایتش بے اصل ست خواندنش روا نیست چہ جائے ثواب۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۱۵۵) وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از قاضی اطیعوا الحق عثمانی رضوی۔ علاء الدین پور سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ۔ یو۔ پی

سونے چاندی کے دانت بنوانا یا ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے یا چاندی کے تار سے بندھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چاندی کا دانت بنوانا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز ہے اور سونے کا بنوانا جائز نہیں۔ شامی جلد پنجم مصری ص ۲۳۹ میں تاتارخانیہ سے ہے کہ اذا سقط سنة فاراد ان یتخذ سنا اخر فعندالامام یتخذ ذلك من الفضة فقط وعند محمد من الذهب ایضا اھ۔ اور ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے چاندی سے بندھوانا جائز ہے (بہار شریعت) اور فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ۲۹۵ میں ہے: ذکر الحاکم فی المنتقی لو تحرکت سن رجل وخاف سقوطها تشدها بالذهب اور بالفضة لم یکن به باس عندابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ وهوسبحانه وتعالیٰ واعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولوی فخر الحسن حیدر پور اوجھا گنج۔ ضلع بستی

ایک شخص نے ایک مرتبہ شراب پی لی تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حدیث شریف میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شراب پئے گا اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا پھر اگر پئے گا تو چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی اس سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا پھر اگر چوتھی مرتبہ پئے گا تو چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اب اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں فرمائے گا۔ (ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ، ص ۳۱۷) شخص مذکور کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے یعنی اس کو اسی کوڑے مارے جائیں۔ مگر یہ کام حکومت اسلامیہ کا ہے لہٰذا موجودہ صورت میں صرف دل سے توبہ واستغفار کرے۔ اگر اس کا شراب پینا لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا ہے تو پوشیدہ طور پر توبہ کرے کہ گناہ کا ظاہر کرنا بھی گناہ ہے اور کھلم کھلا شراب پی ہے تو علانیہ توبہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا عملت سیئة فاحدث عندها توبة السربا لسر والعلانیة بالعلانیة۔ یعنی جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر۔ خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ هذا ماعندی وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از احمد علی اشرفی، مدنپورہ، بمبئی ۸

سنا گیا ہے بلکہ ایک کتاب میں لکھا ہوا بھی دیکھا گیا ہے کہ دارالعلوم فیض الرسول کے بانی شاہ یار علی صاحب نے اپنی مسجد کی تعمیر میں کسی فاسق وفاجر معمار کو کام نہیں کرنے دیا اس کے سارے کاریگر نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے پابند تھے۔ پھر حاجی محمد یوسف سیٹھ ناناپاروی نے اسی اہتمام سے آپ کا روضہ بھی بنوایا۔ تو کیا شرع کی رو سے مسجد اور بزرگوں کا روضہ بنانے والوں کا

غیر فاسق اور نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کا پابند ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: آستانہ فیض الرسول کے ذمہ داران بلکہ خود حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ سنا گیا ہے کہ مسجد فیض الرسول کی تعمیر میں کسی فاسق وفاجر معمار کو کام نہیں کرنے دیا گیا۔ اس کے سارے کاریگر زمانۂ تعمیر میں نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے پابند تھے لیکن سیٹھ محمد یوسف نانپاروی (جن کو سوال میں حاجی لکھا گیا حالانکہ ابھی وہ اس نعمت سے مشرف نہ ہوئے ان) کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا روضہ بھی اسی اہتمام سے بنوایا۔ اس لئے کہ اس کی تعمیر میں فاسق وفاجر بلکہ کافروں نے بھی کام کیا ہے۔ رہا آپ کے سوال کا جواب تو عندالشرع مسجد اور بزرگوں کا روضہ بنانے والوں کا غیر فاسق اور نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کا پابند ہونا بہتر ہے ضروری نہیں۔ ھذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

مسئلہ: از سید تنویر ہاشمی درگاہ حضرت ہاشم دستگیر علیہ الرحمہ بیجاپور (کرناٹک)

غیر مقلدین جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام وکلام کرنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے یہاں شادی بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ وہ اولیاء اللہ وبزرگان دین کہ جن کا نقش قدم راہ خدا وصراط مستقیم ہے ان کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اس لئے کہ سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے جتنے مشائخ کرام وبزرگان دین ہوئے ہیں سب کے سب چاروں اماموں میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کر کے ضرور مقلد ہوئے ہیں اور اس فرقہ کے لوگ تقلید کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اسی سبب سے سارے اولیاء کرام وبزرگان دین کو وہ بدمذہب سمجھتے ہیں اور ان کی شان میں توہین وبے ادبی کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک

اور اس نام نہاد اہل حدیث فرقے کا عقیدہ ہے کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ ان کے مذہب کی اہم کتاب تقویۃ الایمان مطبوعہ مطبع قیومی کانپور کے ص ۴۰ پر ہے۔ اسی کتاب کے ص ۴۲ پر ایک حدیث تحریر کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے افتراء کر کے یہ لکھ دیا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس تحریر کی بنیاد پر ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے۔ معاذ اللہ۔ اور اسی کتاب کے ص ۴۴ پر رسول کے لئے قوم کے چودھری کا درجہ بتایا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن اپنا وکیل اور سفارشی سمجھے اسی کتاب کے ص ۶ پر اسے ابوجہل کے برابر مشرک ٹھہرایا۔ اور کسی نبی یا ولی کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر کرنا، اور ان کے مزار پر شامیانہ کھڑا کرنا، روشنی کرنا، فرش بچھانا،

جھاڑ دو دینا' لوگوں کو پانی پلانا' ان کے لئے وضو اور غسل کا انتظام کرنا' ان ساری باتوں کو اسی کتاب تقویۃ الایمان کے ص ۷ ص ۸ پر شرک قرار دیا ہے اور اس فرقہ کی دوسری اہم کتاب "صراط مستقیم" فارسی کے ص ۸۶ پر نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کو زنا کے خیال اور گدھے و بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر قرار دیا ہے اور نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے والے کو مشرک ٹھہرایا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اسی طرح اس نام نہاد اہل حدیث فرقہ کے اور بہت سے باطل و فاسد عقیدے ہیں جن کے سبب فقہائے کرام نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت پیشوائے اہل سنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین زمانہ (جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں) بحکم فقہاء و تصریحات عامہ کتب فقہ کافر تھے ہی جس کا روشن بیان الکوکبۃ الشہابیۃ و رسالہ "سل السیوف" و رسالہ "النھی الاکید" وغیرہا میں ہے اور تجربہ نے ثابت کر دیا کہ وہ ضرور منکرین ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی و ہمراہ تو یقیناً قطعاً اجماعاً ان کے کفر و ارتداد میں شک نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۵)

لہٰذا نام نہاد اہل حدیث کے ساتھ کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا' سلام و کلام کرنا' ان کے پیچھے نماز پڑھنا' ان کے جنازہ میں شریک ہونا اور ان کے یہاں شادی بیان کرنا یعنی مسلمانوں جیسا ان کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا حرام و ناجائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتوھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ یعنی بدمذہب سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ اگر وہ مر جائیں تو انکے جنازہ میں شریک نہ ہو' ان سے ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو' ان کے پاس نہ بیٹھو' ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ' ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو' ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ یہ حدیث مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ' عقیلی اور ابن حبان کی روایات کا مجموعہ ہے۔ ھذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہ جلت عظمۃ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: سید محمد نسیم امام جامع مسجد کمبل شریف ضلع منگلور (کرناٹک)

شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ صالح العقیدہ بزرگ اور مشہور عالم دین تھے' ان کا لڑکا شیخ محمد بارہویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہوا۔ اس نے توہین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نئے فرقے کی بنیاد ڈالی۔ شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ شیخ محمد کے عقائد کی مخالفت کرتے رہے۔ غرض یہ ہے کہ شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سنی صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ توہین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ

نے کیا۔ ایسی صورت میں شیخ محمد کو یا اس کے ماننے والوں کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے۔ مع حوالہ آگاہ فرمائیں اور جو لوگ دوران تقریر میں یا دوران گفتگو میں کہہ جاتے ہیں کہ عبدالوہاب نے توہین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ان کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟ وہابی کہنے پر فرقہ دیوبندی وغیرہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نسبت ایسے بزرگ کی طرف ہے جو متبع سنت تھے تو ہین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ محمد نے کی تو فرقہ محمدی کہنا چاہئے نہ کہ وہابی خلاصہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

الجواب: بے شک حضرت عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان تھے اور ان کا بیٹا محمد گستاخ و بے ادب ہوا مگر چونکہ اس کا وہی نام ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے اس لئے وہ ابن عبدالوہاب کے ساتھ مشہور ہوا اور بکثرت استعمال کے سبب اختصار کے لئے لفظ ابن چھوڑ کر وہ صرف عبدالوہاب سے یاد کیا جانے لگا اس طرح عبدالوہاب اس کا دوسرا علم ہو گیا۔ اسی لئے خاتم المحققین حضرت ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اسے عبدالوہاب ہی سے یاد کیا ہے جیسا کہ وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ردالمحتار جلد سوم ص ۳۰۹ پر تحریر فرماتے ہیں: اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد۔ عبدالوہاب کے متبعین نجد سے نکلے۔ لہٰذا آج بھی اگر کوئی شخص محمد بن عبدالوہاب کو عبدالوہاب سے یاد کرے تو اسے مجرم نہیں قرار دیا جائیگا اور اس کا نام عبدالوہاب پڑ جانے ہی کی بنیاد پر اس کے جاری کئے ہوئے فرقہ کو وہابی کے نام سے یاد کیا جانے لگا مگر جس طرح حنفی، شافعی اور رضوی وغیرہ میں نسبت ملحوظ ہے۔ اس طرح وہابی میں نسبت ملحوظ نہیں بلکہ اب وہ نام ہے گستاخ رسول کا۔ جیسے کہ لوطی میں علیہ السلام کی طرف نسبت ملحوظ نہیں بلکہ وہ نام ہے لواطت کرنے والے کا۔ وہابی، دیوبندی ہٹ دھرم اور بے حیا۔ بقول اپنے اگر ایک متبع سنت کی طرف منسوب کرنے سے خوش ہوتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اللہ کے ایک نبی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف نسبت کے سبب لوطی کہنے پر بدرجۂ اولیٰ خوش ہوں۔ وصلی اللہ تعالی علیه وسلم علی النبی الکریم وعلیٰ اله وصحبه اجمعین

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: حاجی ثابت علی چرمری ضلع سرگجا (ایم پی)

زید نے اپنی عورت کے حمل ہونے کے بعد کہ مشین سے چیک کروانے میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ لڑکی ہے تو اسے گروا دیتے ہیں اور اگر لڑکا ہے تو اسے نہیں گرواتے ہیں۔ اس کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے گھر میں کھانا پینا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ جس کی پرورش میں دو لڑکیاں بالغ ہونے تک رہیں تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ بالکل پاس پاس ہوں گے۔ یہ کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ملا کر فرمایا کہ اس طرح (مسلم شریف، انوارالحدیث ص ۴۰۶) اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی پرورش

کرے پھر ان کو ادب سکھائے اور ان کے ساتھ مہربانی کرے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کو بے پروا کر دے (یعنی وہ بالغ ہو جائیں اور ان کا نکاح ہو جائے) تو پرورش کرنے والے پر اللہ تعالیٰ جنت کو واجب کر دے گا ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش پر کیا ثواب ہے؟ حضور نے فرمایا: دو کا بھی۔ یہی ثواب ہے (راوی کہتے ہیں) اگر صحابہ ایک بیٹی یا ایک بہن کے بارے میں پوچھتے تو ایک کے بارے میں بھی حضور یہی فرماتے (مشکوۃ شریف انوار الحدیث ص ۴۰۷) جو شخص لڑکیوں کا حمل گروا دیتا ہے اسے لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت والی مذکورہ بالا حدیثیں سنائی جائیں پھر اسے توبہ کرائی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا اس سے عہد لیا جائے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ کھانا' پینا اور سلام وکلام سب بند کر دیں اس لئے کہ اگر ایسے لوگوں پر سختی نہیں کی جائے گی تو دوسرے لوگ بھی لڑکیوں کا حمل گروانا شروع کر دیں گے پھر ایک وقت ایسا آ جائے گا کہ مسلمانوں کے گھروں میں لڑکیاں پیدا ہی نہیں ہوں گی۔ تو لڑکوں کی شادیاں نہیں ہو پائیں گی جو بہت سی برائیوں اور فتنوں کا سبب ہو جائے گا۔ ھٰذا ماظھر لی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہ جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از واحد علی رحمانی موضع پری نئی بستی اترولہ۔ گونڈہ

مرغی کا انڈا بیچنے والے سے انڈا خریدا گیا اور توڑنے پر خراب نکلا تو انڈا بیچنے والے پر اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: انڈا خراب نکلا تو بیچنے والے پر اس کی قیمت واپس کرنا فرض ہے اگر نہیں واپس کرے گا تو حق العبد میں گرفتار ہوگا۔ بہار شریعت حصہ ۱۲' ص ۸۷ میں ہے کہ انڈا خریدا' توڑا تو گندا نکلا کل دام واپس ہوں گے کہ وہ بیکار چیز ہے بیع کے قابل نہیں اور درمختار مع شامی جلد چہارم ص ۸۵ میں ہے: شری نحو بیض وبطخ فکسرہ فوجدہ فاسدا ینتفع بہ فلہ نقصانہ وان لم ینتفع بہ اصلافلہ کل الثمن لبطلان البیع اھ۔ ملخصًا اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد سوم ص ۷۶ میں بھی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از حاجی محمد حدیث پوسٹ ومقام ٹنڈوا۔ ضلع بستی

مدرسہ اہلسنت بقرعیدیہ مظہر العلوم ڈومریا گنج کے ذمہ داروں نے مدرسہ کی کچھ رقم ہمارے پاس بطور امانت رکھی ہے جس کو ہم نے حفاظت کی غرض سے بینک میں جمع کر دیا ہے۔ ایک صاحب اس رقم میں سے چار ہزار روپیہ ہم سے بطور قرض مانگتے ہیں تو اس رقم سے ہم کسی کو قرض دیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تسلی بخش جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: رقم مذکور میں سے آپ کا کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ آپ اس رقم کے [illegible] امانت ہے اور جس رقم کو آپ صدقہ نہیں کر سکتے اسے آپ قرض بھی نہیں دے سکتے۔ [illegible] ص ۲۰ [illegible] لا يملك القرض من لا يملك التبرع كالوصي والصبي. یہاں تک کہ مدرسہ کے [illegible] کو بھی [illegible] رقم [illegible] جائز نہیں کہ وہ مدرسہ کی رقم کو اس کی ضروریات پر خرچ کرنے کے مالک ہوتے ہیں صدقہ [illegible] کے مالک [illegible]

هذا ما ظهر لي والعلم بالحق عند الله تعالىٰ ورسوله جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ملا محمد حسین حیدر پور۔ اوجھا گنج۔ ضلع بستی

کافر کے کھانے وغیرہ پر حضرت سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ اور کسی دوسرے بزرگ کی نیاز کرنا کیسا ہے؟

الجواب: کافر کی کوئی نیاز کوئی عمل قبول نہیں نہ ہرگز اس پر ثواب ممکن جسے پہنچایا جائے قال اللہ تعالیٰ: وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (پ ۱۹ ع ۱) اس کے کھانے پر فاتحہ دینا اس کے ثواب پہنچنے کا اعتقاد کرنا ہے اور یہ قرآن عظیم کے خلاف ہے جو شخص ایسا کرے اس پر توبہ فرض ہے بلکہ تجدید اسلام و نکاح بھی چاہئے (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۲۲۹)

وهو تعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد محبوب فیضی موضع لال پور، پوسٹ پچھی پور۔ گورکھپور

استاذ کے حقوق کس قدر ہیں؟ جس استاذ سے علم دین حاصل کیا ہو اس کے کچھ حقوق تحریر فرمائیں۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ عالمگیری میں وجیز امام حافظ الدین کردری سے ہے: قال الزند ويستي حق العالم على الجاهل وحق الاستاذ على التلميذ واحد على السواء وهو ان لا تفتتح بالكلام قبله ولا يجلس مكانه وان غاب ولا يرد على كلامه ولا يتقدم عليه في مشيه. یعنی فرمایا امام زندویستی نے عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر یکساں ہے اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اسکے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔ اسی میں غرائب سے ہے ينبغي للرجل ان يراعي حقوق استاذه وادابه لا يبخل بشئ من ماله. آدمی کو چاہئے کہ استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔ اسی میں تاتارخانیہ سے ہے: يقدم حق معلمه على حق ابويه وسائر المسلمين ويتواضع لمن علمه خيرا ولو حرفا ولا ينبغي ان يخذله ولا يستاثر عليه

احدافان فعل ذالك فقد فصم عروة من عرى الاسلام ۔یعنی استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لئے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کی رسیوں میں سے ایک رسی کھول دی (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰،ص ۶۷) اور تحریر فرماتے ہیں استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰،ص ۶۷) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ مولوی...... ضلع بستی۔یو۔پی

حدیث شریف میں ہے:ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ۔یعنی جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے تو حدیث شریف کے اس قاعدہ کلیہ کے مطابق پان کے ساتھ جو تمباکو کھایا جاتا ہے اس کو بھی حرام ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کا بھی کثیر نشہ آور ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: حدیث شریف:ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ میں صرف وہ نشہ آور چیزیں مراد ہیں جو مائع وسیال یعنی پانی کی طرح بہنے والی ہیں جیسے تاڑی اور سیندھی وغیرہ نہ کہ تمباکو اور مشک وزعفران وامثالہا کہ ان کا قلیل حلال ہے اور نشہ لانے کی مقدار میں حرام۔ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۹۳ میں ہے:الحاصل انه لایلزم من حرمة الکثیر المسکر حرمة قلیله ولا نجاسته مطلقا الا فی المائعات لمعنی خاص بها اما الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولایلزم من حرمته نجاسته کالسم القاتل فانه حرام مع انه طاهر اھ۔اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں صرف مسکرات مائعہ مراد ہیں جن کا نشہ لانا ان کے سیال کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مشک وعنبر اور زعفران بھی مطلقاً حرام ونجس ہو جائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے۔(فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۸۷) ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

کتبہ: انوار احمد قادری

فاضل فیض الرسول براؤں شریف

مسئلہ: از اختر علی خان براؤنی تاج سائیکل شاپ ٹاٹا نگر گونڈی بمبئی

کیا اپنے اعمال نماز،روزہ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ کا ثواب مردہ اور زندہ دونوں کو بخشنا جائز ہے؟

الجواب: ہاں اپنے تمام اعمال نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ ہر قسم کی نیکیوں کا ثواب زندہ اور مردہ دونوں کو بخشنا جائز ہے۔جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۴۰ میں ہے:انّ الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلاۃ کان اوصوما او صدقة او غیرها کالحج وقراۃ القران والا ذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام

والشهداء والاولياء والصالحين وتكفين الموتى وجميع انواع البر۔ یعنی اپنے عمل نماز روزہ زکوٰۃ حج قراۃ قرآن واذکار کا ثواب اورانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شہدائے اسلام اولیائے کرام و بزرگان دین کی قبروں کی زیارت کا ثواب اور مردوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ ہر قسم کی نیکیوں کا ثواب دوسرے کو بخشنا جائز ہے اور بحر الرائق جلد سوم ص ۵۹ میں ہے: لا فرق بين ان يكون المجعول له ميتا اوحيا۔ یعنی مردہ اور زندہ کو ثواب بخشنے میں کوئی فرق نہیں۔ هٰذا ماعندى وهو تعالى ورسوله الاعلى اعلم جل مجدهٗ وصلى الله تعالى عليه وسلم۔

کتبہ: انواراحمد قادری

فاضل فیض الرسول براؤں شریف

مسئلہ: ازمولوی مقبول احمد سیٹھ ڈائی میکر کیئر آف اقبال میٹرورکس اکبر لالہ کپاؤنڈ آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی

آج کل عام طور پر یہ رواج ہوتا جارہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لڑکی کی شادی کسی کے یہاں کرنا چاہتا ہے تو لڑکے کا باپ یا اس کے گھر والے بلکہ کبھی خود لڑکا کہتا ہے کہ اتنے ہزار روپے نقد اور اتنے روپے کا سامان جہیز میں لیں گے تب شادی کریں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ موٹر سائیکل لیں گے اور کچھ لوگ جیپ یا کار کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بينوا توجروا

الجواب: لڑکا یا اس کے گھر والوں کا شادی کرنے کے لئے نقد روپیہ اور سامان جہیز مانگنا یا موٹر سائیکل اور جیپ و کار وغیرہ کا مطالبہ کرنا حرام و ناجائز ہے اس لئے کہ وہ رشوت ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۳۰۶ میں ہے: لواخذ اهل المراة شيئا عندالتسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة كذا في البحر الرائق۔ یعنی عورت کے گھر والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تھا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا شرعاً حق ہے اس لئے کہ وہ رشوت ہے اور جب لڑکے سے لینا رشوت ہے تو لڑکی سے نکاح پر لینا بدرجۂ اولیٰ رشوت ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ کے مطابق نکاح کے عوض مہر کی صورت میں شوہر پر مال دینا واجب بھی ہوتا ہے اور بیوی پر کسی حال میں نکاح کے بدلے کوئی مال واجب نہیں ہوتا لہٰذا نکاح پر لڑکی یا اس کے گھر والوں سے مال وصول کرنا رشوت ہی ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الراشي والمرتشي یعنی رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔ اور احمد و بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے کے درمیان واسطہ بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۶) لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت سے بچیں اور اپنی عاقبت خراب نہ کریں یعنی لڑکی والوں سے نکاح کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہ کریں اور مانگنے کی صورت میں لڑکی والے ان کو کچھ نہ دیں اگر وہ لوگ نہ مانیں تو ان کے درمیان واسطہ نہ بنیں بلکہ ان کو ذلیل قرار دیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ صراحتاً یا اشارتاً مطالبہ کیا جائے اور اگر اپنی خوشی سے دیا جائے تو شرعاً کوئی

قباحت نہیں بشرطیکہ المعھود کالمشروط نہ ہو۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مظفر احمد پوسٹ ومقام کھورئی ضلع ساگر (ایم پی)

ماہ صفر میں آخر چہار شنبہ کو بہت سے لوگ بستی چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاتے ہیں، وہیں کھاتے پکاتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی روز بیماری سے صحت یاب ہوئے تھے اور جنگل میں جا کر نفل نمازیں ادا کی تھیں تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: بالکل بے اصل ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ خلاف واقعہ ہے جیسا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب بہار شریعت حصہ شانز دہم کے ص ۲۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں پوریاں (وغیرہ) پکتی ہیں اور نہاتے، دھوتے، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا وہ باتیں (غسل اور سیر و تفریح) خلاف واقع ہیں۔ اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: از والدہ مولوی شبیر احمد محلہ لکھا سرائے ٹانڈہ۔ فیض آباد

آج کل عورتیں میلاد میں نعت شریف بلند آواز سے پڑھتی ہیں اور پھر آخر میں صلاۃ وسلام تو اتنی زور سے پڑھتی ہیں کہ ان کی آواز گھر کے باہر دور تک پہنچ جاتی ہے تو اس طرح عورتوں کو پڑھنا جائز یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کو اس طرح پڑھنا حرام، حرام، حرام ہے۔ سورۂ نور رکوع ۴ کی آیت کریمہ: وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ الخ کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے: رفع صوتها بحيث يسمع الاجانب كلامها حرام یعنی عورت کا آواز کو اس طرح بلند کرنا کہ اجنبی مرد سنیں حرام ہے اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۵۷ میں ہے: رفع صوتهن حرام یعنی عورتوں کو اپنی آواز اونچی کرنا حرام ہے لہٰذا ان پر لازم ہے کہ وہ نعت شریف اور صلاۃ وسلام اتنی آہستہ پڑھیں کہ گھر کے باہر آواز نہ جائے ورنہ ایسا میلاد شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی بجائے ان کی ناراضگی اور آخرت کی بربادی کا سبب ہوگا۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از رضی الدین احمد موضع سرسیا کرامت چودھری۔ سدھارتھ نگر

وہابی دیوبندی عام طور پر کہتے ہیں کہ یزید نے اگرچہ حضرت امام حسین کو شہید کروایا مگر وہ جنتی ہے۔ اس لئے کہ بخاری شریف میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے اور قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے لہٰذا وہ بخشا بخشایا ہوا پیدائشی جنتی ہے۔ تو وہابیوں دیوبندیوں کی اس بکواس کا جواب کیا ہے؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: یزید پلید جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کی سخت بے حرمتی کی جس نے ہزاروں صحابۂ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا، جس نے مدینہ طیبہ کی پاک دامن خواتین کو تین شبانہ روز اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے فرزند رسول جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر پیاسا ذبح کیا ایسے بد بخت اور مردود یزید کو جو لوگ بخشا بخشا ہوا پیدائشی جنتی کہتے ہیں اور ثبوت میں بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں وہ اہل بیت رسالت کے دشمن خارجی اور یزیدی ہیں۔ ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کی بخشش اور اس کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو امام حسین کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کیخلاف علم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور سارے فتنہ و فساد کی ذمہ داری انہیں پر ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

وہابی دیوبندی یزید پلید کے جنتی ہونے کے متعلق جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے (بخاری شریف جلد اول ص ۴۱۰) تو اللہ کے محبوب دانائے خفا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حق ہے لیکن قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے۔ وہابیوں، دیوبندیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے اس لئے کہ یزید نے قسطنطنیہ پر کب حملہ کیا اس کے بارے میں چار اقوال ہیں۔ ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۲ھ اور ۵۵ھ جیسا کہ کامل ابن اثیر جلد سوم ص ۱۳۱، بدایہ نہایہ جلد ششم ص ۳۲، عینی شرح بخاری جلد چہار دہم اور اصابہ جلد اوّل ص ۴۰۵ میں ہے۔ ثابت ہوا کہ یزید ۴۹ھ سے ۵۵ھ تک قسطنطنیہ کی کسی جنگ میں شریک ہوا چاہے سپہ سالار وہ رہا ہو یا معمولی سپاہی رہا ہو مگر قسطنطنیہ پر اس سے پہلے حملہ ہو چکا تھا۔ جس کے سپہ سالار حضرت سفیان بن عوف۔ اور وہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے اور ان کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کتاب الجہاد ص ۳۴۰ کی حدیث: عن اسلم ابی عمران قال غزونا من المدینة نرید القسطنطنیة وعلی الجماعة عبدالرحمن بن خالدبن الولید الخ سے ظاہر ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا جیسا کہ بدایہ نہایہ جلد ہشتم ص ۳۱، کامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۲۹ اور اسد الغابہ جلد سوم ص ۴۴۰ میں ہے: معلوم ہوا کہ آپ کا حملہ قسطنطنیہ پر ۴۶ھ یا ۴۷ھ سے پہلے ہوا۔

اور تاریخ کی معتبر کتابیں شاہد ہیں کہ یزید قسطنطنیہ کی ایک جنگ کے علاوہ کسی میں شریک نہیں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر جو پہلا حملہ کیا تھا یزید اس میں شریک نہیں تھا تو پھر حدیث: اول جیش من امتی میں یزید داخل نہیں۔ اور جب وہ داخل نہیں تو اس حدیث شریف کی بشارت کا بھی وہ مستحق نہیں اور چونکہ ابوداؤد شریف صحاح ستہ میں سے ہے اس لئے تمام کتب تاریخ کے مقابلہ میں اسی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ رہی یہ بات کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اس جنگ میں ہوا کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو اس میں کوئی خلجان نہیں۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ کا پہلا حملہ جو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ہوا آپ اس میں شریک رہے اور پھر بعد میں جب اس لشکر میں شریک ہوئے کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو قسطنطنیہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ پر متعدد بار اسلامی لشکر حملہ آور ہوا ہے...... اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو لشکر تھا اس میں یزید موجود تھا پھر بھی یہ ہرگز نہیں ثابت ہوگا کہ اس کے سارے کرتوت معاف ہو گئے اور وہ جنتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں یہ بھی ہے: مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الاغفر لھما قبل ان یتفرقا۔ یعنی جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے (ترمذی شریف جلد دوم ص ۹۷) اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ۔ یعنی جو ماہ رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۳) اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ بھی ہے: یغفر لامتہ فی اخر لیلۃ فی رمضان یعنی روزہ وغیرہ کے سبب ماہ رضان کی آخری رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۴) لہٰذا اگر وہابیوں دیوبندیوں کی بات مان لی جائے تو ان احادیث کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان سے مصافحہ کرنے والے، روزہ دار کو افطار کرانے والے اور ماہ رمضان میں روزہ رکھنے والے سب بخشے بخشائے جنتی ہیں۔ اب اگر وہ حرمین طیبین کی بے حرمتی کریں معاف، کعبہ شریف کو (معاذ اللہ) کھود کر پھینک دیں معاف، مسجد نبوی میں غلاظت ڈالیں معاف، ہزاروں بے گناہ کو قتل کر ڈالیں معاف، یہاں تک کہ اگر سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پاروں کو تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر ڈالیں تو وہ بھی معاف اور جو چاہیں کریں سب معاف۔ نعوذ باللہ من ذٰلک

خدا عزوجل یزید نواز وہابیوں، دیوبندیوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور گمراہی و بدمذہبی سے بچنے کی توفیق بخشے۔ امین بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبداللہ کرنیل گنج کانپور

آج کل لوگ زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر رہے ہیں تو بہت سے لوگ اپنے نسب میں بھی ترقی کرنے لگے ہیں۔ بعض لوگ جو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اولاد سے نہیں ہیں مگر اپنے آپ کو

مدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی لکھنے لگے ہیں اور بہت سے لوگ جو سید نہیں ہیں وہ اپنے آپ کو سید لکھنا چالو کر دیئے ہیں اور کچھ لوگ اپنے پیر اور استاذ کو جو سید نہیں ہیں عزت بڑھانے کے لئے ان کو سید بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تو ان سب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نسب بدلنا، جو لوگ کہ خلفائے اربعہ کی اولاد سے نہ ہوں ان کا اپنے آپ کو صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی لکھنا اور جو لوگ سید نہ ہوں ان کا اپنے آپ کو سید کہنا و لکھنا سخت ناجائز اور خدا تعالیٰ و ملائکہ وغیرہ کی لعنت کا سبب ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے: من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیمة صرفا ولا عدلا ھذا مختصر۔ یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی وغیرہم نے یہ حدیث مولا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص ۶۶۷) اور جو لوگ کہ اپنے پیر و استاذ کو سید بنانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ بھی اس وعید کے مستحق ہیں اس لئے کہ جب اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرنے والے پر یہ وعید ہے تو جو شخص کسی کو اسکے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ بدرجۂ اولیٰ اس وعید کا مستحق ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد شاکر علی صدیقی۔ مدنپورہ بمبئی

وہ مدارس عربیہ جو الہ آباد بورڈ سے ملحق ہیں وہ مدرسین وطلبہ کی تعداد اور ان کی حاضریاں بلکہ داخلہ و خارجہ کے کاغذات بھی عموماً فرضی بنا کر گورنمنٹ سے روپیہ حاصل کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ ان مدارس میں تدریس کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ مولانا بدر الدین احمد رضوی نے الحاق کی وجہ سے فیض الرسول براؤں شریف کی ملازمت چھوڑی ہے تو یہ کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: مدرسین وطلبہ کی تعداد، ان کی حاضریاں اور داخلہ وغیرہ کے متعلق جھوٹے کاغذات بنا کر یہاں کی گورنمنٹ سے بھی رقم حاصل کرنا جائز نہیں کہ یہ غدر ہے اور غدر و بدعہدی مطلقاً سب سے حرام ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۱۰۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ غدر اور بدعہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔ ہدایہ و فتح القدیر وغیرہما میں ہے: ان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا اھ۔ ملخصاً مگر اس فعل حرام کے ذمہ داران مدارس کے کلرک و اراکین ہیں نہ کہ علماء و مدرسین لہٰذا ایسے مدارس میں تدریس کی ملازمت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کلرک و اراکین کے غلط کاموں سے راضی نہ ہو اور روکنے پر قادر ہو تو روکے ورنہ دل

سے برا جانے۔حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا عملت الخطیئة فی الارض من شهدها فكرهها كان كمن غاب عنها۔ یعنی جب کسی جگہ کوئی گناہ کیا جائے تو جو شخص وہاں حاضر ہو مگر اسے برا سمجھتا ہو تو وہ اس آدمی کے مثل ہے جو وہاں موجود نہیں۔(مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶)

رہی مولانا بدرالدین احمد قدس سرہ کی بات کہ انہوں نے الحاق کی وجہ سے فیض الرسول براؤں شریف کی ملازمت چھوڑی تو یہ ان کے چند مریدین کا الحاقی مدارس کے علماء کی تحقیر اور اپنے پیر کی تعظیم کے لئے جھوٹا پروپیگنڈہ ہے جو بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔اس لئے کہ ان کے براؤں شریف چھوڑنے کی وجہ کچھ اور ہے جو دارالعلوم فیض الرسول کے داخلی واندرونی حالات جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔اگر وہ الحاق کے سبب فیض الرسول سے مستعفی ہوئے ہوتے تو وہ اس کی ممبری سے بدرجۂ اولیٰ استعفاء دے کر الگ ہو جاتے۔اس لئے کہ الحاق سے متعلق ساری مکاریوں اور فریب کاریوں کے ذمہ دار الحاقی مدارس کے اراکین وممبران ہی ہوتے ہیں لہٰذا تاوقتیکہ وہ مستعفی ہو کر الگ نہ ہو جائیں ان مدارس کی غلط کاریوں سے وہ بری نہیں ہو سکتے۔البتہ مدرسین وملازمین اس صورت میں گنہگار ہوں گے جب کہ ان مکاریوں سے راضی ہوں یا ان میں شریک ہوں، یہی وجہ ہے کہ بت خانہ کا ممبر بننا حرام وناجائز ہے اور بعض صورتوں میں کفر بھی ہے لیکن اس کے جائز کاموں کی ملازمت ومزدوری جائز ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: فی الخانية لو اجر نفسه يعمل فی الكنيسة ويعمرها لاباس به لانه لا معصية فی عين العمل اور ہدایہ میں ہے: من اجر بيتاً ليتخذ فيه بيت نار او كنيسة او بيعة او يباع فيه الخمر بالسواد فلاباس به۔ وهذا عند ابی حنيفة رحمة الله تعالیٰ۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم نصف اول، ص ۸۵)

خلاصہ یہ ہے کہ الحاقی مدارس کی غلط کاریوں کے ذمہ دار اس کے ممبران واراکین ہیں نہ کہ مدرسین وملازمین لہٰذا مولانا بدرالدین احمد رضوی قدس سرہ اگر الحاق کے سبب فیض الرسول براؤں شریف کی مدرسی سے مستعفی ہوئے ہوتے تو اس کی ممبری سے ضرور استعفاء دے کر الگ ہو جاتے حالانکہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک الحاقی مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف کے ممبر رہے۔هذا هو الحق المبين وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم على النبي الكريم الامين وعلى اله واصحابه اجمعين

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عباس علی انصار ٹیلر چلما بازار ضلع بستی

(۱)......زید نے ایک موقع پر ایک غیر مسلم سے طلب کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو ایک گلاس پانی پلا دو کہ ہم بھی تمہارے جیسے ہیں۔پانی پینے کے بعد زید نے کہا ہم ہندو ہیں نیز فوراً بعد ایک ضعیف العمر مسلمان سے کہا کہ آپ لوگ ہم کو ہندو قرار دیتے تو اچھا تھا۔ایسے نام نہاد مسلم کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲)......ایک عالم صاحب نے جلسے کے چندے کے سلسلے میں بکر سے سوال کیا اس نے کراہت سے دس روپیہ دے دیا لیکن عالم کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا کہ میرا دس روپیہ بیکار گیا اگر وہ میرے پاس ہوتا تو دو کلو آلو لے لیتا۔ اس کے بارے میں بھی شرع کا جو حکم ہو کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......صورت مسئولہ میں زید ہندو ہو گیا بلکہ اگر وہ زبان سے نہ کہتا صرف ہندو ہونے کی نیت کر لیتا تب بھی وہ ہندو ہو جاتا۔ الاشباہ والنظائر ص ۱۵ میں ہے: لایکون مسلما بمجرد نیة الاسلام بخلاف الکفر۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم

(۲)......عالم چندے کی رقم صحیح طور پر خرچ نہیں کرتا اگر اس بنیاد پر بکر نے جملہ مذکور کہا یا اس سبب سے کہا کہ میں نے ثواب کی نیت سے روپیہ نہیں دیا تو ان صورتوں میں بکر پر کوئی مواخذہ نہیں اور اگر اس لئے کہا کہ جلسہ کے نام پر چندہ دینے میں کوئی ثواب نہیں تو وہ علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ ھذا ماظھر لی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ شعبان ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از اسلم انصاری ساکن نرکٹیا ڈاکخانہ سمریا ضلع سیوان بہار

زید کی بیوی ہندہ نے کہا کہ قرآن طوطا مینا کی کہانی ہے۔ معاذ اللہ۔ اس کے علاوہ کہتی ہے کہ ہم کیسے یقین کر لیں کہ قرآن خدا کی بھیجی ہوئی آسمانی کتاب ہے۔ خدا کو کس نے دیکھا ہے؟ پھر بعد میں اس نے کہا کہ میں نے مذاق سے کہہ دیا ہے غلطی ہو گئی۔ اب اس عورت ہندہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: عورت ہندہ کافرہ مرتدہ ہو کر اسلام سے خارج ہو گئی اور اپنے شوہر پر حرام ہو گئی اگر چہ مذکورہ جملوں کو اس نے مذاق میں کہا ہو۔ اس پر لازم ہے کہ توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرے اور قرآن کے منزل من اللہ یعنی اللہ کی کتاب ہونے کا اقرار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کے اور اس کے ہمنواؤں کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ ع ۱۴) لیکن عورت شوہر پر حرام ہونے کے باوجود توبہ اور تجدید ایمان کے بعد بھی بغیر طلاق دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ عورت معاذ اللہ ان میں سے ہو گئی (یعنی کافرہ ومرتدہ ہو گئی) اور مرد سنی رہا تو نکاح فسخ نہ ہوا۔ علیٰ مافی النوادر وحققناہ الافتاء بہ فی ھذا الزمان فی فتاوانا مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہو گئی جب تک اسلام نہ لے آئے۔ لان المراۃ لیست باھل ان یطاھا مسلم او کافرا واحد (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص

ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ا شوال ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از اکبر علی حشمتی مدرسہ گلشن مدینہ نگر پالیکا چوک میندر کی ضلع سولہ پور۔ مہاراشٹر

مہاراشٹر کے جس علاقہ میں ہم لوگ رہتے ہیں یہاں کے اکثر مسلمان اپنے دینی مسائل سے ناواقف ہیں اور زیادہ تر ہندی تعلیم حاصل کرتے ہیں جس میں کافروں کی عید کے موقع پر مسلمان بچوں اور بچیوں سے ہندو ٹیچر سرسوتی اور گنپتی کی پوجا کراتے ہیں۔ اب ان بچوں اور بچیوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اس فعل سے وہ مسلمان رہیں گے یا ان پر کفر کا فتویٰ دیا جائے گا اور ان کے ماں باپ کے لئے کیا حکم ہے اور ان کو بچوں کے متعلق کیا کرنا چاہئے؟ لہٰذا قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر اس عمر کے ہوں کہ دین ومذہب کو سمجھتے ہوں تو چاہے بچے ہوں یا بچیاں ان پر کفر کا فتویٰ ہے اور ان کے ماں باپ کا اپنے بچوں کی اس پوجا پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "الرضا بالکفر کفر" یعنی کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے سکولوں سے اپنے بچوں کو ہٹا لیں، انہیں کلمہ پڑھائیں توبہ کرائیں اور ان کے دل میں اسلام کی عظمت بٹھائیں اور خود بچوں کے ماں باپ بھی توبہ، تجدید ایمان ونکاح کریں اور سب مسلمان مل کر اپنا سکول قائم کریں جس میں دینیات کے ساتھ ہندی وغیرہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہو یا ایسے سکول میں اپنے بچوں کو پڑھائیں جہاں سرسوتی اور گنپتی وغیرہ کی پوجا نہ کرائی جاتی ہو۔ بہرصورت ایسے سکولوں سے بچوں اور بچیوں کو نکال لیں کہ ان میں مسلمان بچوں اور بچیوں کا پڑھنا ان کے دین وایمان کے لئے زہریلا ہل ہے۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو خدا تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کریں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از ثنا الیکٹریکل قاضی سعید اللہ پورہ چھوٹی محل کے سامنے بنارس

خطبہ کی اذان منبر کے پاس مسجد کے اندر پڑھنا سنت ہے یا باہر؟ بینوا توجروا

الجواب: خطبہ کی اذان منبر کے پاس مسجد کے اندر پڑھنا بدعت ہے اور باہر پڑھنا سنت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارکہ میں یہ اذان خارج مسجد ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم

الجمعة على باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ (ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲) اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اذا جلس على المنبر اذن على باب المسجد۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی (تفسیر جمل جلد چہارم ص ۳۴۳) قرآن مجید کی تفسیر اور حدیث شریف سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام مسجد کے اندر اذان پڑھنے سے منع فرماتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان جلد اوّل مصری ص ۵۵ اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لا يؤذن في المسجد. یعنی مسجد میں اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالوا لايؤذن فى المسجد۔ یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان نہ پڑھی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۷ میں ہے: يكره ان يؤذن في المسجد كما في القهستاني عن النظم. یعنی مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح سے قہستانی میں نظم سے ہے۔......... خدا عزوجل لوگوں کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور تفسیر وحدیث نیز فقہ کی کتابوں پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔ بحرمة سيد المرسلين صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليه وعليهم اجمعين

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از ایم بلال احمد قادری عفی عنہ۔ مدرسہ مشائخ العلوم بسو پالن پور۔ گجرات

(۱)......... جمعہ کی اذان ثانی جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے مسجد کے اندر منبر کے سامنے ہونی چاہئے یا مسجد کے باہر؟ نیز یہ بھی خلاصہ فرمائیں کہ حضور علیہ التحیۃ والثناء کے دور ظاہری اور خلفاء راشدین کے دور پاک میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی؟

(۲)...... ہمارے یہاں یہ اذان ثانی منبر کے سامنے ہوتی ہے امام صاحب نے کہا کہ اذان ثانی باہر ہونی چاہئے اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہمارے یہاں برسوں سے اندر ہوتی ہے اور ہو گی یہ نئی بات ہم نہیں مانیں گے حوالہ کے طور پر فتاویٰ رضویہ اور احکام شریعت' فتاویٰ فیض الرسول پیش کرنے پر کہا کہ یہ بھی نئی کتابیں ہیں اور رکن دین' فتاویٰ عالمگیری اور غنیۃ الطالبین یہ پرانی کتابیں ہیں ان میں خطیب کے روبرو یا منبر کے سامنے کا لکھا ہے تو لہذا سامنے اندر ہی ہوتا ہے۔ واضح فرمائیں کہ اندر یا سامنے کا کیا مطلب ہے؟

(۳)...... جو شخص فتاویٰ رضویہ وفتاویٰ فیض الرسول کے حوالہ کو نہ مانے کیا وہ سنی ہو سکتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے شرع

شریف میں کیا حکم ہے جو سنت کے مقابلے میں رسم ورواج کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو بھی حکم شرع ہو اس پر
کر جو لوگ بضد ہیں کہ اذان اندر ہی ہو ان کے لئے شرعی احکام سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے کہ یہی سنت ہے اذان مسجد کے اندر پڑھنا بدعت سیۂ ہے
اس لئے کہ خطبہ کی اذان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ مبارکہ میں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے دور میں مسجد کے باہر ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ میں ہے عن السائب
بن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم
الجمعة علی باب المسجد وابی بکرو عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا
کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی
حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں......اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت مبارکہ اِذَا نُوْدِیَ
لِلصَّلٰوۃِ الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ
وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)......جمعہ کی اذان ثانی منبر کے سامنے مسجد کے باہر ہی ہونا چاہئے۔ فتاویٰ فیض الرسول اور احکام شریعت یہ کتابیں نئی
ضرور ہیں مگر ان کی باتیں قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ ہی کی روشنی میں ہیں جبکہ حدیث شریف اور تفسیر میں علی باب المسجد ہے
یعنی خطبہ کی اذان مسجد کے دروازہ پر ہوا کرتی تھی تو ظاہر ہوا کہ فتاویٰ عالمگیری، غنیۃ الطالبین اور رکن دین میں جو خطیب کے
روبرو یا منبر کے سامنے لکھا ہوا ہے اس کا مطلب ہے مسجد کے باہر۔ جو لوگ اس کا مطلب مسجد کے اندر سمجھتے ہیں تو وہ حدیث
وتفسیر کے خلاف اس کا معنی متعین کرتے ہیں جو سراسر جہالت ہے اس لئے کہ کسی کتاب میں فی المسجد یعنی مسجد کے اندر کا لفظ نہیں آیا
ہے مگر ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳)......جو لوگ فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ فیض الرسول کے حوالوں کو نہیں مانتے یا تو وہ سنی نہیں ہیں اور یا تو وہ جاہل ہٹ
دھرم ہیں کہ سنت کے مقابلہ میں رسم ورواج کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان پر لازم ہے کہ تفسیر وحدیث اور فقہ کو مانیں اور رسم
ورواج کو چھوڑیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو مسلمان ان سے دور رہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد کلیم اللہ قادری، نوری دربار سیوان

نماز پنج وقتہ، جمعہ، تراویح وعیدین لاؤڈ سپیکر پر پڑھنا شرع کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اگر لاؤڈ سپیکر کے ساتھ مکبر بھی
رہے تو ایسی حالت میں شرع کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں اکابر علمائے اہلسنت کے کیا فتاوے ہیں؟ ان حضرات کے ناموں کو

بھی تحریر کریں......ایک عالم دین کا کہنا ہے کہ 'صدا سے امام کی تکبیرات انتقالیہ سن کر رکوع وسجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز صحیح ہے اس لئے کہ جب نماز کے شرائط وارکان سب موجود اور مفسدات سب مفقود تو نماز کو فاسد بتانا محذول ومطرود۔ گنبد اور لاؤڈ سپیکر سے امام کی آواز سن کر رکوع وسجود کرنے والے کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ ان کا یہ قول از روئے شرع کہاں تک درست ہے کہاں تک صحیح نہیں؟ سوال کا جواب از روئے شرع مدلل عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: نماز پنج وقتہ ہو یا جمعہ' تراویح اور عیدین وغیرہ کسی میں بھی لاؤڈ سپیکر کا استعمال جائز نہیں اس لئے کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس کی نقل ہوتی ہے جو آواز کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ فیض الرسول جلد اوّل میں ص ۳۶۱ سے ۳۶۶ تک۔ ماہرین سائنس اور اس کے انجینئروں کے متفقہ اقوال اور آواز کے ٹکرانے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ صدا ہوتی ہے جیسے پہاڑ اور گنبد وغیرہ سے ٹکرا کر پیدا ہونے والی آواز صدا ہوتی ہے اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموج سے سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے اور صدا چونکہ کسی چیز سے ٹکرا کر پیدا ہوتی ہے اس لئے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا' جیسا کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: فی الخلاصۃ ان سمعھا من الصدا لا تجب (فتح القدیر جلد اول' ص ۴۶۸) اور تنویر الابصار ودر مختار مع شامی جلد اول' ص ۵۱۷ میں ہے: لا تجب بسماعہ من الصدیٰ. اور مراقی الفلاح معطحاوی ص ۲۶۴ میں ہے: لا تجب بسماعہ من الصدیٰ وھو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوھا۔

اس تغایر حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے اور جب سجدہ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں تو حکماً صدا نفس آواز متکلم سے الگ ہے اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا ٹھہری تو نماز کے سجدہ کے لئے صدا کو شرعاً بعینہ آواز متکلم مان لینا صحیح نہیں یعنی جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب صدا خارج قرار پائی تو حالت نماز میں اس سے تلقین جائز نہیں۔ خواہ وہ لاؤڈ سپیکر کی صدا ہو یا صحرا وغیرہ کی۔ اس لئے کہ خارج سے تلقن مفسد نماز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل مطبوعہ نعمانیہ ص ۴۱۸ پر ہے: الو تمہ لما تلقن من خارج بطلت صلاتہ۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۹۳' عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر جلد اوّل ص ۹۲ اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۱۲ پر بھی اسی طرح ہے۔

خلاصہ یہ کہ ماہرین سائنس کی تحقیقات اور فقہائے معتمدین کے اقوال سے یہ امر پورے طور پر متحقق ہو گیا کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز پر رکوع وسجود کرنے والوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ایسی نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہوتا ہے............اور مکبرین کے ساتھ بھی لاؤڈ سپیکر کا استعمال جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جو مکبر اور مقتدی امام سے دور ہوں گے وہ لاؤڈ سپیکر ہی کی آواز کی اتباع کرینگے جو نماز کے فساد کا باعث ہوگا۔ اکابرین علمائے اہلسنت کا یہی فتویٰ ہے کہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال ممنوع وناجائز اور مفسد نماز ہے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال جائز نہیں۔ اگر میکروفون میں امام آواز ڈالے گا بے اس کے وہ آواز نہ لے گا تو اسی عمل سے امام کی نماز جاتی رہے گی۔ امام کی جائے گی تو مقتدیوں کی بھی جائے گی۔ اور اگر لاؤڈ سپیکر ایسا ہو کہ میکروفون میں آواز ڈالی نہ جاتی ہو فرض کیجئے وہ خود لیتا ہوا امام کے منہ کے سامنے نہ ہو قریب ایک طرف رکھا ہوا ہو امام اس میں آواز نہ ڈال رہا ہو تو امام کی تو ہو جائے گی اور ان مقتدیوں کی بھی جو خود آواز سنکر اتباع امام کی کر رہے ہیں مگر دور دور کے وہ مقتدی جن تک امام کی آواز پہنچ ہی نہیں سکتی وہ لاؤڈ سپیکر ہی کی آواز کی اتباع کر رہے ہیں ان کی نماز نہ ہوگی کہ لاؤڈ سپیکر میں پہنچ کر امام کی آواز اس سے ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہے جیسے گنبد میں بولنے والے اور کنویں میں بولنے والے کی آواز ختم ہو جاتی ہے۔ پانی اور گنبد کے اس ٹکراؤ سے اور آواز پیدا ہوتی ہے۔ ویسے ہی لاؤڈ سپیکر میں اور آواز پیدا ہوتی ہے۔ کئی بار ہم نے اسے خود محسوس کیا ہے۔ مقرر جو لفظ بولتا ہے ویسے ہی لاؤڈ سپیکر سے اسی طرح سے ہے جیسے گنبد اور کنوئیں سے (القول الازھر فی الاقتداء لاؤڈ سپیکر تصنیف شیر بیشۂ سنت مولانا محمد حشمت علی لکھنوی علیہ الرحمۃ ص ۲۰) اور فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) سے خطبہ سننے میں حرج نہیں مگر اس کی آواز پر رکوع و سجود کرنا مفسد نماز ہے۔ (فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۱۹۰)

اس کے حاشیہ میں فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی لکھتے ہیں کہ پہلا فتویٰ (جس میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں جائز قرار دیا گیا ہے) خود بتا رہا ہے کہ اس وقت تک لاؤڈ سپیکر کی حقیقت اچھی طرح منکشف نہ تھی اور جب اس کی حقیقت واضح ہوگئی تو یہ فتویٰ دیا۔ ''فساد صلاۃ کی وجہ تلقن من الخارج ہے۔ اس لئے کہ لاؤڈ سپیکر کی ساخت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ لاؤڈ سپیکر متکلم کی آواز کے مثل دوسری آواز پیدا کرتا ہے تو نمازیوں کو جو آواز سنائی دے رہی ہے وہ لاؤڈ سپیکر کی آواز ہے اور اگر اسے صحیح نہ مانا جائے تو بھی کم از کم اتنا ضروری ہے کہ ہارن سے نکلنے والی آواز میں خارج کا مکمل عمل دخل ہے۔ فقہاء نے صدیٰ (آواز بازگشت) کو فرمایا: لا نھا محاکاۃ ولیس بقراۃ (غنیۃ طحطاوی علی مراقی) صرف اس بنا پر کہ صدیٰ میں اگرچہ بعینہ آواز متکلم سنائی دیتی ہے مگر اس میں خارج کا عمل و دخل ہے اگرچہ اضطراری اور بہت قلیل۔ خارج کے اس اضطراری قلیل دخل نے بعینہ متکلم کی آواز کو محاکاۃ کے حکم میں کر دیا تو لاؤڈ سپیکر میں بالقصد والاختیار خارج کا اثر ہے اور وہ بھی بہت زائد تو ہارن سے جو تکبیر سنائی دے رہی ہے وہ تکبیر نہیں محاکاۃ ہے اس لئے اس پر التفات کرنا تلقن فی الخارج اور بلاشبہہ مفسد صلاۃ ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۱۹۰)

حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ خطبہ کی حالت میں آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) لگانے میں کوئی حرج نہیں مگر نماز کی حالت میں امام کا اس آلہ کو استعمال کرنا درست نہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ جن لوگوں نے تکبیرات کی آواز سن کر رکوع و سجود کیا ان کی نمازیں نہیں ہوئیں۔ (فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۱۹۲)

اور حضرت علامہ مفتی شاہ محمد اجمل صاحب سنبھل قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''فرض کر لیجئے کہ اس آلہ میں بعینہ آواز

امام ہی منتقل ہوتی ہے لیکن اس بات کو مان لینا پڑے گا کہ امام کی آواز ہوا میں متکیف ہو کر اس آلہ میں پہنچی اور اس آلہ نے اگلی ہوا میں نیا تموج پیدا کیا تو اگلی ہوا کے تموج کا سبب قریب یہ آلہ ہی تو قرار پایا تو اب اس آواز کی نسبت اس آلہ لاؤڈ سپیکر کی طرف ضرور کی جائے گی۔ نیز امام کی آواز جہاں تک پہنچی اس آلہ نے اس میں اتنا تصرف کیا کہ اب وہ آواز اس مقام پر بھی پہنچا دی جہاں اصل آواز امام کسی طرح نہیں پہنچ سکتی تھی تو لاؤڈ سپیکر کا اتنا تصرف تو نا قابل انکار ہے اور جب لاؤڈ سپیکر کا یہ تصرف تسلیم ہے اور اس کی آواز کی نسبت لاؤڈ سپیکر کی طرف صحیح ہے تو پھر وہی نتیجہ نکلا کہ مقتدی کے حق میں غیر امام کا تصرف اور آواز واسطہ بنی تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جانے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

(تحقیق الاکابر لا تباع الاصاغر' مرتبہ حافظ محمد عمران قادری رضوی ص ۱۸)

اور شیر بیشۂ سنت حضرت علامہ مولانا محمد حشمت علی خان صاحب لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر سے جو آواز مسموع ہوتی ہے وہ اصل متکلم کی صوت نہیں ہوتی بلکہ صدا ہے اور حضرت سیدنا المفتی الاعظم مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم العالی نے بھی بمبئی میں بماہ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ اپنی تحقیق یہی بیان فرمائی اور اس وقت وہاں جو دوسرے اکابر علمائے السنت مثل حضرت مخدومی مولانا سید آل مصطفیٰ میاں صاحب مارہروی وحضرت لاہلسنت مثل حضرت مخدومی مولانا سید آل مصطفیٰ میاں صاحب مارہروی وحضرت معظمی مولانا السید محمد المحدث الاعظم کچھوچھوی دامت برکاتہم القدسیہ ومجاہد ملت مولانا محبوب علی خاں صاحب نصرہم المولیٰ تعالیٰ تشریف فرما تھے۔ سب نے اس کی تصدیق فرمائی جس کی کھلی ہوئی روشن دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں سے اصل متکلم کی آواز بھی سنتا ہو اور لاؤڈ سپیکر کے کسی ہارن کا منہ اس کی طرف ہو تو وہ اصل متکلم کی آواز کو اور ہارن سے نکلی ہوئی صدا کو علیحدہ علیحدہ متمائز ومتغائر طور پر سنے گا جیسا کہ ہارن کا مشاہدہ ہے جب یہ صدا ہے تو صدا ہی کے سب احکام اس پر مرتب ہوں گے جس طرح صدا کی اقتداء بحکم شریعت مطہرہ صحیح نہیں اسی طرح لاؤڈ سپیکر سے سنی ہوئی آواز کی اقتداء بھی شرعاً باطل ہے۔ نماز میں اس آلہ کا استعمال شرعاً حرام وناجائز اور موجب بطلان نماز مصلیان ہے۔ (تحقیق الاکابر لاتباع الاصاغر' ص ۲۰'۲۱)

حضرت شیر بیشۂ سنت کی اس تحریر سے ظاہر ہوا کہ سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ صاحب قبلہ مارہروی اور محدث اعظم حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے نزدیک بھی نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال جائز نہیں بلکہ سید العلماء قبلہ نے شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے لاؤڈ سپیکر کے نماز میں استعمال کے عدم جواز کے فتویٰ پر ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے۔ الجواب الجواب والمجیب الفاضل رحمة الله تعالىٰ علیه مصیب ومثاب. بست ودوم صفر المظفر ۱۳۸۰ھ سه شنبه. ملاحظه هو "القول الازهر فی الاقتداء بلاؤد اسپیکر ص ۱۸"

اور محدث اعظم قبلہ نے حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک فتویٰ کی ان لفظوں کے ساتھ تصدیق فرمائی ہے جو نماز میں لاؤڈ سپیکر کے عدم جواز کے متعلق ہے: هذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع

(تحقیق الاکابر لاتمام الاصاغر ص ۶) اور اس قول کی تصدیق ...

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے بھی ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ الجواب ھو الصواب (تحقیق الاکابر ص ۱۱)

اور مفتی اعظم دہلی حضرت مولانا شاہ محمد مظہر اللہ صاحب شاہی امام ...

کہ یہ آلہ (مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر) امام اور مقتدیوں کا غیر ہے اور امام کا غیر المقتدی سے ...

پر عمل کرنا مفسد صلاۃ ہے۔ پس اس آلہ کی آواز پر جو لوگ ارکان نماز ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی ...

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اکابر علمائے اہلسنت کا قول یہی ہے ...

لوگ اس کی آواز پر رکوع و سجود کریں گے ان کی نمازیں فاسد ہو جائیں گی اور یہ بھی ...

اکابر علمائے کرام کے نزدیک عالم مذکور کا یہ قول صحیح نہیں کہ صرف گنہگار ہوں گے ...

کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد علی راعینی، دکھن دروازہ بستی

زید ایک دین دار صوم و صلاۃ کا پابند سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ زمانہ ماضیہ میں اس کی چند نمازیں فوت ہو گئی ہیں جن کی قضا وہ پوری مستعدی سے ادا کر رہا ہے۔ فرائض پنجگانہ کی ادائیگی کے بعد وہ نوافل نہ پڑھ کر قضا ادا کرتا ہے حسب گنجائش فجر کی سنتوں کے بعد قبل فرض یا بعد فرض بھی قضا پڑھ لیتا ہے یوں ہی بعد عصر قبل غروب آفتاب بھی قضا ادا کرتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اوقات مذکورہ میں قضا نمازوں کی ادائیگی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اوقات مذکورہ میں قضا نمازوں کی ادائیگی جائز ہے لیکن فجر کی سنتوں کے بعد قبل فرض یا بعد فرض لوگوں کے سامنے قضا نمازیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ فجر کے وقت دو رکعت سنت کے علاوہ اور کوئی نفل نماز جائز نہیں تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قضا نماز پڑھ رہا ہے اور قضا نماز کا لوگوں پر ظاہر کرنا گناہ ہے اس لئے کہ نماز کا ترک کرنا گناہ ہے اور گناہ کا ظاہر کرنا بھی گناہ ہے جیسا کہ شامی جلد اول ص ۵۹۵ میں ہے: اظہار المعصیۃ معصیۃ اسی طرح لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بعد عصر غروب آفتاب سے بیس منٹ پہلے تک قضا نماز پڑھ سکتا ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد قمر الزماں ہینسر بازار۔ ضلع بستی

ہمارے یہاں کی مسجد زیر تعمیر ہے جس کی وجہ سے ہم لوگ مسجد کے باہر مدرسہ میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ایک شخص زیر تعمیر مسجد میں تنہا اذان دے کر نماز پڑھتا ہے۔ شخص مذکور غیر مسلموں سے جے سیتارام' جے رام جی وغیرہ سے سلام کرتا ہے ایسے شخص سے مسلمانوں کا ربط ضبط رکھنا اور اس کے یہاں میلاد و طعام میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر مسجد میں جماعت ممکن نہیں تو مدرسہ کی جماعت میں شرکت شخص مذکور پر واجب ہے۔ اس صورت میں مسلسل ترک جماعت کے سبب وہ فاسق مردود الشہادہ ہے اس لئے کہ عاقل بالغ قادر پر جماعت واجب ہے بلا عذر ایک بار بھی چھوڑنے والا گنہگار اور مستحق سزا ہے اور کئی بار ترک کرے تو فاسق مردود الشہادہ اور اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اگر پڑوسی سکوت کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۲۹ پر ہے اور مذکورہ طریقہ پر غیر مسلموں سے سلام کرنے کے سبب وہ مبتلائے کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ مشرک کی جے نہ پکارے گا مگر مشرک (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۹۳) اور معبودان باطل کی جے بولنا اس سے بھی سخت تر ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ شخص مذکور علانیہ توبہ و استغفار نہ کرلے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح نہ کرے مسلمانوں کا اس سے ربط ضبط رکھنا اور اس کے یہاں میلاد و طعام میں شرکت کرنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ ۱۲ سورہ ھود آیت نمبر ۱۱۳) ھذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبدالمنان' عبدالرحمٰن نگینہ مسجد' نگینہ چوک' پوسد ضلع ایوت محل

ایک سنی عالم دین جمعہ کے خطبہ میں خلفائے راشدین کے نام کبھی لیتے ہیں اور کبھی نہیں لیتے تو کیا ایسے عالم دین کی امامت صحیح ہے اور وہی عالم دین منبر پر بیٹھ کر سیاسی گروہ بندی کے حق میں تقریریں کرتے ہیں اسلام دشمن جماعت شیوسینا' بی جے پی سے دوستی و تعلق رکھتے ہیں۔ گنپتی جلوس میں صرف شرکت ہی نہیں کرتے بلکہ پورے شہر میں گشت کرتے ہوئے جلوس کی رہبری میں پیش پیش رہتے ہیں اور اس حالت میں نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں تو ایسے عالم کے پیچھے نماز پڑھنا' ان کا ساتھ دینا اور مالی امداد و تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر مستحب ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۴۴ میں ہے: یندب ذکر الخلفاء الراشدین اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں آواز بہ نسبت پہلے سے پست ہو اور خلفائے راشدین و عمین مکرمین حضرت حمزہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہو۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۷ مطبوعہ اشاعت الاسلام دہلی)

اور جب خلفائے راشدین کا ذکر خطبہ میں صرف مستحب ہے تو اس کے ترک سے عالم مذکور کی امامت کی صحت پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ بہار شریعت حصہ دوم ص ۶ پر مستحب کے بارے میں ہے کہ اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر مطلقاً کچھ نہیں اھ۔ اور باقی باتیں جو عالم مذکور کے بارے میں درج ہیں۔ اگر واقعی یہ ساری باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں تو وہ فاسق معلن ہے بلکہ اس پر حکم کفر ہے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''کفار کے میلوں تہواروں میں شریک ہو کر ان کے میلے اور جلوس مذہبی شان وشوکت بڑھانا کفر ہے۔ (بہار شریعت حصہ نہم ص ۱۳۲) لہٰذا تاوقتیکہ وہ علانیہ توبہ وتجدید ایمان نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا' اس کا ساتھ دینا اور مالی امداد وتعاون کرنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ (پ ۷ ع ۱۴) اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ ۱۲ ع ۱۰) ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبد الجبار خاں قادری مسجد قرطبہ جوگیشوری بمبئی

استاذی الکریم حضرت فقیہ ملت صاحب قبلہ دام ظلکم العالی عرض یہ ہے کہ انوار شریعت ص ۸۱ پر ایک مسئلہ یوں درج ہے کہ اگر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور تنہا پڑھنے والے نے سجدۂ سہو کر لیا تو اس کی نماز ہوگئی اور اگر امام نے ایسا کیا تو امام اور وہ مقتدی کہ جس نے پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ پڑھی ان سب کی نماز ہوگئی لیکن مسبوق یعنی وہ مقتدی جو کچھ رکعتیں ہو جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا اس کی نماز نہیں ہوئی (فتاویٰ قاضی خاں طحطاوی علی مراقی) عرض اس مقتدی کے متعلق ہے جو کچھ رکعتیں ہو جانے کے بعد شریک جماعت ہوا اسکے بے جا سجدۂ سہو کرنے پر اس کی نماز کیوں نہیں ہوئی؟ جبکہ مقتدی مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کی طرح ہے۔

الجواب: عزیزم مولانا عبد الجبار خاں قادری زیدت محاسنکم وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ...... انوار شریعت کی مذکورہ عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مسبوق نے اپنی باقی نماز پوری کرنے میں بیجا سجدۂ سہو کیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ اس صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی کہ وہ منفرد ہے اور منفرد کا حکم ان لفظوں کے ساتھ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور تنہا پڑھنے والے نے سجدۂ سہو کر لیا تو اس کی نماز ہوگئی بلکہ انوار شریعت کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور غلطی سے امام نے سجدۂ سہو کیا تو دائیں طرف سلام پھیرتے ہی اس کی نماز ختم ہوگئی اور مسبوق کو چونکہ سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم ہے اس بنیاد پر اس نے امام کی پیروی کر لی تو محل انفراد میں اقتداء کے سبب مسبوق کی نماز فاسد ہوگئی۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: انه اذا وقع لغوا فكانه لم يسجد فلم يعد الى حرمة الصلاة (رد المحتار جلد اول ص ۵۰۴) اور سید العلماء حضرت سید احمد

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لوتابعه المسبوق ثم تبین ان لا هو علیه ان علم ان لا سهو علی امامه فسدت (طحطاوی علی مراقی مطبوعه قسطنطنیه ص ۲۵۳) هذا ماعندی وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از نصر الدین ٹی ٹی آفس۔ کانپور سنٹرل

نماز کے رکوع میں کعبین کے ملانے کا کیا مسئلہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: الملفوظ حصہ چہارم ص ۵۷ پر ہے: عرض: درمختار، کبیری، صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ ارشاد: لم یثبت۔ کہیں ثابت نہیں۔ دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے اھ لیکن فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۵ پر اس کے مسنون ہونے کی تصریح ہے مگر یہ فتویٰ بہت پہلے کا ہے۔ سوال کی تاریخ ۹ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ ہے اور الملفوظ کا ارشاد ۱۳۳۶ھ کے بعد کا ہے۔ هٰکذا قال المفتی العلام محمد شریف الحق الامجدی اور حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''مجھے خیال ہے کہ بہار شریعت میں درمختار کے حوالہ سے میں نے الصاق کو سنن میں شمار کیا تھا مگر اعلیٰ حضرت قبلہ نے اسے نکال دیا''۔ (فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۸۰) لہٰذا معتبر و معتمد وہی ہے جو الملفوظ میں ہے یعنی الصاق کعبین کا سنت ہونا ثابت نہیں۔ هٰذا ما عندی وهو تعالٰی ورسوله الاعلٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبد الرشید رضوی راج گڑھ پالہ ضلع پنچ محال۔ گجرات

عشاء کی نماز باجماعت ہو رہی ہے اور زید تیسری رکعت میں شامل ہوا تو زید دو رکعت نماز جہری ادا کرے یا صرف الحمد شریف پڑھ کے نماز پوری کرے۔؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں امام کے سلام پھیر دینے کے بعد زید کو دونوں رکعتوں میں الحمد پڑھنے کے بعد کوئی سورت، تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے اگر بھول کر چھوڑ دے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا اور جان بوجھ کر چھوڑ دے گا تو نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ هٰکذا فی کتب الفقه۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از صغیر احمد مستری موضع بہادر پور ضلع بستی۔ یوپی

جس مقام پر دن اور رات چھ چھ مہینے کے برابر ہوں اس جگہ نماز پنجگانہ کس طرح ادا کی جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے وہاں انسانی آبادی کا نام نہیں کہ اسی درجے عرض سے آگے لوگوں کا گزر بھی نہیں کہ ہمیشہ ہر آن برف باری نے وہاں سمندر کو دلدل بنا رکھا ہے نہ پانی رہا کہ جہاز گزرے نہ زمین ہو کہ آدمی چلیں بلکہ ستر درجے آگے سے آبادی کا پتہ نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۱۲۷) معلوم ہوا کہ جہاں چھ چھ مہینے کے رات اور دن ہوتے ہیں وہاں انسان کا گزر نہیں تو آپ کا سوال غیر ضروری ہوا۔ لہٰذا اس طرح کا سوال کرنے سے پرہیز کریں اور نماز وغیرہ کے جن مسائل کا جاننا آپ پر فرض ہے ان کا علم حاصل کریں۔ حدیث شریف میں ہے: من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ یعنی آدمی کے حسن اسلام سے یہ بات ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کو نفع نہ دے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا الکریم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از الحاج حافظ محمد انوار رضوی محلہ ہرسدی اندور (ایم پی)

زید کہتا ہے کہ تراویح میں قرآن مجید پڑھنے والے حافظ کو ثواب کم ملتا ہے اور سننے والے کو ثواب زیادہ ملتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ پڑھنے والے حافظ کو ثواب زیادہ ملتا ہے اور سننے والے کو کم ملتا ہے تو ان میں کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب: زید کا قول صحیح ہے بیشک تراویح میں قرآن مجید پڑھنے والے حافظ کو ثواب کم ملتا ہے اور سننے والے کو زیادہ ملتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کا سننا فرض ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ (پ ۹ ع ۱۴)

اور نماز تراویح کی ہر رکعت میں صرف ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے اور پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک دو آیتیں ملانا واجب ہے لہٰذا حافظ جب اتنی تلاوت کرنے کے بعد آگے بڑھا تو وہ سنت ادا کر رہا ہے اور سننے والے شروع سے آخر تک سب فرض ہی ادا کر رہے ہیں اور فرض کا ثواب سنت سے زیادہ ہے۔ ردالمحتار جلد اول ص ۳۰۰ میں ہے: "قراۃ ایۃ من القران وھی فرض عملی فی جمیع رکعات النفل واما قراۃ الفاتحۃ والسورۃ او ثلاث ایات فھی واجبۃ ا ہ تلخیصا"

اور خارج نماز قرآن مجید پڑھنا فرض نہیں مگر سننا فرض ہے اور فرض غیر فرض سے افضل ہوتا ہے۔ غنیۃ ص ۴۶۵ میں ہے: استماع القرآن افضل من تلاوتہ وکذا فی الاشتغال بالتطوع لانہ یقع فرضا والفرض افضل من النفل

اھ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از غلام طاہر نظامی۔ مکتبہ انوار الحق۔ نثراج نگر۔ تحت کلثوم پورہ حیدر آباد (اے پی)

بخدمت گرامی حضور فقیہ ملت علامہ فہامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ۔

عرض خدمت ہے کہ حیدر آباد دکن میں یہ بات چلی آرہی ہے کہ متبرک راتوں یعنی شب معراج، شب برات اور شب قدر کے مواقع پر صلاۃ التسبیح کا باجماعت اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ کم علم اور ناواقف حضرات جو تنہا صلاۃ التسبیح ادا نہیں کر سکتے وہ جماعت میں شریک رہتے ہیں اور تمام حضرات باجماعت نماز پڑھتے ہیں لیکن اختلاف یہ پایا جارہا ہے کہ بعض حضرات نماز باجماعت کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض حضرات جائز نہیں جانتے جس کی وجہ سے مساجد میں فساد برپا ہورہا ہے۔ لہٰذا حضور فقیہ ملت کی خدمت میں عرض ہے کہ اس تعلق سے فتویٰ جاری فرمائیں کہ علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں اور اسی تعلق سے کہ یہ نماز تہجد باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامۂ کتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے۔ پھر اس کی تحدید کے متعلق چند ائمہ کرام کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ اور تین وچار میں اختلاف نقل ومشائخ اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے تو مذہب مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔ ولہٰذا درر وغرر پھر درمختار میں فرمایا: یکرہ ذالك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة واحدا۔ پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة التوارث نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۶۴) معلوم ہوا کہ صلاۃ التسبیح اور تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا ناجائز، گناہ اور ممنوع نہیں ہے بلکہ صرف مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے۔ لہٰذا ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے لوگوں پر دباؤ ڈالنا غلط ہے اور جماعت سے پڑھنے پر فساد برپا کرنا گناہ ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از جمیل اختر رضوی۔ قصبہ بارہ۔ کانپور

چاروں اماموں کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھنے کے کیا کیا طریقے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے گا۔ اور شافعیہ کے نزدیک مستحب سینہ کے نیچے باندھے گا اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ فرض نماز میں ہاتھ باندھنا مکروہ ہے چھوڑ دینا مستحب ہے البتہ نفل میں ہاتھ باندھنا ان کے نزدیک مستحب ہے۔ الصلاۃ علی المذاهب الاربعه بیان سنن الصلاۃ ص ۱۳۶ میں ہے: وضع الید الیمنی علی الید الیسریٰ وان یحلق بالابهام والخنصر علی الرسغ وجعلها تحت السرۃ وقال الشافعیۃ تحت الصدر وفوق السرۃ۔ اور اسی کتاب کے ص ۱۳۶ پر ہے: وقال المالکیۃ یکرہ ذلک فی الفرض بل یندب ارسالها اما فی السنۃ فمندوب اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد قاسم انصاری محلہ بارہ گدی مہنداول۔ بستی

زید نے کسی گھریلو بات پر ناراض ہو کر اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دے دیں جبکہ ہندہ کے پیٹ میں چھ سات مہینے کا حمل تھا۔ بعد ازاں کسی عالم سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وضع حمل کے بعد تین مہینے تیرہ دن کی عدت گزار لے اور پھر دوسرے سے شادی کر کے طلاق لے کر اتنی مدت گزارے تو زید شادی کر سکتا ہے۔ ہندہ نے مدت مذکورہ گزار کر بیمن سے شادی کی اور اس سے طلاق لے کر تقریباً چار مہینے کی مدت گزار لی ہے مگر پیچیدگی یہ درپیش ہے کہ ہندہ کی پہلے ہی سے عادت جاریہ ہے کہ ایک بچے کی پیدائش کے بعد اسے تین یا چار سال تک بالکل حیض ہی نہیں آتا اور اس کے بعد ایک دو بار آتا ہے معاً حمل قرار پا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوہر ثانی کی طلاق کے بعد ہندہ تین حیض اپنی عدت کیسے پوری کرے جبکہ پانچ بچوں کی ماں ہو چکی ہے اور ہر بار اتنے دنوں تک حیض نہیں آتا کیا حیض کا انتظار کرنے کے لئے چھ سات سال کا عرصہ گزارنا ہے یا کوئی اور صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں شوہر ثانی نے اگر بعد ہمبستری طلاق دے دی ہے تو حلالہ صحیح ہو گیا لیکن اگر اس سے حمل قرار پا گیا ہو تو بعد وضع حمل شوہر اوّل سے نکاح کر سکتی ہے ورنہ تین ماہواری آنے کے بعد۔ خواہ تین ماہواری تین ہی سال یا دس بیس سال میں آئیں۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (پ ۲ ع ۱۲) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از شاہ محمد جماعت ثامنہ دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی

زید عصر و فجر کے علاوہ نماز ادا کرنے کے بعد کچھ اوراد و وظائف پڑھتا ہے پھر توفیق ادا شکی نماز پر ایک سجدہ کرتا ہے جس میں کچھ نہیں پڑھتا آیا اس کا یہ طریقہ جائز ہے؟ نیز اس طرح سجدہ کی کوئی شرعاً اصل بھی ہے اور اگر سجدہ میں دعا ماثورہ یا قرآن

ن کوئی آیت کریمہ بنیت دعا یا کلمات تسبیح وغیرہ پڑھے تو اس طرح کا ایک سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: توفیق ادائیگی نماز پر ایک سجدہ کرنے کو سجدۂ شکر کہا جائے گا اور سجدۂ شکر کے بارے میں ائمۂ کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت ہے اور امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمۃ والرضوان کا بھی یہی قول ہے لیکن امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک سنت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: "سجدۂ شکر نزد امام شافعی سنت ست وقول امام احمد وابی یوسف و محمد نیز ہمیں ست واحادیث وآثار دریں باب بسیار ست ونزد امام ابو حنیفہ و مالک سنت نیست بلکہ مکروہ است وایشاں گویند کہ نعم الٰہی تعالیٰ غیر متناہی ست چہ ہر نفس کہ میزند نعمتی ست متضمن نعم کثیرہ وورای آں نعمتہا ست کہ در حصر واحصا نیاید وبندہ عاجز ست از ادای شکر آں پس تکلیف بداں اگرچہ بطریق سنت واستحباب بود مودی بتکلیف ما لا یطاق باشد" (شرح سفر السعادۃ ص ۱۵۹) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت نہ ہونے اور مکروہ ہونے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ سجدۂ شکر حضرت امام اعظم کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے یعنی جائز مع الکراہۃ۔ بعض لوگوں کے نزدیک سجدۂ شکر کی اصل وہ حدیث ہے جس کو حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء" یعنی بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے تو اس میں دعائیں زیادہ مانگو"۔ (مشکوۃ شریف ص ۸۴) حضرت مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ اس حدیث شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگ سجدے میں گر کر دعائیں مانگتے ہیں یعنی دعا کے لئے سجدہ کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ (مراۃ المناجیح جلد دوم ص ۸۳)

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "فی البحر وحقیقۃ السجود وضع بعض الوجہ علی الارض مما لا سخریۃ فیہ فدخل الانف (ردالمحتار جلد اول ص ۳۰۰) لہٰذا جب زید نے پیشانی اور ناک زمین پر رکھ دی تو سجدہ ہو گیا اور یہ جائز ہے اگرچہ اس میں وہ کچھ نہ پڑھے اس لئے کہ سجدہ کی حقیقت پائی گئی اور اسی بنیاد پر نماز کے سجدہ میں بھی اس کی تسبیح پڑھنا واجب نہیں تو اگر کسی نے اسے بھول کر چھوڑ دیا تو سجدۂ سہو لازم نہیں اور قصداً ترک پر نماز کا اعادہ واجب نہیں اور جب سجدۂ شکر میں کچھ نہ پڑھنا بھی جائز ہے تو اس میں دعا ماثورہ، قرآن کی آیت کریمہ بنیت دعا یا تسبیح وغیرہ کے کلمات پڑھنا بھی جائز ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں کہتے تھے: اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ واولہ واخرہ وعلانیتہ وسرہ (مشکوۃ شریف ص ۸۴) حضرت مفتی احمد یار خاں قدس سرہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "ظاہر ہے کہ یہ دعا تہجد یا کسی اور نفل کے سجدے میں بھی کبھی کبھی فرائض کے سجدے میں بیان جواز کے لئے (مراۃ جلد دوم ص ۸۱) اور جب تہجد، دیگر نوافل [illegible] کے سجدے میں اس طرح کی دعا پڑھنا

جائز ہے تو بعد نماز عصر میں دعا ماثورہ وغیرہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ هذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از تیغ علی قادری خطیب مسجد تمائی ہیرو ڈیہہ کوڈرما۔ ہزاری باغ صوبہ بہار ہند

(۱)...... زید سنی صحیح العقیدہ عالم دین ہے جو ایک مسجد میں امامت کے منصب پر فائز ہے اس مسجد سے دو کتابیں غائب ہو گئیں لیکن بکر جو دیوبندی مکتبۂ فکر کا حافظ ہے اس نے زید موصوف پر کتب مذکور کی چوری کا الزام عائد کیا ہے بغیر ثبوت شرعی کے صورت مسئولہ میں زید کی اقتداء اگر بکر کرے تو درست ہوگی یا نہیں؟ اور بکر کی اقتداء زید کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲)...... بعد نماز فجر و عصر مصلیان مسجد زید (امام) سے مصافحہ کرتے ہیں اور زید (امام) مصلیان مسجد کو اقامت کے وقت حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں جس پر ایک شخص کا اعتراض ہے کہ اس گاؤں میں دو فرقے کے لوگ ہیں اس لئے یہاں قرآن و حدیث کی کوئی بات نہ چلے گی۔ بلکہ گاؤں کے دستور سابقہ پر عمل کرنا ہوگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث کی باتیں نہ چلنے کا قول کرے اس کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

(۳)...... بعد نماز فجر و عصر مصافحہ اور تکبیر کے وقت حی علی الفلاح پر اٹھنے سے متعلق فقہ حنفیہ کا کیا حکم ہے۔

نوٹ: صحاح ستہ کی حدیثوں میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی کوئی دلیل ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱)...... حافظ بکر جو دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے اگر وہ مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ص ۱۴، ص ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع کے باوجود ان مذکورہ مولویوں کو مسلمان مانتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین کافر و مرتد ہے بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ اب وہابیہ میں کوئی ایسا نہ رہا جس کی بدعت کفر سے گری ہوئی ہو خواہ غیر مقلد ہو یا بظاہر مقلد۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ ص ۱۷۰)

لہٰذا بکر کی نماز عند الشرع نماز ہی نہیں تو اس کا زید یا کسی اور کی اقتداء کرنا بیکار اور اقتداء کے درست ہونے اور نہ ہونے کا سوال لغو ہے اور زید بکر کی اقتداء ہرگز نہیں کر سکتا کہ سنی کو دیوبندی کی اقتداء کرنا حرام و ناجائز ہے اور مسلمان سمجھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھنا کفر ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم

(۲)...... یہ کہنا کفر ہے کہ قرآن و حدیث کی کوئی بات نہ چلے گی۔ ایسا کہنے والا علانیہ توبہ و استغفار کرے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ وهو تعالیٰ اعلم

(۳)......بعد نماز فجر و عصر بلکہ ہر نماز با جماعت کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے۔ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبرا میں ہے: "تجوز المصافحة ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة ای مباحة حسنة كما افاده النووی فی اذكاره ادملخصًا۔ یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے اور فقہاء نے جو اسے بدعت فرمایا تو وہ بدعت مباحہ حسنہ ہے۔

اور فقہ حنفی میں تکبیر کے وقت حی علی الفلاح پر اٹھنے کا حکم ہے جیسا کہ محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلاۃ فیصفوا ویسووا الصفوف"۔ یعنی تکبیر کے وقت مکبر جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ (مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص ۸۷) اور سید العلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی مضمرات قهستانی ویفهم منه کراهته القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنه غافلون۔ یعنی مکبر جب تکبیر کہنے لگے اور کوئی مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں (طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۵۱) فقہ کا مطلقاً انکار کرنا اور کسی بھی مسئلہ پر صرف صحاح ستہ کی حدیثوں کا مطالبہ کرنا اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثوں کو نہ ماننا گمراہی و بدمذہبی ہے کہ شریعت کے بے شمار مسائل حدیث کی دوسری کتابوں سے بھی ثابت ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ شوال ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از نور محمد اطہر مسجد پنجابیان محلہ کٹرہ شہاب خاں اٹاوہ

زید اپنی دکان میں ویڈیو گیم رکھتا ہے اور اس کے ذریعہ جو بھی آمدنی ہوتی ہے اسے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے اور زید امامت بھی کرتا ہے اور زید کڑھائی ماسٹر بھی ہے کپڑوں میں جاندار و غیر جاندار کی تصویریں بنانا ہی اس کا ذریعہ معاش ہے اور زید اپنی بیوی سے عزل کرتا ہے تاکہ زیادہ اولاد نہ ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان صورتوں میں زید کی امامت صحیح ہے یا نہیں۔ نیز عزل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب: زید اگر واقعی ویڈیو گیم کے ذریعہ آمدنی کماتا ہے اور کپڑوں میں جاندار کی تصویریں بناتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ یہ چیزیں حرام و ناجائز ہیں اور عزل حرہ عورت کی اجازت سے جائز ہے ورنہ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: نهی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنها لخرجه ابن ماجة والبیهقی۔ اور عمدۃ الرعایہ میں ہے: "العزل وهو الانزال خارج الفرج وهو مباح فی امة الواطی مکروہ فی

الحرۃ الا باذنہا اھ ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ ربیع الاخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از معین الدین رضوی بن محمد اسحاق موضع ڈاڑی پور پوسٹ بلیہاری ضلع مہران گنج

زید جو صوم وصلاۃ کا پابند ہے اور امامت بھی کرتا رہا اور کر رہا ہے زید کا حقیقی لڑکا بکر ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت اپنے ہی گھر پر دکان میں کر کیا کرتا ہے یہی جز بکر کا ذریعہ معاش ہے۔ بکر اپنے باپ زید کے ہی زیر سرپرستی میں رہتا ہے اور ایک ہی ساتھ طعام و قیام و دیگر اخراجات کا بوجھ شامل ہے۔ بکر کا والد زید جو امامت کر رہا ہے از روئے شرع اس کا امامت کرنا جائز ہے یا پھر اس میں کوئی قباحت ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”بھنگ وافیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قلیل جز ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تفتیر نہ ہو اندرونی بھی جائز۔ تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں تو ان کی بیع حرام نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۱۸۴ مطبوعہ سنی دار الاشاعت مبارکپور) اسی طرح ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ بھی معصیت کے لئے متعین نہیں کہ ان کے ذریعہ تلاوت قرآن' نعت شریف' وعظ و تقریر اور خبریں بھی سنی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کی بیع بھی حرام نہیں اور نہ ان کی مرمت ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت اور تحریر فرماتے ہیں: ”نفس اجرت کہ کسی فعل حرام کے مقابل نہ ہو حرام نہیں۔ یہی معنی ہیں اس قول حنفیہ کے کہ یطیب الاجر وان کانت السبب حراما کما فی الاشباہ وغیرھا (فتاویٰ رضویہ جلد ۸ ص ۱۶۶۔ ۱۶۷) یہاں تک کہ بت خانہ جو عبادت غیر اللہ کے لئے متعین ہے مسلمان راج گیر کو اجرت پر اس کی تعمیر و مرمت بھی حرام نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اول ص ۸۵ پر خانیہ سے ہے: لواجر نفسہ یعمل فی الکنیسۃ ویعمرھا لاباس بہ لانہ معصیۃ فی عین العمل اھ۔ خلاصہ یہ کہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت کے سبب زید و بکر پر کوئی گناہ نہیں۔ البتہ جو کام مسلمانوں کی نگاہ میں برا ہو اس سے بچنا چاہئے۔ زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع الاخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد کلیم اللہ برکاتی۔ مدرسہ برکاتیہ محلہ شیر پور مگھر بستی

جس کے گھر کی عورتیں کھیت میں کام کرتی ہیں وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں اگر باہر نکلنے (اور کھیت وغیرہ میں کام

کرنے) میں اس (کے گھر کی عورتوں) کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہوں مثلاً باریک کہ بدن چمکے یا او چھے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے اونچی کرتی پیٹ کھلا ہوا یا بے طوری سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکا یا کچھ حصہ بالوں کا کھلا یا زرق برق پوشاک جس پر نگاہ پڑے اور احتمال فتنہ ہو یا اس کی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور شوہر (یا گھر کا ذمہ دار) ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوث ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فان الدیوث من لا یغار علی امراتہ او محرمہ. کما فی الدرالمختار وھو فاسق واجب التعزیر. فی الدرلواقر علی نفسہ بالدیات او عرف بھا لا یقتل مالم یستحل ویبالغ فی تعزیرۃ الخ والفاسق تکرہ الصلاۃ خلفہ اور اگر ان شناعتوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۷۵) وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از الحاج عبدالعزیز فردوسی رگان شاہی ڈاکخانہ آزادنگر (مانگو) جمشید نگر بہار

(۱)...... ہمارے یہاں کی مسجد کے امام صاحب نے رمضان شریف میں تراویح پڑھائی تو قرآن پاک کے چودہ سجدے جو واجب ہیں ان میں سے صرف چھ سجدے کئے۔ پارہ ۱۳، پارہ ۱۵، پارہ ۱۷، پارہ ۱۹، آخری سجدہ و پارہ ۳۰ درمیان کے باقی آٹھ سجدہ انہوں نے نہیں کیے۔ سوال کرنے پر انہوں نے کہا کہ اسی میں ہو گئے کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہماری عمر تقریباً ۸۰ برس ہو رہی ہے۔ بہت اماموں کے پیچھے میں نے تراویح پڑھی ہے یہی قاعدہ رہا کہ آیت سجدہ کے قبل مقتدیوں کو آگاہ کر دیا کرتے کہ پہلی یا دوسری رکعت میں سجدہ ہے۔ امت کا تعامل تو اسی پر زیادہ ہے اس کیخلاف یہ نیا طریقہ کہاں سے انہوں نے نکالا کیا یہ ترک واجب نہیں ہے؟ وہ خود ترک واجب کئے اور مقتدیوں کو ترک واجب کر کے گنہگار بنائے ہیں کیا ترک واجب کا گناہ نہ ہوا؟ بینوا توجروا

(۲)...... یہی امام صاحب صبح کی نماز کے بعد مائک لگا کر صلوٰۃ یا سلام پڑھتے ہیں جبکہ بہت سے ایسے نمازی ہوتے ہیں جن کی نماز جماعت سے چھوٹ جاتی ہے۔ وہ نماز پڑھتے ہوتے ہیں اور مائک کی سخت تیز آواز کے باعث ان کی نماز و قرات میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہی صورت جمعہ کے روز بھی ہوتی ہے کہ بہت سے نمازی کچھ نوافل درود شریف میں مشغول ہوتے ہیں کہ پھر صلاۃ و سلام شروع ہو جاتا ہے اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

(۳)...... سرکار کی یہ حدیث پاک کہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کیا یہ اس دور کے ہر مولوی اور عالم کے لئے ہے جو درس نظامیہ کی کچھ کتابیں پڑھ کر عالم کی سند لے لے اور اپنے کو وارث انبیاء کہنے لگے یا اس کے لئے خاص قسم کے علماء مراد ہیں اور اس کے کچھ خاص شرائط ہیں اور وارث انبیاء کا مقام پانے والے کون عالم اور کون سی خاص جماعت ہے جنہیں ہم صحیح طور پر وارث انبیاء کہہ سکیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب ارسال فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......امام مذکور نے جن آٹھ جگہوں میں سجدۂ تلاوت نہیں کیا۔ اگر ان مقامات میں سجدہ کی آیتوں کو پڑھنے کے بعد فوراً نماز کا سجدہ کر لیا یعنی آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھی اور رکوع کر کے سجدہ کیا تو اگرچہ سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کی ہو ادا ہو گیا الگ سے سجدۂ تلاوت واجب نہ رہا۔ ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم ص ۶۹ میں ہے اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۵۴ پر ہے: سجدۂ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدۂ تلاوت خود بخود ادا ہو جاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔ ردالمحتار (جلد اوّل ص ۵۱۹) لورکع وسجد للصلاة فوراً تاب سجود المقتدی عن سجود التلاوة تبعا بسجود امامه لما مرانفا انها تودی لسجود التلاوة فورا وان لم ینو۔ بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفائے قرات اسی طریقہ کو مطلقاً افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً نماز کے رکوع وسجود کرے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدہ کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہو جاتا ہے۔

مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۶۴ میں ہے: ینبغی ذالك للامام مع کثرة القوم اوحال المخافتة حتی لایودی الی التخلیط ا ھ ملخصًا......اور اگر امام مذکور نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد تین آیتوں تک نماز کا بھی رکوع کے بعد سجدہ نہ کیا تو واجب ترک کرنے کے سبب بیشک وہ گنہگار ہوا۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲)......آواز کے ساتھ اوراد وظائف یا قرآن مجید کی تلاوت سے لوگوں کی نمازوں میں خلل ہو تو اس کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۹۶)

لہٰذا لاؤڈ سپیکر سے یا اس کے بغیر جہر سے صلاۃ وسلام پڑھنے کے سبب اگر لوگوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہو تو لوگوں پر واجب ہے کہ امام کو ایسا کرنے سے روکیں۔ اگر قدرت کے باوجود امام کو ایسا کرنے سے لوگ نہیں منع کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے اور امام پر لازم ہے کہ وہ اس طرح صلاۃ وسلام پڑھنے سے باز آجائیں۔ اس کے بجائے ہر شخص الگ الگ آہستہ آہستہ صلاۃ وسلام پڑھیں اور یا تو فجر کی جماعت ایسے وقت میں قائم کریں کہ اس سے فارغ ہو کر صرف دو تین بند سلام پڑھیں جس میں نئے آنے والے نمازی بھی شریک ہو جائیں پھر اس کے بعد وہ بآسانی سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھ سکیں اور اس طرح صلاۃ وسلام پڑھے جانے کا بار بار اعلان کرتے رہیں تاکہ بعد جماعت آنے والے ختم سلام سے پہلے نماز نہ شروع کریں اور بعد نماز جمعہ تاوقتیکہ لوگ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں صلاۃ وسلام ہرگز نہ شروع کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳)......العلماء ورثة الانبیاء سے مراد اہل سنت وجماعت کے وہ علماء ہیں جو حقیقت میں علم والے ہیں چاہے وہ سند یافتہ ہوں یا نہ ہوں کہ سند کوئی چیز نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ جاہلوں کو عالم فاضل کی سند دی جارہی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: سند کوئی چیز نہیں کہ بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۲۳۱) اور تحریر فرماتے ہیں سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی

عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی (خواہ مدرسہ میں رہ کر) وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا۔ (فتاوٰی رضویہ جلد دہم ص ۵۷۲) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان اس حدیث شریف کی شرح میں جس کا ایک جزان العلماء ورثة الانبياء ہے تحریر فرماتے ہیں کہ عالم دین سے وہ شخص مراد ہے جو علم حاصل کرنے کے بعد فرائض وسنن مؤکدہ ضروری عبادتیں کرتا ہو یعنی بے عمل نہ ہو (اشعۃ اللمعات فارسی جلد اول ص ۱۵۹) اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: حاصله ان العلم يورث الخشية وهو تنتج التقوىٰ وهو موجب الاكرمية والافضيلة وفيه اشارة الى ان من لم يكن علمه كذالك فهو كالجاهل بل هو جاهل یعنی آیت مبارکہ: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کا خلاصہ یہ ہے کہ علم دین خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے جس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور وہی عالم کی اکرمیت وافضلیت کا سبب ہے اور آیت کریمہ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جس شخص کا علم ایسا نہ ہو وہ جاہل کے مثل ہے بلکہ وہ جاہل ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول ص ۲۳۱) اور حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انما العالم من خشي الله عزوجل یعنی عالم صرف وہ ہے جسے خداتعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت حاصل ہو (تفسیر خازن ومعالم التنزیل جلد پنجم ص ۳۰۲) اور امام ربیع بن انس علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا من لم يخش الله فليس بعالم یعنی جسے اللہ کا خوف اور اس کی خشیت حاصل نہ ہو وہ عالم نہیں (تفسیر خازن جلد پنجم ص ۳۰۲) ان حوالہ جات سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ وارث انبیاء وہ علماء اہلسنت ہیں جو باقاعدہ تعلیم حاصل کیے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں خدا کا خوف وخشیت رکھتے ہیں اور فرائض وسنن مؤکدہ ضروری عبادتیں کرتے ہوں بے عمل نہ ہوں۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد اقبال مصباحی ۲۹ والنٹ۔ الیس ٹی بولٹن (برطانیہ)

(۱) زید نے اپنی ضرورت کے علاوہ ایک اور مکان خریدا جس کی قیمت تقریباً ۲۰ ہزار پونڈ ہے۔ فی الحال اس مکان کی کوئی ضرورت نہیں نہ کرایہ پر ہے نہ اس میں رہائش۔ محض اس غرض سے خریدا کہ آئندہ بچوں کے لئے آسانی رہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مکان کی قیمت پر زکاۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۲)...... ہماری مسجد دو منزلہ ہے نیچے جماعت خانہ ہے جس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے اور اوپر کے حصے میں مدرسہ ہے (واقف نے پہلے اسی طرح نیت کی تھی) رمضان المبارک کے ایام میں اوپر کے ہال میں اگر اعتکاف کیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟ اوپر جانے کا راستہ خارج مسجد سے ہے۔ بینوا توجروا

(۳)...... ایک شخص تفضیلی شیعہ ہے نماز اہل سنت وجماعت کی مسجد میں ادا کرتا ہے اس کے بچے بھی اہل سنت کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں ایسے شخص کے انتقال پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا یا اس کی مغفرت کے لئے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا

توجروا

الجواب: (۱)......چالیس پچاس ہزار کے مکانات صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خریدے گئے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مکانات پر زکاۃ نہیں اگر چہ وہ پچاس کروڑ کے ہوں (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۲۸) اور جب کرایہ کے مکان پر زکوٰۃ نہیں تو مکان مذکور جو آئندہ بچوں کے رہنے کے لئے خریدا گیا ہے اس پر بدرجۂ اولیٰ زکاۃ نہیں۔ البتہ جو مکان بیچ کر نفع حاصل کرنے کی غرض سے خریدا جائے اس پر زکاۃ فرض ہوگی۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲)......اوپر کا حصہ جبکہ مدرسہ ہے تو اس کے ہال میں اعتکاف درست نہیں اس لئے کہ اعتکاف کے لئے مسجد ہونا شرط ہے۔ بدائع الصنائع جلد دوم ص ۱۱۲ پر ہے: اما الذی یرجع الی المعتکف فیہ فالمسجد وانہ شرط فی نوعی الاعتکاف الواجب والتطوع اھ وھو تعالٰی اعلم

(۳)......اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ رافضی اگر صرف تفضیلیہ ہے تو اس کے جنازہ کی نماز بھی نہ چاہئے۔

متعدد احادیث میں بدمذہبوں کی نسبت ارشاد ہوا: ان ماتوا فلا تشھدوھم۔ وہ مریں تو ان کے جنازہ پر نہ جائیں ولا تصلوا علیھم ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کو توبہ واستغفار کرنی چاہئے (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۹۳) یہی حکم اس کی مغفرت کی دعا کرنے کے بارے میں بھی ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۶ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از نور محمد اطہر مسجد پنجابیان محلہ کٹرا شہاب خاں اٹاوہ

خالد پانچ گاڑیوں کا مالک ہے، ان میں سے جو روپیہ کرایہ کا آتا ہے اس کو ضروریات زندگی میں خرچ کرنے کے بعد وہ اتنے روپے کے مال کا مالک نہیں کہ سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچے ہاں اگر ان میں سے ایک گاڑی کی قیمت جوڑ کر شامل کرے تو نصاب کو پہنچ جاتا ہے اس صورت میں خالد پر زکاۃ کا حکم ہے یا نہیں؟ یا خالد نے بینک میں روپیہ جمع کیا حولان حول وحاجت اصلیہ سے فارغ ہونے پر بینک میں جمع شدہ ہی رقم بچی جو صاحب نصاب ہونے کے لئے کافی ہے اس صورت میں خالد پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر صاحب بینک تاریخ متعین کردے کہ دس سال کے بعد روپیہ ملے گا تو اب خالد نو سال تک زکاۃ دے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: کرایہ کی گاڑی پر زکوٰۃ واجب نہیں اگر چہ وہ کئی لاکھ کی ہو۔ البتہ کرایہ سے سال تمام پر جو پس انداز ہوگا اس پر زکاۃ واجب ہوگی اگر چہ خود یا اور مال سے مل کر بقدر نصاب ہوں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ

تحریر فرماتے ہیں زکاۃ صرف تین چیزوں پر ہے سونا چاندی کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے سکے ہوں یا پتر ہوں یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی چیزوں پر نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۲۸) اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۷۷ میں ہے: لوکان له حوانيت اودار غلة تساوي ثلثة الاف درهم وغلتها لا تكفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة اليه في قول محمد رحمه الله تعالىٰ. ولوكان له ضيعة تساوي ثلاثة الاف ولا تخرج مايكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوزله اخذ الزكاة هٰكذا في فتاوىٰ قاضي خان۔

اور بینک میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے اگر خود یا دوسرے مال سے مل کر بقدر نصاب ہوں تو ان پر بھی زکاۃ واجب ہوتی ہے اور بینک میں مدت معینہ کے لئے جو رقم جمع کی جاتی ہے اس پر بھی۔ لہٰذا دس سال کے لئے جو روپیہ جمع کیا گیا ہے جب وہ وصول ہوں گے تو اس وقت پورے دس سال کے حساب لگا کر ادائیگی واجب ہوگی۔ هٰكذا في الجزء الرابع من الفتاوىٰ الرضوية. هذا ماعندي وهوتعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ

مسئلہ: از شبیر احمد مصباحی۔ مدرسہ حنفیہ محلہ عالم خان۔ جونپور

(۱)...... گل منجن اور کول گیٹ وغیرہ کا استعمال روزہ کی حالت میں کیسا ہے؟ اگر متعدد بار استعمال کیا تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹے گا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا؟

(۲)...... مرغ اور تمام حلال جانوروں کے گوشت کے ساتھ ان کی کھال یا صرف کھال کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱)...... حالت روزہ میں کسی طرح کا منجن یا کول گیٹ وغیرہ کا استعمال بلاضرورت صحیحہ مکروہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ منجن حرام و ناجائز نہیں جبکہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جز حلق میں نہ جائے گا مگر بے ضرورت صحیحہ کراہت ضرور ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۱۴) اگر اس کا کچھ حصہ حلق میں چلا گیا اور حلق میں اس کا مزہ محسوس ہوا تو روزہ جاتا رہا مگر اس صورت میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۹۸ میں ہے: اكل مثل سمسة من خارج يفطر الامضغ بحيث تلاشت في فمه الاان يجد الطعم في حلقه اھ۔ اور حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ غلطی سے پانی وغیرہ کوئی چیز حلق میں چلی گئی تو صرف قضا واجب ہوگی۔

(بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۱۹)

انتباہ: علماء کو کافی اطمینان ہو تب بھی منجن نہ استعمال کریں کہ عوام انہیں دیکھ کر استعمال کرنے لگیں گے اور اپنے روزوں کو برباد کردیں گے...... اور حالت روزہ میں اگر کسی چیز کا استعمال مکروہ تحریمی ہو تو متعدد بار استعمال کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا

صرف گناہ ہوگا جیسے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا مکروہ تحریمی ہے مگر بار بار ایسا کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)......تمام مذبوح حلال جانور مرغ، بکری اور گائے بھینس وغیرہ کی کھال حلال ہے شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۲۴ میں ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از شمس الدین راعینی۔ مقام دوبولیا بازار۔ ضلع بستی

عیدگاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: عیدگاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے جیسا کہ سید العلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لا تکرہ فی مسجد اعدلھا وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید۔ (طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۳۲۶) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: الحاج عبد السلام خاں رضوی نور کاٹن انڈسٹریز بھدوہی

میت کی طرف سے نماز اور روزوں کے فدیہ نکالنے کا مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من مات وعلیہ صوم شھر فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکین۔ یعنی جو کوئی مر جائے اور اس پر روزے کی قضا باقی ہو تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور فرماتے ہیں: لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد ولکن یطعم عنہ۔ یعنی کوئی کسی کی جانب سے روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے ہاں اس کی طرف سے کھانا کھلائے (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۳۸) اور سید العلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قد ورد النص فی الصوم باسقاطہ بالفدیۃ واتفقت کلمۃ المشائخ علی ان الصلاۃ کالصوم استحسانا لکونھا اھم منہ۔ یعنی فدیہ دے کر روزہ ساقط کرنے کے بارے میں نص وارد ہے اور مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس مسئلہ میں نماز روزہ کی مثل ہے اس لئے کہ وہ روزہ سے اہم ہے۔ (طحطاوی علی مراقی ص ۲۳۷)

لہٰذا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ نماز روزہ کی قضا باقی ہو اور کفارہ کی وصیت کر جائے تو ورثا اسے ادا کریں۔ حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لومات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلاۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصوم من ثلث مالہ ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف

ماء مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم یعنی اگر کوئی قضا نمازیں اپنے ذمہ لے کر مر گیا اور کفارہ کی وصیت کر گیا تو ہر نماز اور ہر روزہ کے بدلے نصف صاع گیہوں صدقۂ فطر کی طرح اس کے تہائی مال میں سے دیئے جائیں اور اگر میت نے کچھ مال نہ چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گیہوں لے کر ایک نماز یا ایک روزہ کے بدلے کسی غریب کو دے۔ پھر وہ غریب اسی وارث کو واپس کر دے اور اسی طرح اتنی بار لوٹ پھیر کرے کہ سب نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ (درمختار مع شامی جلد اول ص ۴۹۲)

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات انه يجزيه انشاء الله تعالى یعنی اگر میت نے وصیت نہیں کی پھر بھی وارث نے فدیہ ادا کر دیا تو حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا: انشاء اللہ وہ بھی کافی ہو جائے گا (ردالمحتار جلد اول ص ۴۹۲) اسی لئے میت کے ذمہ اگر نماز روزہ کی قضا باقی ہے مگر اس نے فدیہ کی وصیت نہیں کی ہے پھر بھی بہت سے لوگ اپنے عزیز کو بری الذمہ کرنے اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے اس کو بچانے کے لئے جس قدر نماز اور روزے اس کے ذمہ ہوتے ہیں ان کا فدیہ نکالتے ہیں۔

اور مرنے والا اگر نماز روزے کا پابند تھا تو اس صورت میں بھی اس کی طرف سے فدیہ نکالنا چاہئے۔ اس لئے کہ عموماً لوگ بڑھاپے میں پابند ہوتے ہیں جوانی میں' خاص کر بالغ ہوتے ہی پابند نہیں ہوتے اور نہ ان کو بعد ہی میں ادا کرتے ہیں تو اس زمانے کی قضائیں باقی رہ جاتی ہیں اور پھر ان عبادتوں کی ادائیگی میں عام طور پر لوگ مسائل کی رعایت نہیں کرتے۔ کپڑے کو پاک کرنا نہیں جانتے' غسل میں ناک کی سخت ہڈی تک پانی نہیں چڑھاتے' اعضائے وضو کے بعض حصے کو دھوتے ہیں اور بعض حصوں کو صرف بھگوا کر چھوڑ دیتے ہیں' نماز کے اندر سجدہ میں انگلی کا پیٹ زمین پر نہیں لگاتے اور خاص کر قرآن مجید غلط پڑھتے ہیں۔ العلمين کو الالمين۔ الرحمن الرحيم کو الرهمن الرهيم' اياك نعبد واياك نستعين کو اياك نابدو اياك نستيئن۔ الصراط کو السرات اور انعمت کو اناامت پڑھتے ہیں اور صحیح پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے جن کے سبب ان کی نمازیں باطل ہو جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو بہار شریعت' فتاویٰ رضویہ اور ردالمحتار۔ تو اس طرح کی غلطیاں کرنے والے بظاہر نمازی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ساری نمازیں ان کے ذمہ باقی رہ جاتی ہیں۔

اور اسی طرح روزہ میں بھی اس کے احکام کی رعایت نہیں کرتے سحری کا وقت ختم ہو جانے کے بعد بھی کھاتے پیتے رہتے ہیں اور مسائل نہ جاننے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے یا کر بیٹھتے ہیں کہ جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا میت کے گھر والوں کو چاہئے کہ اس کی پوری زندگی کے روزہ و نماز کا فدیہ نکالیں مگر افسوس کہ میت کے چالیسواں وغیرہ میں رشتہ دار' دوست واحباب اور دیگر لوگوں کے کھانے کی دعوت کا شادی کی طرح بڑا اہتمام کرتے ہیں مگر جن عبادتوں کے چھوڑنے یا ان کی ادا میں مسائل کی رعایت نہ کرنے کے سبب خدا تعالیٰ کے یہاں جو مواخذہ ہوگا میت کو اس سے چھٹکارا دلانے کی فکر نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے۔

لیکن واضح رہے کہ فدیہ کے بھروسے روزہ اور نماز کو چھوڑنا یا ادائیگی میں ان کے مسائل کی رعایت نہ کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ بعض علماء کے نزدیک اس صورت میں فدیہ دینا بھی جائز نہیں۔ حضرت علامہ شیخ محمد صالح کمال مفتی مکہ معظمہ و سابق امام و خطیب مسجد حرام اپنے رسالہ القول الاتم میں تحریر فرماتے ہیں: لایجوز ترک الصلاۃ اعتمادا علی ھذا الاسقاط کما لا یجوز ترکھا اعتمادا علی القضاء ولا یجوز التساھل فی الاداء والقضاء معتمدا علیه ولو اوصی به بل یجب علیه القضاء فان لم یفعل کان اثما وھل یجزیه حینئذ ھذا الاسقاط فی کلام بعضھم الاشارۃ الی انه لایجزی۔ یعنی اسقاط وفدیہ کے بھروسے پر نماز چھوڑنا جائز نہیں جیسا کہ قضا کے بھروسے پر اس کا چھوڑنا جائز نہیں اور اسقاط وفدیہ کے بھروسے پر ادا و قضا میں تساہل و تاخیر بھی ناجائز ہے اگرچہ اس کی وصیت کردی ہو بلکہ اس پر قضا واجب ہے۔ اگر قضا نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا اور کیا ایسی صورت میں اسقاط وفدیہ جائز ہوگا؟ تو بعض علماء کے کلام میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ایسی صورت میں اسقاط وفدیہ کافی نہ ہوگا۔ (رسالہ اسقاط الصوم والصلوٰۃ ص ۱۵)

حیلۂ شرعی کا بہترین طریقہ کہ جس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کپڑا وغیرہ کوئی چیز عاقل بالغ کو دکھائے جو مصرف زکاۃ ہو اور فدیہ کی جتنی رقم بنتی ہو اتنے روپے کے بدلے میں اس چیز کو اس غریب سے خریدنے کے لئے کہے اور بتادے کہ سب روپے ہم تمہیں دیں گے اس سے تم اس چیز کی قیمت ادا کردینا۔ وہ یقیناً قبول کرلے گا اس لئے کہ وہ چیز اس کو مفت ہی حاصل ہو جائے گی۔ قبول کرلینے کے بعد بیع ہوگئی۔ اب ایک بڑی رقم اس غریب کے ہاتھ میں فدیہ کی نیت سے دے۔ جب وہ ان روپیوں پر قبضہ کرلے تو اس سے اپنے بیچے ہوئے سامان کی قیمت وصول کرلے۔ اگر وہ نہ دے تو زبردستی ہاتھ پکڑ کر اور مار پیٹ کر بھی وصول کرسکتا ہے۔ اگر ایک بار ایسا کرنے میں فدیہ کی رقم پوری نہ ہو تو چند بار ایسے ہی کرے یہاں تک کہ وہ پوری ہو جائے۔ حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یعطی مدیونه الفقیر زکاۃ ثم یاخذھا عن دینه ولو امتنع المدیون مدیده واخذھا۔ (درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۲)

اور بعض لوگ زندگی بھر کے کفارہ میں جو ایک قرآن مجید فدیہ دینے کو کافی سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ بہت عوام دوری نہیں کرتے۔ ایک مصحف شریف دے دیا اور سمجھ لیا کہ عمر بھر کا کفارہ ادا ہوگیا یہ محض مہمل و باطل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۲۸) اور حیلۂ شرعی کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی تو خدا تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ یعنی اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر اس سے مار دو اور قسم نہ توڑو (پ ۲۳ سورہ ص آیت ص ۴۴) حضرت سید احمد حموی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ھذا تعلیم المخلص لایوب علیه السلام عن یمینه التی حلف لیضربن امراته مائة عود وعن ابن عباس رضی اللہ عنه انه قال وقعت وحشة بین ھاجرۃ وسارۃ فحلفت سارۃ ان ظفرت بھا قطعت عضوا منھا فارسل اللہ تعالی جبریل علیه السلام الی ابراھیم

علیہ السلام ان یصلح بینھما فقالت سارۃ ماحیلۃ یمینی فاوحی اللہ تعالٰی الی ابراھیم علیہ السلام ان یامر سارۃ ان تثقب اذنی ھاجرۃ فمن ثم ثقوب الآذان کذافی التارخانیۃ یعنی مذکورہ آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی قسم سے بری ہونے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا تھا تو حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ اگر میں ہاجرہ پر قابو پاؤں گی تو ان کا کوئی عضو کاٹوں گی تو اللہ تعالٰی نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ان دونوں میں صلح کرادو۔ تو حضرت سارہ نے کہا: میری قسم سے بری ہونے کا کیا طریقہ ہے تو اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ سارہ کو حکم دو کہ وہ ہاجرہ کے کان چھید دے قسم سے بری ہو جائے گی۔ تو سارہ نے ایسا ہی کیا اور اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدنے کا رواج ہوا ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔ (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر جلد چہارم ص ۲۳۰)

الجواب صحیح: جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ: محمد ابرار احمد امجدی

مسئلہ: از صوفی محمد صدیق نوری۔ ۲۰ جواہر مارگ اندور

اگر حج کا احرام باندھتے وقت عورت کو حیض آ گیا تو وہ کیا کرے؟ اور مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت اگر حیض آ جائے تو عورت کو طواف رخصت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر حج کا احرام باندھتے وقت عورت کو حیض آیا تو وہ غسل کر کے احرام باندھے اور طواف وسعی کے علاوہ حج کے سارے ارکان ادا کرے جیسا کہ شامی جلد دوم ص ۱۹۰ میں ہے: لو حاضت قبل الاحرام اغتسلت واحرمت وشھدت جمیع المناسك الاالطواف والسعی اھ۔ اور مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت عورتیں حیض یا نفاس میں مبتلا ہوں تو طواف رخصت نہ کریں بلکہ مسجد سے باہر دروازہ پر کھڑی ہو کر دعا کریں اور نہایت درد و غم کے ساتھ کعبہ شریف کو الوداع کہیں (حج و زیارت للامجدی، ص ۸۴) اور طواف کے چھوٹ جانے کے سبب ان پر کچھ لازم نہیں جیسا کہ ہدایہ جلد اوّل ص ۲۴۵ پر ہے: ان حاضت بعد الوقوف وطواف الزیارۃ انصرفت من مکۃ ولا شئ علیہ لطواف الصدر اھ۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از شرف الدین احمد قادری خطیب مسجد املی پورہ۔ کھنڈوہ

آج کل سعودی حکومت حاجیوں سے قربانی کے لئے پیسے جمع کرا لیتی ہے پھر وہی خود قربانی کرتی ہے تو ایسی قربانی صحیح ہوتی

ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہوتی تو حاجی پر مواخذہ باقی رہتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر محمد بن عبدالوہاب نجدی جیسا کفری عقیدہ رکھنے والوں نے قربانی کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی۔ اس صورت میں مفرد کا حج ناقص نہیں ہوتا کہ اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ البتہ قارن ومتمتع پر مطالبہ باقی رہ جاتا ہے اور ان کا حج ناقص ہو جاتا ہے کہ حج کے شکرانہ کی قربانی ان پر واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کریں کہ اس کا پیسہ جمع کرنا سعودی حکومت کے قانون سے حاجیوں پر لازم نہیں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از اسلام علی۔ ساکن محلہ نوشہرہ بلرامپور۔ گونڈہ

ہندہ سنیہ کی شادی بکر سے تقریباً پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ ہندہ اپنے سسرال پانچ سال کے عرصہ میں صرف تین بار گئی۔ جانے پر معلوم ہوا کہ بکر بدعقیدہ دیوبندی ہے وہی خیالات فاسدہ جو ان کے اکابرین کے ہیں اسی پر قائم ہے اور بکر کے والدین بھی اسی عقیدۂ فاسدہ پر قائم ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ دیوبندی مسلک کا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ ایسی صورت میں کیا کرے؟ ہندہ کے والدین پہلے ان کے عقائد فاسدہ پر مطلع نہ تھے۔ اب جبکہ ان کا عقیدہ معلوم ہو گیا تو عندالشرع جو بھی حکم ہو مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہندہ کے والدین شریعت کو کھیل بنانا چاہتے ہیں۔ سوال سے ظاہر ہے کہ انہوں نے بکر کا عقیدہ معلوم کئے بغیر اس کے ساتھ ہندہ کی شادی کر دی اور جب پانچ سال کے عرصہ میں صرف تین بار ہندہ بکر کے یہاں گئی یعنی تعلقات خراب ہوئے تو اب اس کے دیوبندی ہونے کا بہانہ بنا کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے ہندہ کے والدین کو مجمع عام میں توبہ واستغفار کرایا جائے۔ ان کا نکاح پھر سے پڑھایا جائے اور ان سے عہد لیا جائے کہ وہ آئندہ کبھی ہرگز کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی مذہب کی تحقیق کئے بغیر نہیں کریں گے۔ اس کے بعد ہندہ کے متعلق استفتاء کیا جائے تو جواب اس کا دیا جائے گا۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از ماسٹر غلام جیلانی وپوسٹ پورینہ پانڈے۔ بستی

(۱)......کیا صلح کلی کے یہاں شادی کرنا جائز ہے؟

(۲)......کیا ہمیشہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کے اوپر سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے؟

(۳)......زید صلح کلی ہے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

(۴)......کیا ہمیشہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی قبر میں روشنی ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......صلح کلی جو ہر مذہب کو حق سمجھتا ہے اس کے یہاں شادی کرنا جائز نہیں۔

(۲) بیشک ایسے شخص سے عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے ذمہ کوئی فرض وواجب باقی نہ ہو اور نہ حق العبد میں گرفتار ہو کہ کثرت سے درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور فرض وواجب جس کے ذمہ باقی ہو اس کی مستحب عبادت مقبول نہیں۔

ھکذا قال العلماء لاھل السنۃ کثرھم اللہ تعالیٰ۔

(۳)......زید اگر واقعی صلح کلی ہے یعنی ہر مذہب کو وہ صحیح مانتا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

(۴)......بے شک ایسے شخص کی قبر میں روشنی ہوگی بشرطیکہ نماز زکوٰۃ، روزہ حج اور قربانی وغیرہ کوئی فرض یا واجب اس کے ذمہ باقی نہ ہو اور نہ حق العبد میں گرفتار ہو جیسا کہ جواب ۲ میں گزرا۔ ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: فتویٰ کے لئے آئندہ لفافہ یا اس کا مساوی ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ کارڈ ہرگز نہ بھیجیں کہ وہ فتویٰ کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از رمضان علی قادری۔ خادم مدرسہ حبیبیہ قادریہ مقام وڈاکخانہ ہریہر پور بازار بستی

زید سنی صحیح العقیدہ ہے اس نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیوبندی کے یہاں کیا۔ بارات آئی بکر جو کہ عالم دین ہے اس سے نکاح پڑھنے کو کہا بکر نے انکار کر دیا اور مسئلہ کی کتاب بہار شریعت، سنی بہشتی زیور وغیرہ کھول کر دکھایا کہ دیوبندی کا نکاح پڑھنا جائز نہیں ہے اس پر زید نے کہا کہ کیا یہ آسمانی کتاب ہے اس میں اپنی طرف سے من گھڑت لکھا ہے خالد جو کہ صرف حافظ ہے اس نے نکاح پڑھ دیا عند الشرح زید کا کیا حکم ہے خالد جو کہ صرف حافظ ہے اس کا کیا حکم ہے بکر جو کہ عالم ہے اس کا کہنا درست ہے یا نہیں اور جن لوگوں نے زید کا ساتھ دیا ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: دیوبندی اپنے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸، تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ کی بنا پر بمطابق فتویٰ حسام الحرمین کافر و مرتد ہیں اور مرتد کا نکاح کسی سے ہرگز نہیں ہوسکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے: لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ، مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔ لہٰذا حافظ مذکور نے دیوبندی کا نکاح جو سنیہ لڑکی سے پڑھایا وہ نہ ہوا پیسہ کی لالچ میں اس نے زنا کا دروازہ کھولا اس پر لازم ہے کہ مجمع عام میں علانیہ توبہ واستغفار کرے نکاح نہ ہونے کا اعلان کرے

اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس حافظ کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۷، ع ۱۴)

اور بہار شریعت سنی بہشتی زیور کے بارے میں یہ کہنا کہ کیا یہ آسمانی کتاب ہے اس میں اپنی طرف سے من گھڑت لکھا ہے۔ گمراہی و بدمذہبی ہے۔ لہٰذا زید کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور جن لوگوں نے زید کا ساتھ دیا وہ بھی گنہگار ہوئے انہیں بھی توبہ کرنا چاہئے اور عالم دین بکر نے شریعت کے مطابق صحیح اور درست کہا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از حید علی مقام بھرتھا پور ڈاکخانہ گاندھی نگر بستی

(۱)......زید سنی صحیح العقیدہ ہے اور زید کی شادی ہندہ بنت بکر کے ہمراہ ہوئی۔ ہندہ جب زید کے گھر آئی تو خود ہندہ نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میرے یہاں فاتحہ وغیرہ نہیں ہوتا اور زید کا عقد ایک بددین دیوبندی نے کیا ہے جبکہ زید کا عقد ہونے سے پہلے زید لاعلم تھا اور نکاح ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ ہندہ بھی وہابی اور نکاح پڑھنے والا بھی وہابی ایسی صورت میں زید ہندہ کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔

(۲)......کیا زید کا نکاح کوئی سنی عالم پڑھائے ہندہ کے ساتھ اور کیا ہندہ زید کے نکاح میں آسکتی ہے؟ بینوا توجروا

(۳)......اور اگر زید کے نکاح میں ہندہ آتی ہے تو کس صورت میں آئے گی کہ جس سے عوام زید کے یہاں کھاپی سکیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......دیوبندیوں کے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان، ص ۸ تحذیر الناس، ص ۳، ص ۱۴، ص ۲۸ و براہین قاطعہ ص ۵۱ کی بنا پر مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور برما وغیرہ کے سینکڑوں علمائے کرام ومفتیان عظام نے ان کے کافر ومرتد ہونے کا فتویٰ دیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں ہے اور مرتد کے ساتھ کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے: لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذٰلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ، مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ لڑکی وہابی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوا اور جب نکاح نہیں ہوا تو ولیمہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲)......ہندہ دیوبندیہ وہابیہ ہے تو سنی عالم کے نکاح پڑھانے سے بھی وہ زید کے نکاح میں نہیں آسکتی جیسا کہ جواب نمبر ا سے ظاہر ہے اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ توبہ کے بعد تو نکاح ہوجانا چاہئے تو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ

دیوبندی لڑکے اور لڑکیاں سنیوں کے یہاں شادی کرنے کے لئے یا جو بیاہ ہو چکا ہے اس کو صحیح کرنے کے نام پر بظاہر توبہ کر کے نکاح کرا لیتے ہیں مگر پھر حسب سابق وہ دیوبندی وہابی ہی رہتے ہیں۔ اس لئے بعد توبہ فوراً وہابی یا وہابیہ کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے تاوقتیکہ تین چار سال دیکھ کر اطمینان نہ کر لیا جائے کہ واقعی وہ سنی مذہب پر قائم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۴)......بعد توبہ تین چار سال دیکھے بغیر ہندہ بروقت زید کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ رہا پکے ہوئے کھانے کا سوال تو زید ہندہ کو اس کے میکے روانہ کردے پھر آبادی کے لوگوں کے سامنے مجمع عام میں توبہ کرے اور پختہ عہد کرے کہ میں ہندہ وہابیہ کو اپنے گھر کبھی نہیں لاؤں گا بلکہ کسی سنی صحیح العقیدہ لڑکی سے شادی کروں گا اس کے بعد لوگ اس کا کھانا کھالیں تاکہ خراب نہ ہو مگر وہ کھانا ولیمہ کا کھانا بہر حال نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبدالرزاق حواری۔ دھدھوا بھالا۔ پلاموں

جناب سکندر صاحب کا لڑکا جناب صابر صاحب اور جناب عثمان صاحب کی لڑکی نسیمہ بانو' ان دونوں میں شادی ہوئی اس کے بعد ایک سال تک دونوں میاں بیوی رہے۔ پھر شوہر غائب ہو گیا قریب چھ سال تک اس بیچ میں لڑکی کے والد نے لڑکے کے والد سے کہا کہ آپ اب دوسرے لڑکے کے ساتھ نکاح کی اجازت دیں۔ لڑکے کے والد نے انکار کیا لیکن لڑکی کے والد نے ضد سے دوسرے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا اس کے بعد جو پہلے والا شوہر تھا وہ اپنے کام پر سے نکاح کے چھ مہینے کے بعد آ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنا شروع کر دیا کہ یہ ہماری بیوی ہے تو آپ فرمائیں کہ جو دوسری شادی ہوئی اس کے لئے کیا ہونا چاہئے۔ لڑکے کے ساتھ اور لڑکی کے ساتھ کیا ہونا ضروری ہے اور قاضی کے ساتھ کیا ہونا ضروری ہے؟ اس میں لڑکے کے والد اور لڑکی کے والد کا کہنا ہے کہ شریعت جو کہتی ہے اس کو ہم دونوں مان لیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب: صورت مذکورہ میں نسیمہ کا نکاح جو دوسرے کے ساتھ کر دیا گیا تھا وہ سخت ناجائز اور حرام کا ارتکاب کیا گیا کہ زناکاری کا دروازہ کھولا گیا۔ العیاذ باللہ۔ لڑکی اور لڑکا کہ جس کے ساتھ دوسرا نکاح کیا گیا۔ ان دونوں کے والدین' نکاح پڑھنے والا' گواہ' حاضرین مجلس نکاح اور ہر وہ شخص جو دوسرے نکاح سے راضی رہا سب علانیہ توبہ واستغفار کریں اور لڑکی ولڑکے کے والدین قرآن خوانی ومیلاد شریف کریں' غرباء ومساکین کو کھانا کھلائیں اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھیں اس لئے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں اور نکاح خواں توبہ کرنے کے ساتھ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: محمد ضیاء الحق یار علوی۔ موضع کنکسر اڈاکھانہ بھینسا چوبے بستی

ہندہ کی شادی زید سے ہوئی۔ چند سال بعد زید کا دماغ کچھ کریک ہوگیا تو ہندہ زید کو چھوڑ کر دوسرے کے یہاں چلی گئی جبکہ اسے حمل تھا اور بچہ دوسرے ہی کے گھر پیدا ہوا پھر کچھ دنوں بعد ایک بچہ اور پیدا ہوا اس کے بعد ہندہ نے اپنے شوہر سے طلاق لے کر دوسرے سے نکاح کیا اب ہندہ اپنے پہلے بچہ کی شادی کرنا چاہتی ہے تو مسلمان ہندہ کی غلط کاریوں کے سبب شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا ازروئے شرع کوئی ترکیب تحریر فرمائیں جس پر عمل کرنے سے مسلمان ہندہ کے لڑکے کی شادی میں شریک ہوسکیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہندہ کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور اس سے نماز کی پابندی کا عہد لیا جائے اور اس کو قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے اور غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے جب وہ توبہ وغیرہ کرلے تو مسلمان اس کے لڑکے کی شادی میں ضرور شرکت کریں اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے گناہ نہیں کیا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از نور محمد حبیبی۔ میر امحلہ گوجی درہ۔ ضلع بھدرک اڑیسہ

(۱)......زید نے کہا کہ مہر میں اشرفی لگانا بے جا ہے کہ اشرفی شے مجہول ہے۔ عمرو نے تردیداً کہا کہ غلط بلکہ اشرفی سنت ہے کیونکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اشرفی پر پابندی لگائی تو ایک بڑھیا کے اعتراض کی بنا پر سیدنا خلیفۂ دوم نے اپنے بیان سے رجوع فرمالیا۔ زید نے جواباً کہا یہ سیدنا امیر المومنین پر افتراء ہے بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مہر کی مقدار اکثر مقرر فرمائی تو خواتین نے سیدہ ام المؤمنین حبیبۂ حبیب سید المرسلین سے اس کی شکایت کی تو ان کے تنبیہ جلیل پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے حکم مقرر مقدار اکثر مہر سے رجوع فرما ہوئے۔

(۲)......زید نے اپنی تقریر میں کہا کہ جب شرع مقدس نے طفل سابق کی مدت رضاعت میں نو آمدہ جنین کو ابتداء حمل سے ایک سو بیس روز کے اندر اندر ضائع کرنے کا اختیار دیا باوجودیکہ دودھ کے مقابلہ پر دوسری ہلکی غذائیں موجود ہیں۔ تو پھر ایک آدمی جس کی آمدنی محدود ہو وہ اگر دو یا تین بچوں کی تعلیم وتربیت کی خاطر مزید بچوں کے لئے مانع حمل سائنٹیفک طریقہ اختیار کرے تو قباحت کیا ہے؟ اس پر بکر نے لاتقتلوا اولادکم الخ۔ الایۃ پیش کر کے کہا بہر حال یہ قتل ہے اور قرآن کریم اس سے روکتا ہے۔

(۳)......ایک امام نے صرف عورت کے بیان پر کہ "مجھے طلاق ہوئی ہے" جبکہ نہ تو کوئی گواہ ہے اور نہ کوئی اور ثبوت مزید برآں اس کے شوہر شرعی نے اپنے سسر کے پاس اس مضمون کا خط لکھا کہ "جلد میری اہلیہ کو میرے پاس پہنچائیں" کیونکہ وہ دلی

میں رہتا ہے۔ باوجود اس کے امام مذکور نے آٹھ نو سو روپے لے کر وکیل اور گواہان مقرر کر کے اس غیر مطلقہ خاتون کا دوسرے سے عقد کروادیا۔ اب اس عورت، وکیل، امام اور گواہوں کا کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب: (۱)......حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان تفسیر خزائن العرفان میں پارۂ چہارم سورۂ نساء کی آیت ۲۰ کے جملۂ مبارکہ "اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا" کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر فرمایا کہ عورتوں کے مہر گراں نہ کرو۔ ایک عورت نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ اے ابن خطاب! اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو۔ اس پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے "جو چاہو مہر مقرر کرو"۔

لہٰذا زید و عمرو نے جو تفسیر خزائن العرفان کے خلاف بیان دیا اس پر معتبر کتاب کا حوالہ پیش کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو آئندہ من گھڑت بات بیان کرنے سے توبہ کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲)......اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل حرام ہے اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے اور جان پڑنے سے پہلے اگر کوئی ضرورت ہے تو حرج نہیں (فتاوٰی رضویہ جلد: ہم نصف آخر ص ۲۶۰) اس عبارت سے واضح ہوا کہ طفل سابق کی مدت رضاعت گزرنے کے بعد بھی ضرورت پر جان پڑنے سے پہلے حمل گرانے میں حرج نہیں اور جب جان پڑنے سے پہلے ضرورت پر حمل گرانا جائز ہے اور یہ قتل کے حکم میں نہیں تو ضرورۃً وقتی طور پر مانع حمل ادویہ وغیرہ کا استعمال بدرجۂ اولیٰ نہ قتل اولاد ہے اور نہ حرام و ناجائز ہے البتہ دوا وغیرہ کے ذریعہ قوت تولید ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا حرام ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۳)......اگر واقعی ثبوت طلاق کے بغیر صرف عورت کے بیان پر امام نے اس کا نکاح دوسرے سے کر دیا تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوا۔ اس پر توبہ کرنا، جتنا روپیہ لیا ہے اس کا واپس کرنا اور اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان کرنا لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ (پ۷ ع۱۴) اور اس واقعہ کے بعد جن لوگوں نے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں بہر حال ان کا اعادہ کریں اور عورت پر فرض ہے کہ اس غلط نئے شوہر سے فوراً الگ ہو جائے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں اور وکیل و گواہان بھی توبہ کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد فاروق اشرفی دار العلوم گلشن شعیب الاولیاء پکورہ۔ ضلع گونڈہ۔ یو۔ پی

زید نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جو اپنے ساتھ ایک لڑکا لائی تھی۔ زید نے اس لڑکا کی شادی کی جس کا ایک بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس عورت کو اس لڑکے نے طلاق دے دی اور زید نے جس عورت سے نکاح کیا تھا وہ فرار ہوگئی پھر بعد میں معلوم

ہوا کہ وہ نہ بیوہ تھی اور نہ مطلقہ۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اس عورت کے لڑکے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صلبی بیٹے کی بیوی کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت میں ہے: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ۔ اور پوتے کی بیوی کا حرام ہونا اجماع امت سے ثابت ہے تفسیر کبیر جلد سوم ص ۱۹۲ میں آیت مذکور کے تحت ہے: اتفقوا علی ان هذه الاية تقضی تحریم حلیلة ولد الولد علی الجد اور رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب۔ لیکن ربیب کی بیوی کی حرمت نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ اجماع وقیاس سے اور محرمات کا ذکر فرمانے کے بعد خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ (پ۵ آیت۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکے مذکور کی مطلقہ بیوی سے زید کا نکاح کرنا جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

نوٹ: مذکورہ عورت کہ زید نے جس سے نکاح کیا تھا جبکہ بعد میں اس کے متعلق معلوم ہوا کہ نہ وہ بیوہ تھی اور نہ مطلقہ تو اگر حتی الامکان تحقیق کے بغیر اس کے ساتھ نکاح کیا گیا تو زید، نکاح خواں گواہ اور حاضرین مجلس نکاح سب علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از جمیل احمد۔ مقام وڈاکخانہ پینو اپیئی۔ ضلع مہراج گنج

(۱)...... یہ تو مسلم ہے کہ چچا اور بھتیجی میں نکاح ناجائز وحرام ہے لیکن اس کا عکس یعنی بھتیجے اور چچی میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۲)...... زید وعمرو حقیقی بھائی ہیں۔ زید کی بیٹی ہندہ کا نکاح خالد سے (جو اجنبی ہے) ہوا ہے اور وہ اس وقت بھی خالد کی نکاح میں ہے۔ زید کے بھائی عمرو کا انتقال ہو گیا ہے ایسی صورت میں خالد عمرو کی بیوی صفیہ سے (جو خالد کی بیوی ہندہ کی سگی چچی اور خالد کی دور کے رشتے سے ساس لگتی ہے) نکاح کرنا چاہتا ہے۔ خالد اور صفیہ کی شادی شریعت کی نظر میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

یہ بھی خیال رہے کہ ہمارے علاقے میں چچی کو ماں کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کم از کم معاشرے میں یہ بات معیوب ضرور ہے ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے بصد احترام عرض ہے کہ حق بات کا فیصلہ شریعت کی روشنی میں کیا جائے عین کرم ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب: (۱)...... جائز ہے اس لئے کہ وہ محرمات میں سے نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاُحِلَّ لَکُمْ

مَاذِنَ آءُ الحِکمۃ. (پ۵ ع۱) وھو تعالٰی اعلم

(۲)......صورت مسئولہ میں خالد کا صفیہ سے نکاح کرنا جائز ہے اور جو عندالشرع جائز ہو وہ عوام کے برا سمجھنے سے ناجائز نہیں ہو جائے گا۔ البتہ معاشرے میں جو بات معیوب ہو اس سے بچنا بہتر ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از رحمت علی اشرفی بھاگل پوری مدرسہ اسلامیہ نیا پورہ اوسیاں جودھ پور راجستھان

(۱)......زید کو نکاح کے وقت ایک بھی کلمہ نہیں پڑھایا گیا اور ایجاب وقبول صرف ایک مرتبہ کرایا۔ ایسی حالت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

(۲)......زید اہلسنت وجماعت سے ہے اور اس نے دیوبندیوں میں شادی کی ہے۔ بارات سے آ کر اسی وقت فوراً دوبارہ نکاح کر لیا۔ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ کیا دیوبندیوں کے یہاں سے لڑکی لا سکتے ہیں؟

الجواب: (۱) نکاح کے وقت اگر کلمہ نہیں پڑھا اور صرف ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرایا تو اس صورت میں بھی نکاح ہو گیا۔ اس لئے کہ اس موقع پر کلمہ پڑھانا اور تین بار ایجاب وقبول کا ہونا بہتر ہے ضروری نہیں۔

ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم

(۲)......مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ص ۱۴، ص ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع کے باوجود دیوبندی اگر ان مذکورہ مولویوں کو مسلمان مانتا ہے تو مطابق فتوٰی حسام الحرمین کافر و مرتد ہے اور اگر اس کی لڑکی کا بھی اپنے باپ جیسا عقیدہ ہے تو وہ بھی مسلمان نہیں کافرہ و مرتدہ ہے۔ اس صورت میں لڑکی کو اپنے گھر لا کر دوبارہ نکاح کرنے سے بھی نکاح نہ ہوا۔ جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۳ میں ہے: لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذالک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں اور ایسا ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔

اور اگر لڑکی کا کوئی کفری عقیدہ نہیں ہے اور وہ سنی مسلمانوں کو کافر و مشرک نہیں سمجھتی ہے تو اس صورت میں اگر چہ نکاح ہو گیا مگر زید نے دیوبندی کے یہاں شادی کر کے بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھول دیا اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم۔ یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو ان سے ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو ان کے پاس نہ بیٹھو ان کے ساتھ پانی نہ پیو اور ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ......اور زید

نے جب دیوبندی کے یہاں رشتہ کرلیا تو اغلب یہ ہے کہ سسرال سے تعلق رکھے گا جس سے اس کے اور اس کی اولاد کے گمراہ وبدمذہب ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

لہٰذا اس سے عہد لیا جائے کہ وہ اپنی سسرال والوں سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا اور اپنی بیوی کو اس کے میکے نہیں جانے دے گا۔ اگر وہ ایسا عہد نہ کرے یا عہد کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اور بائیکاٹ کرنے سے دیوبندی ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از محمد لئیق عرف کلو مقام پکورہ ڈاکخانہ بھمن جوت۔ گونڈہ

زید اور اس کی بیوی ہندہ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ہندہ نے اپنے شوہر سے بار بار طلاق کا مطالبہ کیا کہ ہم کو طلاق دو اسی طرح ہندہ نے چار مرتبہ کہا تو اس کے شوہر نے ہر مرتبہ کے جواب میں کہا کہ جا چلی جا ہم نے تجھ کو طلاق دی۔ جا چلی جا ہم نے تجھ کو طلاق دی اس طرح کے الفاظ زید نے کئی مرتبہ کہے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں اگر ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی اور پھر اس کے نکاح کی کیا صورت ہوگی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی کہ اب بغیر حلالہ وہ زید کے لئے حلال نہیں۔ قال اللہ تعالٰی: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (پ۲، ع۱۳) حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گزارنے کے بعد ہندہ دوسرے سے نکاح صحیح کرے۔ دوسرا شوہر اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے۔ پھر وہ مرجائے یا طلاق دے دے تو دوبارہ عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ اگر دوسرے شوہر نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی تو حلالہ صحیح نہ ہوگا۔ کما فی حدیث العسیلۃ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از صلاح الدین مقام و پوسٹ مہراج گنج۔ ضلع بستی

میری سسرال چندہ دوبے پور پکڑی میں ہے میری بیوی بروقت گونڈہ اپنے رشتہ داروں میں گئی ہوئی تھی۔ میں اس کو لینے کے لئے گونڈہ گیا اس نے کہا میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ میں اپنے میکے جاؤں گی تو وہاں سے آؤں گی۔ میں اپنے گھر واپس چلا آیا۔ میری بھابھی نے پوچھا کہ لے کر آگئے؟ میں نے کہا ہم اس کو نہیں رکھیں گے پھر اس کے بعد کہا طلاق، طلاق، طلاق تین چار بار۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں میری مدخولہ بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں اگر پڑی تو کون سی طلاق اور اس کا

حکم کیا ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت پر طلاق مغلظہ پڑ گئی کہ اب بغیر حلالہ شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں۔ حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح کرے۔ دوسرا شوہر اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے پھر مرجائے یا طلاق دے دے اس کے بعد عورت دوبارہ عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اگر دوسرے شوہر نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی تو پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی اور اگر عورت حاملہ ہو تو اسکی عدت بچہ پیدا ہونا ہے اور جبکہ حاملہ نابالغہ اور پچپن سالہ نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں اور عوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ

مسئلہ: از انعام علی خاں بھدرک۔ پی ڈبلیو ڈی آر اینڈ بی۔ سب ڈویژن۔ بھدرک (اڑیسہ)

زید کے چچا کی لڑکی زید کے ساتھ زبردستی زید کے سسرال گھومنے گئی تھی۔ مگر زید کے سالہ کے ساتھ عشق کرنے لگی ایسی پھنسی کی پنچ کے سامنے اس کی شادی بھی ہوگئی مگر زید کے چچا نے اپنے دل میں غلط تاثر یہ لیا کہ ہماری لڑکی کو اسی نے خراب کیا۔ مگر ایسا نہیں اللہ گواہ ہے بہر کیف زید کے چچا نے یہ کیا کہ ایک کاغذ میں طلاق نامہ ایک محرر سے لکھوایا جب زید نے دیکھنا چاہا تو زید کو بھگا دیا اور عبارت بھی پڑھنے نہیں دی۔ زید نے پوچھا یہ ہے کیا؟ کہا کچھ نہیں۔ یہ صرف تمہارے ساس سسر کو ڈرانے دھمکانے کے لئے میں کر رہا ہوں تمہارا کچھ نہیں ہوگا صرف اس میں اپنا دستخط کر دو تو زید نے اپنا دستخط کر دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ طلاق نامہ تھا۔ اب گاؤں والے یہ پکڑے ہیں کہ حقیقت میں زید نے ہی طلاق دی ہے لیکن حقیقت نہیں ہے کہ زید نے اسے طلاق دی ہے نہ اپنی زبان سے ایسا کوئی لفظ نکالا ہے۔ صرف مذکورہ طلاق نامہ پر بغیر پڑھے و سمجھے ان کے کہنے پر دستخط کر دیا ہے۔ کیا ایسے مذکورہ بالا طریقے پر طلاق واقع ہوگئی؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر واقعی تحریر مذکورہ کا طلاق نامہ ہونا زید پر ظاہر نہیں کیا گیا اور نہ طلاق نامہ سمجھ کر زید نے اس پر دستخط کیا تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں واقع ہوئی اور زید کے چچا نے اگر اپنی لڑکی کو آزاد رکھا اور دوسرے کے گھر جانے سے حتی الامکان اسے نہیں روکا تو سخت گنہگار ہوا۔ علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے آپکو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (پ ۲۸ سورۂ تحریم آیت ۶) اور حدیث شریف میں ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا: الرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسؤل عن رعیتہ۔ یعنی آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس کے ماتحت کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی۔ (الادب المفرد ص ۳۳) ھذا

ماعندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از طفیل احمد اشرفی البیلانی موضع جگرنا تھ پور ڈاکخانہ منذف ضلع بستی۔ یو۔پی

زید سے اس کی اہلیہ کا کسی بات پر جھگڑا ہوا تو زید اپنی جنونی کیفیت میں غصے پر قابو نہ پا سکا تو اپنی بیوی سے کہا میں تم کو طلاق دے دوں گا پھر کہا طلاق تم کو دی۔ یہاں کیا رکھا ہے۔ یہاں سے بھاگ جا اور یہی جملہ چلے جانے کا کئی بار دہرایا۔ اس کے بعد پھر زید نے کہا تمہارا یہاں کیا رکھا ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ تم کو طلاق دے چکا ہوں۔ جا بھاگ جا یہاں سے۔ سوال یہ ہے کہ ان جملوں سے طلاق ہوئی یا نہیں۔ اگر واقع ہوئی تو کون سی طلاق اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ عورت زید کی مدخولہ ہے لہٰذا اس کے ان جملوں سے کہ طلاق تم کو دی۔ یہاں سے بھاگ جا' دو طلاقیں واقع ہوئیں۔ اس لئے کہ لفظ جا حالت مذاکرہ میں طلاق ثابت کرتا ہے اور اس کے پہلے کی طلاق صریح اس کے لئے مذاکرہ ہوتی ہے۔

ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۶۷۲ میں ہے اور چونکہ لفظ جا کنایہ ہے جس سے طلاق بائن واقع ہوئی تو اس کے بعد ان کنایہ کے جملوں سے کہ تو یہاں سے چلی جا اور جا بھاگ جا یہاں سے۔ پھر طلاق بائن واقع نہ ہوئی۔ اس لئے کہ بائن واقع ہونے کے بعد پھر کنایہ سے بائن واقع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ درمختار میں ہے: لا یلحق البائن البائن۔ اس کے تحت ردالمحتار جلد دوم ص ۴۷۰ میں ہے: المراد بالبائن الذی لایلحق ھو ماکان بلفظ الکنایۃ لانہ ھوالذی لیس ظاھرا فی انشاء الطلاق کذا فی الفتح

اور رہا یہ جملہ کہ تم کو طلاق دے چکا ہوں۔ اگر یہ ماسبق میں دی ہوئی طلاق کا بیان ہے تو اس سے تیسری طلاق واقع نہ ہوئی۔ اس صورت میں زید عدت کے اندر اور بعد عدت بھی عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں اور رہی جنونی کیفیت میں طلاق دینے کی بات تو اگر گواہان عادل شرعی سے ثابت ہو کہ واقعی وہ اس وقت حالت جنون میں تھا یا یہ معلوم و مشہور ہو کہ اسے جب غصہ آتا ہے عقل سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکات مجنونہ اس سے صادر ہوتی ہیں اس حالت میں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ اس وقت میرا یہی حال تھا اور میں عقل سے بالکل خالی تھا تو قبول کر لیں گے اور طلاق کا حکم نہ دیں گے۔ اگر جھوٹی قسم کھائے گا تو وبال اس پر ہوگا۔ ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از معین رضا نظامی محلہ بہترین۔ قصبہ مہنداول۔ بستی

زید نے اپنی مدخولہ بیوی کو مندرجہ ذیل تحریر دی۔

"آج سے صبح تک اگر مجھ کو سو روپیہ نہ ملا تو میں اپنی عورت کو تین طلاق دیتا ہوں" مگر صبح تک اسے سو روپیہ نہیں ملا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں۔ اگر واقع ہوئی تو کون سی طلاق؟ زید اگر اسی عورت کو رکھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ وہ اس کے لئے حلال نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ ۲ ع ۱۳) اس لئے کہ میں اپنی عورت کو طلاق دیتا ہوں اس جملہ سے تنجیز کی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۱۱ پر ردالمحتار کے حوالہ سے ہے کہ عورت سے کہا تجھے طلاق دیتا ہوں تو طلاق ہوگئی۔ لہٰذا تعلیق کی صورت میں بھی مذکورہ جملہ سے طلاق ہو جائے گی۔

ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از قاضی محمد شکیل محمد کمپاؤنڈ سی ایس ٹی روڈ کالینہ بمبئی ۹۸

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی پھر دونوں کی ملاقات ہونے سے پہلے ان کے والدین کے درمیان اختلاف ہوگیا تو لڑکی کے والد نے طلاق نامہ مرتب کروا کے لڑکے کے پاس بھیج دیا تو لڑکے نے اس تحریر پر دستخط کر دیئے تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو عورت مہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور ایسی عورت کے لئے عدت ہے یا نہیں؟ اور شوہر پر جہیز کا سامان واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جبکہ شوہر نے طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی پھر اگر خلوت صحیحہ سے قبل یعنی زید و ہندہ کی ملاقات سے پہلے طلاق ہوئی تو ہندہ آدھا مہر پانے کی مستحق ہے جیسا کہ پارۂ دوم سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷ میں ہے: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ یعنی اور اگر تم نے عورتوں کو (خلوت صحیحہ اور) ہمبستری کے پہلے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مقرر تھا اس کا آدھا واجب ہے۔ اور ایسی عورت کے لئے عدت نہیں بعد طلاق وہ فوراً دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن عظیم پ ۲۲ رکوع ۳ میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا اور فتح القدیر میں ہے: الطلاق قبل الدخول لا تجب علیه العدة۔ اور جہیز چونکہ عورت کی ملکیت ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم ص ۳۶۸ پر ہے: کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة لہٰذا شوہر پر جہیز کا پورا سامان واپس کرنا لازم ہے۔

وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۷ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از عبدالرشید رضوی بستوی۔ راج گڑھ باللہ ضلع پنچمال گجرات

زید اور بکر دونوں سگے بھائی ہیں۔ زید کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: چچازاد بھائی بہن کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے اس لئے کہ وہ محرمات میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت سے ظاہر ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب زید کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا نکاح ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ رشتۂ رضاع وغیرہ کوئی وجہ مانع نکاح نہ ہو تو ایک درجہ اور نیچے زید کی لڑکی کی لڑکی سے بکر کا نکاح بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از اظہار احمد نظامی، پکھرا قاضی، ڈومریا گنج۔ ایس نگر

زید نے اپنی بیٹی ہندہ کا نکاح خالد سے کیا۔ ہندہ خالد کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر اپنے میکے چلی آئی۔ کچھ دنوں بعد زید نے ہندہ کا نکاح بکر سے کردیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خالد نے اسے طلاق نہیں دی ہے اور زید کہتا ہے کہ اس نے طلاق دی ہے مگر اس کے پاس طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور خالد بمبئی میں ہے تو اس صورت میں مسلمان زید کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ زید کے پاس طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور دنیا بہت مکار و فریب کار ہوگئی ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ہندہ کو طلاق نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا زید تاوقتیکہ طلاق کا اطمینان بخش ثبوت نہ پیش کرے سب مسلمان اس کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور سلام و کلام سب بند کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ۷ ع۱۴) اور نکاح خواں کہ جس نے بغیر ثبوت طلاق نکاح پڑھ دیا اس کا بھی بائیکاٹ کریں اور اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔ طلاق ثابت ہوجانے کے بعد پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں اور کوئی شرعی خرابی نہ ہو اور اگر طلاق ثابت نہ ہو تو وہ علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ نکاحانہ پیسہ واپس کرے اور نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے...... لیکن واضح رہے کہ طلاق نامہ سے طلاق ثابت نہ ہوگی جب تک کہ اس کے صحیح ہونے کی پوری تحقیق نہ کرلی جائے کہ بہت سے لوگ جن کو اللہ و رسول جل مجدہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف نہیں ہے وہ اب فرضی طلاق نامہ بھی تیار کرلیتے ہیں۔ العیاذ باللہ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از اختر الاسلام قادری جھتن پورہ بنارس

جہیز کا مالک عورت کو بتایا جاتا ہے جبکہ جہیز کا مطالبہ کر کے شوہر ہی اس کو حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا جہیز کا مالک شوہر کو ہونا چاہئے نہ کہ عورت کو پھر یہ کہ جہیز کا سامان کچھ عورت کے استعمال کا ہوتا ہے کچھ مرد کا تو ہر ایک کا مالک عورت یا شوہر یا دونوں الگ الگ اور اگر سامان مشترک ہو تو کیا حکم ہے؟ مثلاً پاسنگ یا مسہری یا میز کرسی وغیرہ۔ بینوا توجروا

الجواب: بیشک جہیز عورت ہی کی ملک ہے اور اسے ہر شخص جانتا ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم ص ۳۶۸ پر ہے: کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأة لہٰذا شوہر اگر جہیز کے نام پر کچھ مطالبہ کرتا ہے تو وہ عورت ہی کے لئے مطالبہ کرتا ہے جیسے کہ ہر شخص جبکہ جانتا ہو کہ مسجد کا متولی تعمیر مسجد کا چندہ کرتا ہے تو اگر وہ کسی سے کہے کہ آپ ہمیں پانچ ہزار چندہ دیجئے تو متولی کا یہ مطالبہ اپنی مسجد ہی کے لئے ہے اور اس صورت میں چندہ دینے والا مسجد ہی کو دیتا ہے نہ کہ متولی کو...... خلاصہ یہ کہ جو سامان جہیز کے نام پر دیئے جاتے ہیں خواہ وہ صرف عورت کے کام آئیں یا انہیں مرد و عورت دونوں استعمال کریں یا صرف مرد کے کام آنے والے ہوں سب عورت کی ملک ہیں۔ شوہر عاریۃً ہی استعمال کرتا ہے۔ اسی لئے سامان جہیز کا جو کاغذ تیار کیا جاتا ہے اس کی پیشانی پر اس طرح کی عبارت درج ہوتی ہے کہ "فلاں خاتون کے سامان جہیز کی تفصیل" ہاں لڑکی والوں نے اگر کوئی سامان بصراحت مرد کو دیا تو اس کا مالک وہی ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۹ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد شمشاد۔ گاندھی نگر۔ شہر بستی

زید نے ایک دوسری شادی موطوءہ ہندہ سے کی جس کی خبر نہ تو زید کے گھر والوں کو ہوئی اور نہ ہی عزیز و اقارب کو کچھ عرصہ کے بعد زید کے والدین اور رشتہ داروں کو علم ہوا کہ زید نے دوسری شادی کر لی ہے تو زید کے والدین اور رشتہ داروں نے کہا تم نے بہت غلط کیا تم ہندہ کو فوری طور پر طلاق دو ورنہ تم کو گھر سے نکال دیا جائے گا اور بہت مارا جائے گا لیکن زید کسی حالت میں ہندہ کو طلاق دینے کے لئے راضی نہیں تھا۔

اس کے بعد والدین وغیرہ نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے زید کو بلایا اور کہا کہ کہو میں نے ہندہ کو طلاق دی۔ زید نے لوگوں کی کہی ہوئی بات کو دہرایا اور کہا میں نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی اس کے بعد ایک تحریر لکھ کر اس پر زید سے دستخط کروا لیے گئے اس طلاق کی خبر ابھی تک ہندہ کو نہیں ہوئی ہے۔ تقریباً دو سال ہو گئے جبکہ زید کسی حالت میں ہندہ کو طلاق دینے پر راضی نہیں تھا۔ صورت متذکرہ بالا میں کون سی طلاق واقع ہوئی اور زید اپنی بیوی

ہندہ کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگرچہ زید ہندہ کو طلاق دینے پر راضی نہیں تھا مگر جبکہ لوگوں کے اصرار پر تین بار کہا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دی اور پھر بطور ثبوت طلاق نامہ پر دستخط بھی کر دیا تو ہندہ مدخولہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اگرچہ دو سال گزر گئے کہ ہندہ کو ابھی تک طلاق کی خبر نہیں اس لئے کہ وقوع طلاق کے لئے عورت کو طلاق کی خبر ملنا ضروری نہیں۔ زید اپنی اس مدخولہ بیوی کو اب بغیر حلالہ نہیں رکھ سکتا پارۂ دوم رکوع ۱۳ میں ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت ہندہ عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح کرے وہ اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دیدے یا مر جائے تو ہندہ دوبارہ عدت گزارنے کے بعد زید سے نکاح کر سکتی ہے اگر شوہر ثانی نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی تو وہ زید کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث عسیلہ میں ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از عاشق علی موضع شبلا ڈاک خانہ مسکنوا۔ گونڈہ

(۱)...... زید کی مدخولہ بیوی کے بارے میں ایک غیر مسلم سے طلاق نامہ لکھوا گیا جس میں صرف ایک طلاق لکھی ہوئی تھی اس طلاق نامہ پر زید سے دستخط لیا گیا پھر اس سے کہا گیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دو تو زید نے دو بار کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں پھر تین چار سال بعد بغیر حلالہ اس عورت کو دوبارہ نکاح پڑھوا کر رکھ لیا۔ زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

(۲)...... مذکورہ معاملہ میں ایک پنچایت ہوئی زید سے طلاق نامہ مانگا گیا مگر اس کے پاس طلاق نامہ موجود نہ تھا اس نے قرآن وحدیث کا وسیلہ دے کر دوبارہ اپنے طلاق نامہ دیئے ہوئے طلاق کا اقرار کیا مگر پنچوں میں سے بکر کہنے لگا کہ ہم قرآن وحدیث کو نہیں مانتے ہیں طلاق نامہ چاہئے تو از روئے شرع بکر پر کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱)...... زید نے جب طلاق نامہ پر دستخط کیا تو ایک طلاق پڑی پھر جب لوگوں کے مطالبہ پر دوبارہ کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں تو اس کی بیوی پر کل تین طلاقیں واقع ہو گئیں ایک تحریری دو زبانی۔ لہٰذا بغیر حلالہ زید کے ساتھ نکاح نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (پ ۲ ع ۱۴) زید بغیر حلالہ اسے بیوی بنا کر رکھنے کے سبب گنہگار مستحق عذاب نار ہوا۔ اس عورت کو فوراً اپنے گھر سے نکال دے اور اسے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور اسے قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔

(۱)......جس نے یہ کہا کہ ہم قرآن وحدیث کونہیں مانتے وہ اسلام سے نکل گیا۔ اسے کلمہ پڑھا کر پھر سے مسلمان کیا جائے اسے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ اگر بیوی والا تھا اور اس کو رکھنا چاہتا ہے تو پھر سے اس کا نکاح پڑھایا جائے اور اس سے عہد لیا جائے کہ آئندہ قرآن وحدیث کے بارے میں پھر ایسی بات زبان سے نہیں نکالے گا اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷،ع۱۴)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عباداللہ۔ ساکن موضع پگار ڈاکخانہ کپتان گنج۔ بستی

زید نے اپنی خالہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا پھر اس کو لے کر فرار ہو گیا تقریباً پندرہ سال تک اس کو بیوی بنائے رکھے ہوئے تھا گاؤں والوں نے زید کا اور اس کے گھر والوں کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ اب زید کیا کرے کہ گاؤں والے اس کا بائیکاٹ ختم کریں؟

الجواب: زید نے اپنی خالہ کو پندرہ سال تک بیوی بنائے رکھا۔ العیاذ باللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو زید کو بہت سخت سزا دی جاتی۔ موجودہ صورت میں اسے مجمع عام میں کلمہ پڑھا کر علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے پھر اس کا اس کے گھر والوں کا بائیکاٹ ختم کیا جائے جبکہ اس کے گھر والے بھی توبہ کریں کہ زید کے ساتھ کھانے پینے اور رہنے سہنے کے سبب وہ بھی گنہگار ہوئے اور نماز کی پابندی و چالیس روز تک مسلسل مسجد میں جھاڑو دینے کا زید سے عہد لیا جائے اور اس کو میلاد شریف و قرآن خوانی کرے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں زیادہ سے زیادہ روپیہ دینے کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد رفیق۔ موضع روپ گڑھ۔ ضلع بستی

ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ ہوئی تھی۔ کچھ دنوں بعد بکر نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ اب زید ہندہ کے ساتھ شادی کا خواہش مند ہے۔ لیکن ہندہ کے طلاق کے گواہ فاسق ہیں۔ کوئی بھی پابند شرع نہیں ہیں لیکن سنی صحیح العقیدہ ہیں۔ تو ایسی صورت میں جبکہ طلاق نامہ آسام میں ہے۔ تو کیا ہندہ کا نکاح زید کے ہمراہ ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: جو لوگ پابند شرع نہیں ہیں فاسق ہیں۔ ان کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لہٰذا تاوقتیکہ شرعی طور پر

طلاق کا ثبوت نہ ہو جائے زید ہو یا کوئی اور ہندہ کے ساتھ نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ طلاق نامہ آسام میں بہنے جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص عورت مذکورہ کو لا کر اپنے گھر رکھے ہوئے ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس شخص پر لازم ہے کہ فوراً عورت کو گھر سے نکال دے اور علانیہ توبہ استغفار کرے اور عہد کرے کہ ہم آئندہ اس طرح کی کوئی عورت اپنے گھر نہیں لائیں گے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام سب بند کر دیں اور سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ۷ع۱۴)

ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد رضا عرف ننھے۔ جگرناتھ پور۔ بستی

میں کہ محمد رضا عرف ننھے ساکن جگرناتھ پور ضلع بستی نے ہوش وحواس کی درستگی میں اپنی بیوی ریحانہ بنت جلے ساکن موضع کھر ہواں کو تین طلاقیں دی۔ ریحانہ کو ہم سے پانچ بچے ہیں طلاق کے وقت وہ حاملہ تھی ہم طلاق دے کر باہر چلے گئے تھے۔ جب واپس ہوئے تو ریحانہ ہمارے گھر میں تھی اور اب بھی ہے ہم اسے رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر چہ ریحانہ حاملہ تھی اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں کہ اب بغیر حلالہ محمد رضا کے لئے حلال نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (پ۲ع۱۳) حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد ریحانہ دوسرے سے نکاح صحیح کرے وہ اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دے دے یا مر جائے تو دوبارہ عدت گزارنے کے بعد وہ محمد رضا سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر دوسرے شوہر نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی تو حلالہ صحیح نہ ہوگا کما فی الحدیث العسیلۃ...... اور تین طلاقیں بیک وقت دینے کے سبب محمد رضا گنہگار ہوا توبہ کرے۔ اور تین طلاقیں دینے کے بعد جب وہ سفر سے واپس ہوا اگر اس نے ریحانہ سے بیوی جیسا تعلق رکھا تو اسے مجمع عام میں علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور اس کو قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے' غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے اور محمد رضا پر لازم ہے کہ ریحانہ کو فوراً اپنے گھر سے نکال دے جبکہ وضع حمل ہو چکا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ۷ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از نور محمد موضع پلوار پور۔ بستی

زید نے اپنی مدخولہ بیوی کو ایک تحریر ہندی میں دی جس کی اردو یہ ہے "میں گل حسن چشتی ابن برکت علی چشتی مقام برہ پور ڈاکخانہ برہ پور طہر النساء بنت حبیب محمد کو راضی خوشی و باہوش وحواس "طلاق طلاق طلاق دے رہا ہوں"۔ اب زید اپنی بیوی کو لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں طہر النساء پر طلاق مغلظہ پڑ گئی اب بغیر حلالہ وہ گل حسن کے لئے حلال نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ ۲ ع ۱۴) حلالہ کی صورت یہ ہے کہ طہر النساء عدت گزارنے کے بعد کسی سنی صحیح العقیدہ سے نکاح صحیح کرے دوسرا شوہر کم سے کم ایک بار اس سے ہمبستری کرے پھر وہ مرجائے یا طلاق دے دے تو دوبارہ عدت گزارنے کے بعد وہ گل حسن سے نکاح کرسکتی ہے اگر شوہر ثانی نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی یا مر گیا تو حلالہ صحیح نہ ہوگا۔ کما فی حدیث عسیلۃ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد یوسف مقام سسواری۔ ڈاکخانہ پورینہ پانڈے ضلع بستی۔ یو۔ پی

ایک طلاق نامہ ہندی میں تیار کیا گیا جس کی اردو یہ ہے۔

کہ میں اپنی بیوی فریدہ خاتون بنت محمود احمد موضع سسواری ڈاکخانہ پورینہ ضلع بستی کو تین طلاق دے کر اپنے نکاح سے الگ کرتا ہوں۔ آج سے میرا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ طلاق دی، طلاق دی طلاق دی۔ قسمت علی ابن رفیق اللہ موضع منگرہا ڈاکخانہ بھیم اضلع بستی یہ تحریر موضع سسواری میں مجمع خاص کے سامنے لکھی گئی ہے۔ مارنے پیٹنے کی دھمکی دے کر قسمت علی سے زبردستی اس تحریر پر دستخط لیا گیا۔ دستخط کرتے ہوئے قسمت علی نے کہا تھا کہ میں طلاق نہیں دوں گا۔ زبردستی آپ لوگ کچھ بھی کرالیجئے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں قسمت علی کی بیوی پر طلاق پڑی کی نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر واقعی اکراہ شرعی پایا گیا۔ یعنی قسمت علی کو کسی عضو کے کاٹے جانے کا یا ضرب شدید کا صحیح اندیشہ ہو گیا تھا اور اس صورت میں اس نے طلاق نامہ پر دستخط کیا مگر زبان سے اس نے طلاق نہ دی تو طلاق واقع نہ ہوئی اور اگر اکراہ شرعی کے بغیر طلاق نامہ پر دستخط کر دیا تو واقع ہوگئی۔ فتاویٰ قاضی خاں مع ہندیہ جلد اوّل ص ۴۴۱ میں ہے: رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امراۃ فلانۃ بنت فلاں بن فلاں طالق لا تطلق امراتہ لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا۔ اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از نصیب اللہ مقام پورینہ خاص ڈاکخانہ دیوا کل پور۔ بستی

زید نے ہندہ کے ساتھ زنا کیا اور دونوں نے اقرار کیا۔ اس کے بعد زید نے کچھ لوگوں کو اکٹھا کر کے انکار کر دیا۔ اب زید کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز لڑکی حاملہ ہوگئی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جبکہ دونوں نے زنا کا اقرار کرلیا ہے تو یقیناً سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے۔ اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو دونوں کو بہت کڑی سزا دی جاتی اور زید نے جبکہ زنا کا اقرار کرلیا تو پھر بعد میں اس کا انکار کرنا بے کار ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: المرء یوخذ باقرارہ۔ لہٰذا ان دونوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے ان سے نماز کی پابندی کا عہد لیا جائے اور ان کو قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا۔ وقال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور لڑکی کے گھر والوں نے اگر اس کو گھومنے پھرنے کے لئے آزاد رکھا اور اس کی صحیح نگرانی نہیں کی تو ان کو بھی علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ ربیع النور ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محرم علی موضع ہتواڈاکخانہ ہریا تحصیل ضلع بستی

سکئی بن سکندر نے اپنی بیوی طشب النساء کو کھلے عام طلاق دی اور کئی دفعہ یہی الفاظ استعمال کیے کہ ہم نے طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی۔

اب ایسی صورت میں طشب النساء پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟ بینوا توجروا

الجواب: سکئی بن سکندر نے اگر واقعی اپنی بیوی طشب النساء کو طلاق دی ہے تو اس پر واقع ہوگئی۔ پھر اگر طشب النساء سکئی کی مدخولہ نہیں ہے تو اس صورت میں ایک طلاق بائن پڑی۔ شوہر عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۳۴۹ میں ہے: اذا طلق الرجل امراتہ ثلاثا قبل الدخول بھا وقعن علیھا فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ کذا فی الھدایۃ اور اگر طشب النساء سکئی کی مدخولہ ہے تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوئی۔ اس صورت میں بغیر حلالہ وہ سکئی کے لئے حلال نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ۲ع۱۳) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از علاء الدین موضع کرتی پور۔ پوسٹ چوکھڑی بستی

کنیز فاطمہ کی شادی انور علی کے ساتھ ہوئی۔ انور علی جب کنیز فاطمہ کو رخصت کرا کے اپنے گھر لے گیا تو اسی روز دو تین آدمیوں کے ساتھ تین بار کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں لیکن طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیا اور عرصہ گزر گیا کنیز فاطمہ اپنے میکہ میں ہے نہ انور علی رخصت کرانے آیا نہ اسکے گھر والوں نے رخصتی کے لئے کبھی کہا۔ کیا کاغذی ثبوت کی تحریر کے بغیر کنیز فاطمہ کا دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: انور علی نے اگر واقعی اپنی مدخولہ بیوی کنیز فاطمہ کو طلاق دی ہے تو عدت گزرنے کے بعد اس کا دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے اور جن لوگوں کے سامنے انور علی نے طلاق دی ہے ان لوگوں سے اس مضمون کی ایک تحریر مع دستخط لکھائی جائے کہ انور علی نے ہم لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کنیز فاطمہ کو طلاق دی ہے ہم لوگ اس بات کے گواہ ہیں۔ ثبوت طلاق کے لئے گواہوں کی یہی تحریر کافی ہو جائے گی اور بغیر کسی رکاوٹ کے دوسرا نکاح ہو جائے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از غلام رسول موضع نبی نگر ڈاکخانہ گینش پور بستی

زاہد حسین کی شادی ایک غیر شادی شدہ لڑکی سے ہوئی۔ شادی کے موقع پر دو دن لڑکی اپنے شوہر زاہد حسین کے ساتھ رہی۔ جسے شادی کے بعد پونے آٹھ مہینے پر لڑکا پیدا ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زنا کا لڑکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں نکاح مذکور ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں زاہد حسین کا نکاح مذکورہ لڑکی کے ساتھ ہو گیا اور لڑکا جبکہ شادی کے پونے آٹھ مہینے پر پیدا ہوا تو وہ ثابت النسب ہے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زنا کا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں توبہ کریں اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: الولد للفراش۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از محمد یس ساکن گاؤں بی سا۔ بسنت پور وارڈ نمبر ۶ ضلع روپن دہی۔ نیپال

حشمت علی ایک ایسی عورت کو لا کر غلام حسین کے گھر کر گیا جس کے بارے میں عبد الرحمٰن کا بیان ہے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ عبد الرحمن جو پابند شرع بھی نہیں ہے۔ اس ایک شخص کی گواہی پر مذکورہ عورت سے غلام حسین شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک شخص کی گواہی سے طلاق نہیں ثابت ہوسکتی اگرچہ وہ پابند شرع ہو۔ خداتعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ" لہٰذا تاوقتیکہ شرعی طریقے پر طلاق ثابت نہ ہو جائے غلام حسین اس سے شادی نہیں کرسکتا۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دے اور نامحرم کو اپنے گھر میں رکھنے کے سبب توبہ کرے اور اگر اس عورت سے میاں بیوی جیسا تعلق رکھا تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوا۔ اس صورت میں اسے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور اسے میلاد شریف وقرآنی خوانی کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔ اگر عورت مذکورہ کو اپنے گھر سے فوراً نہ نکالے تو سب مسلمان اس کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پ ۷، ع ۱۴) ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سکندر اعظم۔ گاندھی نگر۔ بستی

زید اپنی موطوءہ بیوی ہندہ کو سسرال سے لینے گیا۔ ہندہ نے کسی وجہ سے قسم کھا کر اپنے شوہر سے کہا کہ میں دو سال تک تمہارے گھر نہیں جاؤں گی۔ یہ سن کر زید مایوس ہوا اور اپنے گھر واپس چلا آیا۔ چند روز بعد اس نے اپنی بیوی ہندہ کے پاس ایک رقعہ روانہ کیا جس کا مضمون یہ ہے۔ میں آپ کو طلاق دے رہا ہوں میں نے آپ کو طلاق دی۔ میں آپ کو طلاق دی۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ صورت متذکرہ بالا میں کون سی طلاق واقع ہوئی اور زید اپنی بیوی ہندہ کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے حکم شرع کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے اپنی مدخولہ بیوی ہندہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ میں آپ کو طلاق دے رہا ہوں۔ پھر تین بار یوں لکھا کہ میں نے آپ کو طلاق دی تو ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں اور چوتھی لغو ہوئی۔ زید اب بغیر حلالہ اپنی بیوی ہندہ کو نہیں رکھ سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ: فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ ۲، ع ۱۴) اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ ہندہ عدت گزرنے کے بعد اہل سنت وجماعت کے کسی شخص سے نکاح صحیح کرے اور دوسرا شوہر اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دے دے یا مر جائے تو ہندہ دوبارہ عدت گزارے اس کے بعد زید اس سے نکاح کرسکتا ہے اگر دوسرے شوہر نے بغیر ہمبستری طلاق دے دی یا مر گیا تو زید ہندہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا کہ حلالہ صحیح ہونے کے لئے دوسرے شوہر کا ہمبستری کرنا شرط ہے جیسا کہ حدیث عسیلہ میں ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولوی قطب اللہ قادری نائب امام مسجد قصائی محلہ پین۔ ضلع رائے گڑھ۔ مہاراشٹر

(۱)......زید نے اپنی مدخولہ بیوی ہندہ کو خط کے ذریعہ طلاق دی خط اپنے سسر کے پاس بھیجا۔ خط میں یہ مضمون لکھا تھا۔ سنا ہے کہ تمہاری لڑکی ہندہ ہمارے گھر سے بھاگ کر تمہارے گھر چلی گئی ہے اور تم اس کو رکھے ہو تو میں طلاق دیتا ہوں۔ گنتی کا لفظ نہیں لکھا تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ **بینوا توجروا**

(۲)......بکر نے اپنی مدخولہ بیوی ہندہ کو اپنے سسرال میں ہندہ کے بھائی اور بھابھی کے سامنے کہا کہ میں تجھ کو خط کے ذریعہ طلاق دیتا ہوں تو کیا تم منظور کرتی ہو۔ ہندہ نے کہا نہیں تب ہندہ کے بھائی زاہد نے کہا۔ شوہر نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی تب بکر نے زاہد سے کہا کہ طلاق ہوگئی تو پھر زاہد نے کہا کہ ہاں، عورت منظور کرے یا نہ کرے تو بکر نے کہا کہ اسے طلاق دے ہے جائت ہے۔ تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ **بینوا توجروا**

(۳)......زید نے اپنی مدخولہ بیوی ہندہ کو ایک ساتھ میں تین طلاق اس کے میکے میں دے دیں۔ دس بارہ دن کے بعد زید کے ساس سسر کی خوشی سے ہندہ کو زید کے ساتھ رخصت کر دیا۔ زید اسے اپنے گھر رکھے ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے یہاں کھانا پینا یا اس کو کھلانا پلانا کیسا ہے؟ یا ان کو جو لوگ کھلائیں پلائیں ان کے یہاں کھانا پینا یا ان لوگوں کو کھلانا پلانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

(۴)......بکر کی لڑکی عابدہ خاتون کو اس کے شوہر حامد نے اپنی مدخولہ بیوی عابدہ خاتون کو تین طلاقیں دے دیں بکر نے اپنی لڑکی عابدہ خاتون کو بغیر حلالہ کروائے اپنے داماد حامد کے ساتھ رخصت کر دیا۔ بکر کا لڑکا ناصر اپنے والدین سے ناراض ہوگیا اور اپنے والدین کے ہاتھ کا کھانا پانی نہیں کھاتا پیتا ہے، حرام سمجھتا ہے اور اپنے والدین سے سلام و کلام کرنا بھی حرام سمجھتا ہے ان کی خدمت بھی نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ تم لوگ عابدہ خاتون کو بھیج کر زنا کاری کروا رہے ہو۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ناصر اپنے والدین کے ہاتھ کا کھانا پانی کھا پی سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کی خدمت کر سکتا ہے یا نہیں؟ ناصر اپنے بال بچوں کو لے کر الگ کھاتا پیتا ہے۔ **بینوا توجروا**

(۵)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو حضرت ابو طالب کہنا کیسا ہے؟ اور ان کو حضرت ابو طالب کہہ سکتے ہیں کہ نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: (۱)......صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ زید عدت کے اندر عورت کی مرضی کے بغیر بھی اس سے رجعت کر سکتا ہے، نکاح کی ضرورت نہیں اور بعد عدت عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (پ ۲، ع۱۲) **وھو تعالٰی اعلم بالصواب**

(۲)......تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ اپنے شوہر بکر پر اس طرح حرام ہو گئی کہ اب بغیر حلالہ اس کے لئے ہرگز حلال
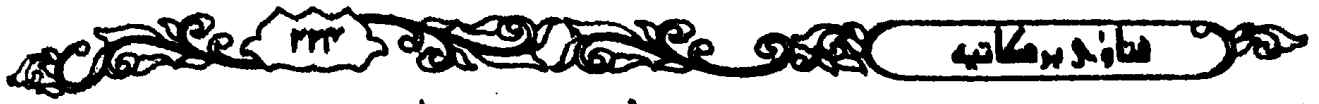
نہیں۔ اللہ جلت عظمتہ نے ارشاد فرمایا: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (پ۲ ع۱۳) وھو تعالٰی اعلم

(۳)......مدخولہ عورت کو تین طلاق دے کر پھر بغیر حلالہ اس سے بیوی جیسا تعلق رکھنا سخت ناجائز وحرام ہے۔ زید پر لازم ہے کہ اس عورت کو اپنے سے دور کردے اور خود اس سے دور رہے۔ اگر تین طلاق کے بعد اس سے بیوی جیسا تعلق رکھا تو علانیہ توبہ واستغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام سب بند کردیں۔ خدا تعالٰی کا ارشاد ہے: وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷ ع۱۴) اور جو لوگ اس کا بائیکاٹ نہ کریں ان سے بھی قطع تعلق رہیں۔ زید کے ساس سسر کا بھی بائیکاٹ کیا جائے نہ ان کے یہاں کھایا جائے اور نہ ان کو کھلایا جائے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۴)......حامد نے جبکہ اپنی مدخولہ بیوی عابدہ خاتون کو تین طلاقیں دے دیں تو بغیر حلالہ عابدہ خاتون کو پھر حامد کے گھر رخصت کردینا بیشک زنا کاری کے لئے بھیجنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ لہٰذا اس بات پر ناصر کا اپنے اولدین سے ناراض ہو جانا، ان کے ساتھ کھانا پینا اور سلام وکلام بند کردینا اور ان کی خدمت سے اعراض کرنا حق ہے۔ ناصر کے ساتھ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ عابدہ خاتون جس کو اس کے ماں باپ زنا کاری کے لئے بھیجا ہے تاوقتیکہ اسے واپس بلا کر علانیہ توبہ واستغفار نہ کریں سب لوگ اس کے ماں باپ کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ خدا تعالٰی کا فرمان ہے: وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ۱۲ ع۱۰) جب تک کہ ناصر کے والدین عابدہ خاتون کو واپس لا کر توبہ نہ کریں ناصر اپنے والدین کے ساتھ نہ کھائے پئے اور نہ ان کی خدمت کرے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۵)......ابوطالب کو حضرت ابوطالب کہنے کی اجازت نہیں اس لئے کہ ان کی موت کفر پر ہوئی۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲؍ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از صدیق احمد۔ مقام وڈاکخانہ اچل پور۔ گونڈہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ مدخولہ کو غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دے دیں۔ زید کی بیوی ہندہ کی عمر اس وقت پینتالیس سال سے کم نہیں اور پچاس سال سے زیادہ بھی نہیں اور حیض بند ہوئے تقریباً دس سال ہوئے۔ مطلقہ ہندہ نے لگ بھگ چار مہینے بعد بکر سے نکاح کیا۔ بکر نے بغیر خلوت صحیحہ طلاق دے دی تو یہ حلالہ صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اس کے لئے عدت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر چہ زید نے غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دی ہیں اور اگر چہ بیوی کی عمر لگ بھگ اس سال ہے اور اگر چہ حیض کو بند ہوئے تقریباً دس سال ہو گئے اس پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں کہ غصہ میں بھی طلاق پڑ جاتی

ہے بلکہ اکثر طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے۔ البتہ بیک وقت تین طلاق دینے کے سبب شوہر گنہگار ہوا۔ توبہ کرے اور ہندہ مطلقہ نے لگ بھگ چار مہینے گزرنے کے بعد بکر سے جو نکاح کیا وہ نکاح صحیح تو ہو گیا لیکن بکر نے اگر بغیر ہمبستری اسے طلاق دے دی تو حلالہ صحیح نہ ہوا۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث عسیلہ میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ عدت کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا پھر ان سے ہمبستری کئے بغیر حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا حتی تذوقی عسیلۃ ویذوق عسیلتک. تم اس وقت تک رفاعہ کی طرف لوٹ کر نہیں جا سکتی ہو جب تک عبدالرحمٰن سے تم اور تم سے وہ جنسی حظ حاصل نہ کرلیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴) اس حدیث شریف سے واضح طور سے معلوم ہو گیا کہ ہمبستری کے بغیر حلالہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ عورت اگر زید سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو بکر یا کسی دوسرے سے نکاح صحیح کرے۔ پھر یہ نیا شوہر اس کے ساتھ کم سے کم ایک بار ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دے دے یا مر جائے تب عدت گزارنے کے بعد زید سے نکاح کر سکتی ہے اور بکر نے جو بغیر ہمبستری اور بغیر خلوت صحیحہ عورت مذکورہ کو طلاق دی ہے اس کی عدت نہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ"۔ یعنی اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بغیر ہمبستری کئے چھوڑ دو تو تمہارے لئے کچھ عدت نہیں جسے گنو (پ ۲۲، ع ۳) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد الیاس احمد۔ ساکن امرڈوبھا۔ ڈاکخانہ بکھرا بازار۔ بستی

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی کچھ روز دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہے پھر زید نے ہندہ کو رکھنا نہیں چاہا تو وہ کئی برس تک اپنے میکے میں رہی۔ جب زید سے طلاق کا مطالبہ بدرجۂ مجبوری کیا گیا تو اس نے کہا کہ ہم جہیز کا ایک سامان بھی واپس نہیں کریں گے۔ جب ہندہ نے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو بدرجۂ مجبوری اس کو مان لیا پھر زید نے یہ مضمون لکھ کر ہندہ کو دیا اور کہا کہ اس پر دستخط کرو کہ میں ہندہ بنت خالد رسول آباد ڈاکخانہ بکھرا بزار ضلع بستی کی ہوں میرا نکاح زید بن بکر ساکن ڈھونڈھیا ضلع بستی کے ساتھ ہوا تھا میں نے راضی خوشی سے دین مہر و خرچہ عدت و جہیز دے کر خلع کرایا۔ فقط

ہندہ نے اس پر دستخط کر دیا اور زید نے اپنی طرف سے درجۂ ذیل مضمون پر دستخط کر کے ہندہ کو دیا۔

جناب خالد صاحب السلام علیکم! پانچ سال سے زائد عرصہ گزر رہا ہے آپ کی بچی ہندہ کی شادی میرے ساتھ ہوئی مگر سوئے اتفاق میرا گزر بسر اس کے ساتھ مشکل ہے اس لئے میں ہوش و حواس کے ساتھ راضی خوشی سے آپ کی لڑکی ہندہ کو طلاق

بائن دیتا ہوں۔ سسرال سے ہندہ کو جو زیورات ملے تھے ہندہ نے زید کو واپس کر دیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا اس طرح کا مطالبہ کر کے جہیز کا سارا سامان، مہر وخرچہ عدت رکھ لینا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر صرف شوہر کی طرف سے زیادتی تھی تو اس صورت میں جہیز کے سامان اور مہر وغیرہ کے بدلے طلاق دینے کے سبب زید گنہگار ہوا اور نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا۔ یعنی اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس صورت میں کچھ اس میں سے واپس نہ لو۔ (پ۴ ع۱۴) اور حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کرہ تحریما اخذ شئ ویلحق به الابراء عمالها علیه ان نشزوان نشزت لا ولومنه نشوزایضا ولوباکثرمما اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لاباس به یفید انها تنزیهة (درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص۵۶۰و ص۵۶۱) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از غلام جیلانی پورینہ پانڈے ضلع بستی

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی۔ ہندہ دوبار رخصت ہو کر زید کے یہاں گئی مگر زید اسے بہت ستاتا ہے، ظلم کرتا ہے اور بہت زیادہ مارتا پیٹتا ہے۔ اور دھمکی دیتا ہے کہ اب کی بار آئے گی تو اور زیادہ ماروں گا اس وجہ سے ہندہ اب زید کے یہاں جانے کو تیار نہیں۔ زید سے جب طلاق کے لئے کہا گیا تو وہ کہتا ہے کہ خلع کر لیں اور خلع کے بدل میں ہماری شادی کا پورا خرچ دیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خلع کے بدل میں زید کا پوری شادی کا خرچ طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شادی کے موقع پر جو ہندہ کے گھر والوں نے جہیز دیا اس کا مالک کون ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر زیادتی شوہر کی جانب سے ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو اس صورت میں پوری شادی کا خرچ خلع کے بدل میں زید کا طلب کرنا جائز نہیں بلکہ اس مال میں تھوڑا مال بھی مانگنا اس کے لئے حلال نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ جلد اوّل ص ۵۱۵ میں ہے: ان کان النشوز من قبل الزوج فلا یحل له اخذ شئ من العوض علی الخلع اھ۔ اور حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کرہ تحریما اخذ شئ ویلحق به الابراء عمالاہ علیه ان نشز اھ۔ ہاں اس صورت میں کہ زیادتی عورت کی جانب سے ہو شوہر خلع کے بدل میں صرف اتنا لے جتنا کہ اس نے مہر میں دیا ہو فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ جلد اوّل ص ۵۱۵ میں ہے: ان کان النشوز من قبلها کرهنا له ان یاخذ اکثر مما اعطاها من المهر اھ اور جہیز عورت کی ملکیت ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۳۴۹ پر ردالمحتار سے ہے: ان

الجهاز ملك المرأة اه وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از مقبول احمد موضع اندولی ڈاکخانہ اماری بازار۔ بستی

۱۱ شوال ۱۵ھ کو محمد حنیف کی شادی قیصر بانو سے ہو کر اسی روز رخصتی ہوئی۔ قیصر بانو کی ۱۹ ربیع الآخر ۱۶ھ کو لڑکی پیدا ہوئی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذکورہ لڑکی از روئے شرع محمد حنیف کی قرار دی جائے گی یا زنا کی ٹھہرائی جائے گی؟ اگر وہ لڑکی محمد حنیف کی ہے تو جو لوگ اس کو زنا کی لڑکی کہتے ہیں ان کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ لڑکی از روئے شرع محمد حنیف ہی کی ہے زنا کی ہرگز نہیں ہے اس لئے کہ وہ نکاح کے بعد چھ مہینہ آٹھ دن پر پیدا ہوئی ہے اور حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ یعنی حمل اور اس کا دودھ چھڑانا کل تیس مہینہ ہے۔ (پ ۲۶ ع ۲) حضرت علامہ جلال الدین محلی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ستة اشهر اقل مدة الحمل والباقی اكثر مدة الرضاع۔ یعنی حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور دو سال دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ (تفسیر جلالین ص ۴۱۷) اور شرح وقایہ جلد دوم ص ۱۴۵ اور در مختار مع شامی جلد دوم ص ۴۲۳ میں ہے: اقل مدة الحمل ستة اشهر۔ یعنی حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۴۷۹ میں ہے: اذا تزوج الرجل امراة فجاء ت بالولدلا قل من ستة اشهر منه تزوجها لم يثبت نسبه وان جاء ت به لستة اشهر فصا عدايثبت نسبه منه۔ یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا تو وہ عورت نکاح کے وقت سے چھ مہینے سے کم پر لڑکا لائی تو وہ لڑکا ثابت النسب نہ ہوگا۔ (یعنی شوہر کا نہیں مانا جائے گا) اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ پر لڑکا پیدا ہوا تو شرع کے نزدیک وہ لڑکا شوہر کا ہے اور حدیث شریف میں ہے: الولد للفراش۔ یعنی لڑکا شوہر ہی کا ہے۔ لہٰذا لڑکی مذکورہ جب کہ شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئی تو وہ محمد حنیف ہی کی مانی جائے گی۔ اسے زنا کی لڑکی قرار دینا قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ کا انکار کرنا ہے جو لوگ اپنی جہالت سے مذکورہ لڑکی کو زنا کی لڑکی کہتے ہیں وہ سب علانیہ توبہ واستغفار کریں اور اللہ کے قہر وعذاب سے ڈریں۔ هٰذا ما عندی والعلم بالحق عند الله تعالیٰ ورسوله جل مجده وصلى الله تعالیٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از انوار احمد متعلم جامعہ اشاعت الاسلام بوڑھنی بازار ضلع سدھارتھ نگر، یو۔ پی ہند

ہندہ مدخولہ کا شوہر بکر راضی وخوشی ہندہ کو حالت حمل میں اس کے میکے پہنچا کر خود بمبئی چلا گیا اور عرصہ دو سال کے بعد واپس آیا اس درمیان ہندہ اپنے میکے میں رہی اور وہیں ایک بچہ ہندہ سے پیدا ہوا اور فوت ہو گیا ہندہ کی ساس سے جب بھی کہا گیا کہ وہ ہندہ کو اپنے گھر لے جائے تو بکر کی واپسی پر ٹالتی رہی۔ جب بکر واپس آیا تو بجائے لے جانے کے طلاق دینے پر آمادگی ظاہر کی بکر کو اس بات کا اعتراف بھی تھا کہ ہندہ میں کوئی عیب نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی شکایت ہے کہا کہ بس میرا جی نہیں ملتا ہے اور طلاق دے بھی دی۔ عدت کا خرچہ وغیرہ ادا کر دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ اپنے شوہر سے زمانہ ماضیہ کا نفقہ پانے کا حق رکھتی ہے؟ زید جو عالم دین ہے اس کا کہنا ہے کہ عدم قضائے قاضی یا رضائے طرفین کے ہندہ نفقۂ زمانہ ماضیہ پانے کا حق نہیں رکھتی نفقہ شوہر پر اسی وقت واجب ہے جب عورت شوہر کے گھر رہے۔ جو بھی شرعی حکم ہو واضح فرمانے کی زحمت کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ ناشزہ نہیں کہ بکر نے راضی وخوشی سے ہندہ کو اس کے میکہ پہنچایا تو وہ اپنے والد کے گھر رہتے ہوئے بھی نفقہ کی مستحق ہوئی لیکن اس نے نفقہ وصول نہ کیا اور طرفین کی رضا و قاضی کی قضا کے بغیر کسی طرح اپنی ذات پر خرچ کرتی رہی تو اس زمانہ کا نفقہ ساقط ہو گیا۔ شوہر سے اب اس کا مطالبہ کرنا غلط ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۷۰۴ پر درمختار سے ہے: النفقة تجب للزوجة ولوهي في بيت ابيها اذالم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتي وكذااذا طالبها ولم تمنع اه ملخصًا۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۱۷ پر ہے: اذا خاصمت المراة زوجها في نفقة مامضى من الزمان قبل ان يفرض القاضي لها النفقة وقبل ان يتراضيا على شئ فان القاضي لا يقضي لها بنفقة مامضى عندنا كذا في المحيط۔ اور اسی کے مثل فتاویٰ قاضی خاں مع ہندیہ جلد اول ص ۳۹۲ پر ہے اور درمختار مع ردالمحتار جلد دوم مطبوعہ نعمانیہ ص ۶۵۸ پر ہے: النفقة لا تصير دينا الا بالقضاء والرضاء اور شامی میں ہے: قوله النفقة لاتصير دينا اى اذا لم ينفق عليها بان غاب عنها اوكان حاضرا فا متنع فلايطالب بهابل تسقط بمضي المدة اھ۔ بلکہ اگر طرفین کی رضا یا قاضی کی قضا سے نفقہ کی کچھ مقدار مقرر بھی ہوتی تو طلاق کے سبب صورت مذکورہ میں وہ بھی ساقط ہو جاتا۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۶۵۹ میں ہے: ان ينظر في حال الرجل هل فعل ذلك (اى وقع الطلاق) تخلصا من النفقة اولسوء اخلاقهامثلا فان كان الاول يلزم بهاوان كان الثاني لايلزم وهذا ماقاله المقدسي وينبغي التعويل عليه۔ وهو تعالى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ

مسئلہ: از محمد ذوالفقار احمد چشتی۔ مدرسہ اہلسنت خیر الاسلام کھوریا۔ تتری بازار۔ سدھارتھ نگر

ایک مسجد کی تعمیر کی گئی جس میں نماز پنج وقتہ کے علاوہ نماز جمعہ بھی ہوتی رہی مگر اب جمعہ میں نمازیوں کی کثرت کے بنا پر

ہو تنگ پڑ رہی ہے اور مسجد کے قریب کوئی جگہ بھی نہیں ہے جس سے مسجد کی توسیع ممکن ہو۔ اس آبادی میں ایک عیدگاہ ہے جس میں ابھی دو سال سے عیدین کی نماز ہو رہی ہیں آبادی کے لوگ اس عیدگاہ کو جامع مسجد کی شکل دینا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس عیدگاہ کو جامع مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر بنا سکتے ہیں تو کیا پرانی مسجد میں نماز جمعہ قائم رکھنا ضروری ہے جبکہ یہ آبادی شہر میں داخل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: جس زمانہ میں عیدگاہ مذکور بنانے کے لئے زمین دینے والے نے زمین دی یا مسلمانوں کے چندے سے وہ زمین عیدگاہ بنانے کی نیت سے خریدی گئی اگر اس وقت آبادی مذکور ایک گاؤں جیسی حیثیت رکھتی تھی اور شہر میں داخل نہیں تھی تو زمین دینے والے یا اس کے ورثہ کی اجازت سے عیدگاہ مذکور کو مسجد بنا سکتے ہیں اور مسلمانوں کے چندے سے اگر زمین خریدی گئی تھی تو عام مسلمانوں کی اجازت سے عیدگاہ کی جگہ مسجد تعمیر کر سکتے ہیں اس لئے کہ گاؤں میں عیدگاہ کے لئے وقف صحیح نہیں اور جب وقف صحیح نہیں تو پھر ایسی زمین مالک کی ملکیت پر باقی رہتی ہے وہ جو چاہے اس میں کرے اپنا مکان بنائے، کھیتی کرے یا اس کو مسجد بنانے کے لئے دے دے۔ ایسا ہی اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۱۷ پر تحریر فرمایا ہے۔

اور جس زمانہ میں وہ زمین دینے والے نے عیدگاہ کے لئے دی یا عیدگاہ بنانے کی نیت سے خریدی گئی اگر اس وقت وہ آبادی شہر میں داخل تھی تو اس عیدگاہ کو مسجد بنانا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ عیدگاہ کے لئے وقف صحیح ہو گیا اور وقف کی تبدیلی جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **لایجوز تغییر الوقف**۔ اور پرانی مسجد جبکہ جمعہ کی نماز کے لئے تنگ پڑ رہی ہے تو عیدگاہ کو جامع مسجد بنانے کے جواز کی صورت میں پرانی مسجد میں جمعہ کی نماز قائم رکھنا ضروری نہیں۔ **وھو تعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از محمد اظہار علی برکاتی قصبہ وڈاکخانہ جگور۔ ضلع لکھنؤ

ہمارے قصبہ جگور میں اکثریت غیر مسلم کی ہے۔ اسی قصبہ میں ایک جامع مسجد ہے جس کا متولی زید ہے زید کے حکم سے مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے اعلانات ہوتے رہتے ہیں اور وہ اعلانات اس طرح کے ہوتے ہیں مثلاً کسی کے سانپ نے کاٹ لیا خواہ کسی غیر مسلم کے کاٹا ہو۔ تو اس کی اطلاع سانپ جھاڑنے والے ہندوؤں کو اسی لاؤڈ سپیکر سے دی جاتی ہے۔ یا نا گہانی کوئی مصیبت آ گئی یا آگ لگ گئی وغیرہ تو ان سب باتوں کی خبر قصبہ کے لوگوں کو اسی لاؤڈ سپیکر سے دی جاتی ہے۔ زید سے جب منع کیا گیا کہ مسجد سے ایسے اعلانات نہیں ہونے چاہئیں تو زید کہتا ہے کہ "اگر ہم صرف مسلمانوں کے کام کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال کریں گے اور غیر مسلم کے لئے نہ کریں گے تو اس سے مسلم اور غیر مسلم کے اتحاد میں فرق آ جائے گا اور نتیجتاً مسجد کا لاؤڈ سپیکر ہٹوا دیا جائے گا۔ اس خوف کے پیش نظر اور ہندو مسلم کے آپسی اتحاد کے پیش نظر زید اعلانات کراتا رہتا ہے تو اس طرح

کے اعلانات مسجد سے کرانا جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: مسجد کی چیز مسجد ہی کے کاموں میں استعمال ہوگی دوسروں کے لئے اس کا استعمال ناجائز و حرام ہے چاہے غیر مسلم ہو یا مسلم یہاں تک کہ جس نے کوئی چیز مسجد میں دی وہ بھی اس چیز کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مال وقف خود واقف کو حرام ہے کہ وہ اپنے صرف میں لائے (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۴) لہٰذا مسجد کا لاؤڈ سپیکر غیر مسلم ہو یا مسلم مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ نیز جلسہ و تقریر وغیرہ کے لئے اسے کرایہ پر دینا بھی درست نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۶ ص ۴۵۵ پر ہے۔ کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہو تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا حرام لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے فائدہ کی ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ

مسئلہ: از محمد رئیس مدرس دار العلوم اہلسنت رضویہ۔ موضع دساواں ڈاکخانہ بجہرا بستی

زید اپنی زندگی میں ہی اپنے لئے قبر کی جگہ کی تعیین کرسکتا ہے یا نہیں اور وقف علی المسلمین زمین پر مزارات وغیرہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مدرسوں کے لیے وقف زمین پر مدرسہ کے بانی اور اساتذہ کی تدفین اور اس پر مزار وغیرہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ زید اپنی قبر کی تعمیر کے لئے اپنی زندگی میں زمین وغیرہ خرید سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: زندگی میں اپنی قبر کے لئے جگہ متعین کرسکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جاکر کہو کہ عمر یہ اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی لیکن آج میں اپنی ذات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں (تاریخ الخلفاء عربی ص ۱۳۵ اردو ص ۳۱۴) اور حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے زندگی میں اپنی قبر تیار کروائی اور اسی میں بیٹھ کر ایک رسالہ تحریر فرمایا جو رسالہ قبریہ سے مشہور ہے۔

اگر کسی نے عام مسلمانوں کو دفن کرنے کے لئے زمین اس شرط پر وقف کی کہ میری یا فلاں کی قبر اس میں پختہ بنائی جاسکتی ہے تو اس صورت میں واقف کی یا جس کے بارے میں اس نے کہا اس کا پختہ مزار وقف علی المسلمین قبرستان کی زمین پر تعمیر کرنا جائز ہے اس لئے کہ شرط واقف مثل نص شارع ہے۔ کما ھو مصرح فی الکتب الفقھۃ۔ اور اس طرح کی کوئی شرط اس نے نہیں رکھی ہے تو ایسے قبرستان میں پختہ مزار بنانا جائز نہیں کہ زمین کے جتنے حصہ پر اس کی تعمیر ہو جائے گی اس پر ہمیشہ کے

دوسرے کا حق دفن نہیں رہ جائے گا۔ البتہ اگر قبرستان کی حفاظت کے لئے چہار دیواری وغیرہ نہ ہو اور نہ بروقت کسی طرح اس کی حفاظت ممکن ہو اور اس پر ناجائز قبضہ کا غالب گمان ہو تو اس صورت میں قبرستان وقفی کی سرحد پر بقدر ضرورت پختہ قبریں بنائی جا سکتی ہیں الاشباہ والنظائر ص ۹۴ میں ہے: الضرورات تبیح المحظورات اھ۔ واقف نے اگر تدفین بانی و اساتذہ کی شرط کے ساتھ وقف کیا ہے تو دفن اور مزار وغیرہ کی تعمیر جائز ہے ورنہ نہیں اور وقف کے وقت اس نے شرط مذکور کو بیان نہیں کی تھی تو اب اس کی اجازت سے بھی مدرسہ کی موقوفہ زمین پر اساتذہ وغیرہ کی تدفین نہیں ہو سکتی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۳۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں: ''وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثل وقف لازم ہو جاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یا اس کے بدلنے کا اسے اختیار نہیں رہتا یوں ہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیلی یا اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے اسی کتاب کی جلد و صفحہ مذکور کا مطالعہ کریں۔ اپنی قبر کی تعمیر کے لئے اپنی زندگی میں زمین وغیرہ خرید سکتا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از حیدر علی مہتمم قبرستان مسلمانان ہنیسر بازار۔ بستی

قبرستان مسلمانان ہنیسر بازار جو کہ لب روڈ ہے۔ سالہا سال سے اس کا غیر مسلموں سے مقدمہ چل رہا تھا۔ الحمد للہ اب یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا ہے مگر اب بھی یہاں کے غیر مسلم اس میں اپنی تقریبات مناتے ہیں نیز ان کے بچے اس میں لہو ولعب کرتے ہیں۔ ہم برائے تحفظ قبرستان روڈ کی جانب سے کچھ کمرے بنوانا چاہتے ہیں جس کی آمدنی سے قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ کا انتظام کر کے اسے بے ادبی سے بچایا جا سکے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر کسی مسلمان نے مذکورہ قبرستان کو صرف مردہ دفن کرنے کے لئے وقف کیا یا چکبندی کے موقع پر وہ زمین حاصل کی گئی یا پردھان نے اسے قبرستان کے لئے دیا اور مسلمانوں نے پوری زمین کو مردہ دفن ہونے کے لئے خاص کر دیا تو اس پر کمروں کی تعمیر جائز نہیں اگرچہ اس جگہ مردے مدفون نہ ہوں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا جائز نہیں اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف فروع فصل شرط میں ہے: الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ ولہذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا قتال مخالفین کے لئے وقف ہوا ہو اسے کرایہ پر چلانا ممنوع و ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۵) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ رذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: ازمحمد تصور حسین قادری مدرس مدرسہ بدرالعلوم۔ گوبر ہا بازار ضلع بہرائچ شریف۔ یوپی

(۱) الف...... برائے قبرستان وقف شدہ زمین پر نادانستہ عمارت مدرسہ تعمیر کرلی گئی اور ایک گوشہ میں نل دیا گیا تو اب اس میں چپل جوتے پہن کر جانا' کھانا' پینا' رہنا' سہنا' خواب بیداری' وضو کرنا غسل کرنا یا نماز پڑھنا یا سلسلۂ تعلیم وتعلم کا اجراء اور لب سڑک دکانیں بنالینا یہ ساری باتیں جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

(ب)...... اگر ناجائز ہیں تو کیا اس مدرسہ کی چھت پر دوسری عمارت کا بنالینا اور اس میں ان مذکورہ بالا باتوں کا عمل میں لانا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

(ج)...... اگر روا ہے تو برائے قبرستان وقف شدہ باقی زمین جس پر ابھی مدرسہ کی عمارت نہ بنائی گئی ہے اس میں جگہ جگہ ستون استادہ کرکے اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت اور کچھ دکانیں بنائی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

(د)...... اور اگر نیچے یا اوپر کسی بھی صورت میں مذکورہ بالا تمام باتیں جائز نہ ہوسکتی ہوں تو آیا مدرسہ کی بنی ہوئی عمارت اور سیمنٹڈ فرش اپنے اپنے موجودہ حال پر باقی رکھے جائیں یا منہدم کردیئے جائیں؟ **بینوا توجروا**

(ہ)...... اگر باقی رکھی جائیں تو پھر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ اس میں نہ سلسلۂ تعلیم وتعلم جاری رکھا جائے اور نہ ہی اسے رہائشگاہ بنایا جائے اور نہ کوئی مردہ دفنایا جائے؟ **بینوا توجروا**

(و)...... یا یہ کہ عمارت باقی رکھتے ہوئے بھی اس میں مردے دفنائے جائیں اور یا منہدم کرکے اس میں مردے دفنائے جائیں؟ **بینوا توجروا**

(۲)...... گرمی کی شدت کی بناپر مسجد کی چھت پر یا برائے قبرستان وقف شدہ زمین پر جو عمارت مدرسہ تعمیر کرلی گئی ہے اس کی چھت پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر پڑھی جاسکتی ہے تو جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو بغیر جماعت تمام نمازیں بلا استثنٰی پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اور جو کتابوں میں مرقوم ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ **بینوا توجروا**

(۳)...... ایک سنی مردے کی نماز جنازہ کسی وہابی یا دیوبندی نے پڑھادی تو اس کی اقتداء کرنے والے ازروئے شرع مجرم ہیں یا نہیں اگر ہیں تو جب تک یہ لوگ ازالۂ جرم کی کوئی صورت بروئے کار نہ لائیں اس وقت تک ایسے لوگوں سے ربط ضبط رکھنا کیسا ہے اور دیوبندی سے نماز جنازہ پڑھوانے والے کے بغیر توبہ کئے ہوئے اس کی فاتحہ خوانی کی بزم منعقدہ میں شرکت اور اس کی لائی ہوئی شیرینی کے لئے اور کھانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے اگر ہے تو دیوبندی کی اقتداء کرنے والوں اور بغیر ازالۂ جرم کی صورت اپنائے ہوئے ان کی فاتحہ خوانی میں شرکت کرنے والوں اور ان کی شیرینی لینے اور کھانے والوں کے لئے کیا حکم شریعت ہے اور ازالۂ جرم کی کیا صورت ہے؟ **بینوا توجروا**

(۴)...... پنج وقتہ نمازوں میں سے کوئی نماز دانستہ یا نادانستہ کسی وہابی یا دیوبندی کی اقتداء میں ادا کرنا کیسا ہے اور ادا

کرنے والا ازروئے شرع مجرم ہے یا نہیں؟ اور ازالۂ جرم کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱) الف' ب' ج' د' ہ' و وقفی قبرستان مسلمانوں کے مردوں کو دفن کے لئے موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے کسی حصہ کو مدرسہ بنا دینا سخت ناجائز وحرام ہے اس لئے کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور وہ ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایجوز تغییر الوقف۔ اور فتح القدیر میں ہے: الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۳۹۹ میں ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلاف وقف جائز نہیں۔ مدرسہ ہو خواہ مسجد یا کچھ اور (فتاویٰ رضویہ جلد ۶' ص ۴۴۷) لہٰذا قبرستان میں بنا ہوا مدرسہ منہدم کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مسجد کا قبرستان ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی عمارت بھی ڈھا دی جائے گی۔ ایسا ہی فتاویٰ مذکور کی اسی جلد کے ص ۴۴۰ پر ہے اور جب قبرستان میں بنے ہوئے مدرسے اور مسجدیں منہدم کر دی جائیں گی تو اس میں دکانیں تعمیر کرنا اور مدرسہ کی چھت پر دوسری عمارت بنانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز وحرام رہے گا۔ البتہ اگر قبرستان کی حدود سے باہر ستون قائم کریں اور اس کی چھت اتنی بلندی پر ڈھالیں کہ اس میں دفن کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے میں رکاوٹ نہ ہو اور نہ قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ ستون کے قائم کرنے میں لیں تو اس صورت میں اس کی چھت پر مدرسہ اور دکانیں بنا سکتے ہیں ورنہ نہیں ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۳۹۹ پر ہے اور قبرستان میں ہر وہ بات جائز نہیں جو اس کے وقف کی غرض کے خلاف ہو یا مردہ کی اذیت کا سبب ہو۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲)...... وقفی قبرستان کی زمین پر جو مدرسہ تعمیر کیا گیا ہے اس کے تو انہدام کا حکم ہے جیسا کہ جواب ا میں گزرا۔ اور مسجدوں کی چھت کے بارے میں جو حکم ہے اس کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر بلاضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب نیچے کا درجہ بھر گیا تو اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلاضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶' ص ۴۴۸) کتابوں میں جو تحریر ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے اس کی مراد بالکل واضح ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۳)...... وہابی دیوبندی کی اقتداء کرنے والے بیشک مجرم ہیں۔ تاوقتیکہ وہ لوگ ازالۂ جرم کی صورت پر عمل نہ کریں ان سے ربط ضبط ممنوع ہے۔ دیوبندی سے نماز جنازہ پڑھوانے والے کے یہاں توبہ کے بغیر اس کی مجلس میں شرکت کرنے اور اس کی لائی ہوئی شیرینی کے لینے اور کھانے میں بیشک قباحت ہے۔ دیوبندی کو مسلمان جان کر جن لوگوں نے اس کی اقتداء کی ان پر توبہ کے ساتھ تجدید ایمان ونکاح بھی لازم ہے اور جن لوگوں نے مسلمان جان کر وہابی کی اقتداء نہیں کی بلکہ کسی دباؤ یا لحاظ میں آ کر اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو اس صورت میں صرف توبہ لازم ہے اور ازالۂ جرم کی صورت اپنائے بغیر جو لوگ وہابی یا دیوبندی سے جنازہ پڑھوانے والے کی مجلس فاتحہ خوانی میں شریک ہوئے اور اس کی شیرینی لئے اور کھائے وہ سب توبہ کریں کہ انہوں نے ایسے شخص کا بائیکاٹ نہ کیا جبکہ ارشاد خداوندی ہے: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ

الطمئنن (پ۷، ع۱۴)وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از غلام نبی قادری گھنش پور۔ بستی

گرام سماج کی زمین جس پر چند مسلمان قابض ہیں وہ اس زمین کو مسجد بنانے کے لئے بخوشی دے رہے ہیں اس زمین پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: گرام سماج کی وہ زمین جس کا کوئی شخص خاص مالک نہیں ہوتا حقیقت میں وہ زمین خدا تعالیٰ کی ملک ہوتی ہے عندالشرع وہ گورنمنٹ کی ملکیت نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عادالارض للہ ورسولہ۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۹ پر ہے لہٰذا زمین مذکور پر جو لوگ قابض ہیں اگر بخوشی اسے مسجد بنانے کے لئے دے رہے ہیں تو اس پر مسجد بنانا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از ماسٹر وکیل احمد موضع بنولی۔ ڈاکخانہ گوپالپور۔ سدھارتھ نگر

آبادی میں ایک بنجر زمین تھی جس پر مسلمان کا قبضہ تھا اس نے وہ زمین مسجد بنانے کے لئے دیدی جس پر مسلمانوں نے مسجد ہی کی نیت سے دیواریں مکمل کر دیں۔ اس کے بعد اس زمین کا پٹہ قانوناً مضبوطی کے لئے ایک مسلمان کے نام کروادیا گیا۔ اب غیر مسلم کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد بناؤ۔ سوال یہ ہے کہ زمین مذکور پر مسلمانوں کا مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو پھر اس جگہ کو چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: آبادی کی بنجر زمین کہ جس کا کوئی شخص خاص مالک نہیں ہوتا اور حکومت کے آدمی اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اس میں بنوا لیتے ہیں۔ ایسی زمین عندالشرع اللہ کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: عادالارض للہ ورسولہ۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۹ پر ہے۔ لہٰذا اس بنجر زمین پر مسلمانوں کا مسجد بنانا صحیح ہے اور جب مسجد ہی بنانے کی نیت سے مسلمانوں نے اس کی دیواریں بھی مکمل کر دیں تو وہ مسجد ہوگئی۔ حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "یہ کہا کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا تو اس کہنے سے بھی مسجد ہو جائے گی (بہار شریعت حصہ دہم بیان مسجد ص ۵۶ بحوالہ تنویر الابصار) اور زمین مذکور مسجد ہوگئی تو اب کسی کے کہنے سے اس جگہ کو چھوڑ دینا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از (مولانا) طیع الرحمٰن امجدی دار العلوم رضویہ علی پورہ اوے پور (راجستھان)

(۱)...... سعودیہ سے ایک شخص ایک وہابی کے یہاں رقم بھیجتا ہے وہ علاقہ میں دورہ کر کے حسب ضرورت اپنی نگرانی میں تعمیری کام کے لئے روپیہ دیتا ہے گاہے بگاہے آکر دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ کیا ایسی رقم جس کے بارے میں تحقیق نہ ہو کہ یہ رقم کون دیتا ہے سنیوں کو شخص مذکور سے رقم لے کر مسجد تعمیر کرنا اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے؟

(۲)...... رافضی بادشاہ کے صرفہ سے بنی ہوئی مسجد جو اب سنیوں کے قبضہ میں ہے سنی امام کی نماز ایسی مسجد میں درست ہے یا نہیں؟ پورے علاقے کے لوگ مسجد مذکور میں عید کی نماز بھی ادا کرتے ہیں اور اب پنج وقتہ نماز بھی پابندی سے سنی حضرات پڑھتے ہیں درست ہے یا نہیں۔

(۳)...... مزعفر معصفر مردوں کے لئے حرام ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۴ کی حدیث: عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال رای رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسوھما سے صاف ظاہر ہے دور حاضر میں جبکہ گروے رنگ کا کپڑا بالعموم ہندو پہنتے ہیں یہ لباس کفار میں شامل ہے لیکن مارہرہ مطہرہ میں معترضین کا کہنا ہے کہ خانقاہ کی جانب سے مشائخ کو جو جوڑا دیا گیا وہ زعفرانی تھا کہاں تک درست ہے؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب: (۱)...... سنیوں کو مسجد بنانے کے لئے روپیہ دینا ان کو وہابی بنانے کی خاطر نجدیوں کا عظیم فتنہ ہے اس لئے کہ جو لوگ وہابی سے پیسہ لیں گے وہ اس سے میل جول رکھیں گے، سلام وکلام کریں گے، وہ آئے گا تو اس کی تعظیم وتکریم اور خاطر مدارات کریں گے، اسے شادی وغیرہ کی تقریب میں شرکت کی دعوت دیں گے اور وہ اس طرح کے مواقع پر سنیوں کو دعوت دے گا تو وہ لوگ اس کی تقریبات میں شریک ہوں گے یہاں تک کہ اس کے گھر والوں کی نماز جنازہ بھی پڑھیں گے اور اگر وہ چاہے گا تو اس کے یہاں شادی بیاہ بھی کریں گے اور وہ اپنا امام مقرر کرے گا تو اس سے بھی انکار نہ کریں گے۔ اس طرح وہابی مسجد کے نام پر سنیوں کو روپیہ دے کر پورے محلہ یا گاؤں کے سارے لوگوں کو تھوڑے دنوں میں اگر وہابی نہیں بنا سکے گا تو صلح کلی ضرور بنائے گا۔ اس لئے مسجد بنانے کے لئے وہابی کے ذریعہ پیسہ لینا ہرگز جائز نہیں۔ رہی اس میں نماز پڑھنے کی بات تو اگر مسجد کی زمین بھی وہابی نے خریدی ہے تو عند الشرع وہ مسجد نہیں۔ لہٰذا ایسی مسجد میں نماز نہ پڑھیں کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا اور اگر زمین وہابی کی دی ہوئی نہیں ہے تو ایسی مسجد نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)...... ہندو راجہ کے حکم سے شیعہ کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''نماز اس میں ہو سکتی ہے اصلاً محل اشتباہ نہیں۔ نماز ہر پاک جگہ ہو سکتی ہے جہاں کوئی ممانعت شرعی نہ ہو اگرچہ کسی کا مکان یا افتادہ زمین ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من متی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل (فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۴۵۹)

لہٰذا راضی بادشاہ کے صرفہ سے بنی ہوئی مسجد میں امام اور مقتدی کی اور عیدین و پنج وقتی نمازیں سب جائز ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) معصفر اس پیلے کپڑے کو کہتے ہیں جو کسم سے رنگا گیا ہو جیسا کہ غیاث اللغات میں ہے: عصفر بضم میم و فتح عین و سکون صاد مہملہ و فتح فاء بعدہ رائے مہملہ چیزے کہ بگل کاجیرہ آنرا رنگ کردہ باشد چہ عصفر بضم اول و ثالث گل کاجیرہ است کذا فی بحر الجواھر و گل کاجیرہ را بہندی کسمھ گویند۔ واضح ہو گیا کہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو کپڑا کسم سے رنگا ہوا ہو اس کا پہننا ممنوع ہے نہ کہ ہر پیلا کپڑا۔ اس لئے کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کسم یا زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا مرد کو منع ہے گہرا رنگ ہو کہ سرخ ہو جائے یا ہلکا ہو کہ زرد رہے دونوں کا حکم ایک ہے۔ عورتوں کو یہ دونوں قسم کے رنگ جائز ہیں۔ ان دونوں رنگوں کے علاوہ باقی ہر قسم کے رنگ زرد، سرخ، دھانی، بسنتی، چنپئی اور نارنجی وغیرہا مردوں کو بھی جائز ہیں (بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۴۳ مطبوعہ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی) اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ معصفر کے علاوہ جو زرد، بسنتی یا نارنجی ہو وہ مردوں کے لئے بلاشبہ جائز ہے اور مارہرہ مطہرہ میں سلطان المرشدین حضرت حیدر حسن میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلفاء کو جو کپڑا دیا گیا وہ معصفر ہرگز نہیں تھا جو ایسا دعویٰ کرے اس پر ثبوت لازم ہے اور معصفر کے ممنوع ہونے کو حرام سے تعبیر کرنا بھی غلط ہے اس لئے حضرت صدر الشریعہ نے لفظ منع تحریر فرمایا۔ ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۲۸ میں ہے: فی جامع الفتاوی قال ابو حنیفۃ والشافعی ومالک یجوز لبس المعصفر وقال جماعۃ العلماء مکروہ بکراھۃ التنزیہ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد یوسف قادری چوڑی والے۔ مقام رانی دیہہ ڈاکخانہ کھورابار ضلع گورکھپور

مسجد کے اوپر مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے اور مدرسہ بن چکا ہو تو اس کے لئے حکم ہے؟

الجواب: مسجد کے اوپر مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ مسجد کا جو حصہ نماز پڑھنے کے لئے بنایا گیا اس کے مقابل اوپر کا حصہ آسمان کی بلندی تک سب مسجد ہی ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اول ص ۴۴۱ پر مسجد کی چھت پر پیشاب وغیرہ کے ناجائز ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لانہ مسجد الی عنان السماء یعنی اس لئے کہ چھت آسمان کی بلندی تک مسجد ہے۔ اس لئے اگر امام نیچے ہو اور مقتدی چھت کے اوپر تو اس کی اقتدا صحیح ہے اور اعتکاف کرنے والا اگر اس کی چھت پر جائے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا اور اوپر کا حصہ مسجد ہونے ہی کے سبب جس پر غسل فرض ہو اسے اور حیض و نفاس والی عورتوں کو اس پر چڑھنا حلال نہیں اور اسی بنیاد پر کہ مسجد کی چھت بھی مسجد ہے اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس مسجد میں داخل نہیں ہوں گا پھر وہ اس کی چھت پر چڑھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا جیسا کہ حضرت

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قال الزیلعی ولھذا یصح الاقتداء من علی سطح المسجد بمن فیہ اذالم یتقدم علی الامام ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیہ ولایحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف علیہ ولوحلف لایدخل ھذہ الدار فوقف علی سطحھا یحنث (ردالمحتار جلد اول ص ۴۴۱) اور مسجد کی چھت پر مدرسہ بنانا وقف کی تغییر بھی ہے جو ناجائز ہے فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۳۹۹ پر فتاویٰ عالمگیری سے ہے: لایجوز تغییر الوقف۔ اور کوئی ناجائز عمارت مسجد کی چھت پر یا دیوار پر بنادی گئی تو اسے گرادینا واجب ہے۔ ایسا ہی بہار شریعت حصہ دہم ص ۷۸ پر ہے اور حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لو تمت المسجدیۃ ثم ارادالبناء منع ولوقال عنیت ذلک لم یصدق تاتر خانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد (درمختار جلد سوم ص ۳۷۱) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبدالرشید صدیقی۔ تاتار پور۔ علی گنج لکھنؤ

مزار شریف کے دائیں بائیں دو قبریں بنی ہیں۔ بقیہ خالی زمین پر مسجد تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کچھ آدمیوں کا اعتراض ہے کہ وہ زمین کسی نے الاٹ نہیں کرائی ہے اور نہ ہی مسجد کے نام سے کسی نے وقف کیا ہے اور کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ جب مزار کے نام سے زمین چھوٹی ہے تو ضرور مسجد بنائی جاسکتی ہے اور اس چھوٹی ہوئی زمین پر کئی سالوں سے نماز تراویح اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے تو مذکورہ بالا زمین پر نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

اسلام پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ایل ڈی اے سرکار نے زمین چھوڑی ہے۔

الجواب: شہر کی وہ زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک نہیں ہوتا اور گورنمنٹ اس میں بطور خود تصرف کرتی ہے جسے چاہتی ہے دیتی ہے اور جو چاہتی ہے اس میں بنوالیتی ہے۔ ایسی زمین خدا تعالیٰ کی ملک ہوتی ہے اور بیت المال کی کہلاتی ہے عندالشرع وہ گورنمنٹ کی ملکیت نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عادالارض للہ ورسولہ۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۹ پر ہے تو جب ایسی زمین کی مالک از روئے شرع گورنمنٹ نہیں تو بابا صاحب کے مزار کے نام پر اس کے دینے سے زمین مذکور مزار پر وقف نہ ہوئی لہٰذا اس زمین پر مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر مسلمان جہاں بھی مسجد بنالیں وہ مسجد ہو جائے گی ایسی زمین پر مسجد بنانے کے لئے کسی کے وقف کرنے کی ضرورت نہیں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: ازمحمد شاکر علی برہانی زمرد گنج موتی نگر فیض آباد

چک بندی کے دوران مسلمانوں نے گورنمنٹ سے یا پردھان سے مسجد کے نام پر دو بسوہ زمین کی مانگ کی اور وہ دستیاب بھی ہو گئی لیکن بیع نامہ نہیں ہوا مگر مسجد اس زمین پر نہ بنا کر دوسری جگہ مسلمانوں نے بنالی ہے اور یہ چند وجوہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ پہلی وجہ جانے کا راستہ نہیں ہے دوسری وجہ جگہ مربع نہیں ہے یعنی لمبائی زیادہ ہے اور چوڑائی کم ہے۔ تیسری وجہ سمت صحیح نہیں ہے۔ چوتھی وجہ تین مسلمانوں کے گھر کی نالی اس زمین میں بہتی ہے نقشہ حسب ذیل ہے:

تصویر نقشہ؟؟

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گرام سماج کی زمین جو پردھان نے مسجد کے نام پر دی اور تقریباً سات سال سے وہ زمین ویسے پڑی ہوئی ہے اور اب تک مسجد کی تعمیر نہ ہو سکی تو اس زمین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا مذکورہ عذر کے پیش نظر یا بغیر عذر کے اس زمین کو ان مسلمانوں کے ہاتھ جن کے استعمال میں ہے بیچ کر اس کا معاوضہ جو مسجد تعمیر ہو چکی ہے لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (جبکہ اس کی اشد ضرورت ہے) اگر نہیں تو کس مصرف میں لایا جائے اور جن لوگوں کی نالیاں پہلے ہی سے اس زمین میں بہہ رہی ہے اب ان کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: شہر یا دیہات کی وہ زمین جس کا کوئی شخص خاص مالک نہیں ہوتا اور گورنمنٹ یا پردھان اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اس میں بنوا لیتے ہیں ایسی زمین خدا تعالیٰ کی ملک ہوتی ہے اور بیت المال کی کہلاتی ہے۔ عند الشرع گورنمنٹ یا پردھان اس کا مالک نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **عاد الارض للہ ورسولہ**۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۵۹ پر ہے۔ تو جب ایسی زمین کے مالک عند الشرع گورنمنٹ اور پردھان نہ ہوئے تو مسجد کے نام پر ان کے دینے سے زمین مسجد کے حکم میں نہ ہوگی جب تک کہ اس کو مسلمان مسجد نہ بنالیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جبکہ گورنمنٹ یا پردھان کی دی ہوئی زمین کو مسلمانوں نے مسجد نہ بنایا تو وہ مسجد نہ ہوئی اسے بیچ کر رقم مسجد کی تعمیر میں لگائی جاسکتی ہے۔ **وھو تعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از جلیل شاہ مچھلی محال لکھنؤ

ڈاکخانہ اور بینک میں جو روپے جمع کئے جاتے ہیں چالو کھاتہ میں یا فکس ڈپوزٹ۔ تو اس پر جو نفع ملتا ہے اسے لینا اور اپنی

ضروریات پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: کافروں کی تین قسمیں ہیں ذمی، مستامن اور حربی۔ ذمی وہ کافر ہیں جو دارالاسلام میں رہتے ہوں اور بادشاہ اسلام نے ان کے جان و مال کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہو اور مستامن وہ کافر ہیں جو کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دارالاسلام میں آ گئے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ہندوستان کے کفار نہ تو ذمی ہیں اور نہ مستامن بلکہ وہ تیسری قسم کے کافر حربی ہیں جیسا کہ حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ نے جو بادشاہ عالمگیر کے استاذ تھے اپنے زمانہ کے ہندوستانی کافروں کے بارے میں تحریر فرمایا: ان هم الا حربيون وما يعقلها الا العالمون (تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰) اور کافر حربی و مسلمان کے درمیان سود نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب. اور اس حدیث شریف میں دارالحرب کی قید واقعی ہے نہ کہ احترازی۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں قید واقعی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً...... لہٰذا وہ بینک جو خالص غیر مسلموں کے ہوں ان سے جو زائد روپیہ ملتا ہے اسے لینا اور اپنی ضروریات پر اسے خرچ کرنا جائز ہے اور وہ بینک جو مسلمانوں کے ہوں یا مسلم و غیر مسلم دونوں کے مشترکہ ہوں ان سے جو زائد روپیہ ملے وہ یقیناً سود ہے۔ حرام ہے۔ رہے ڈاکخانے اور حکومت کے بینک کے منافع۔ تو یہاں کی حکومت غیر مسلموں کی ہے لہٰذا اس کے ڈاکخانہ اور بینک کے منافع بھی شرعاً سود نہیں خواہ وہ چالو کھاتہ پر ملیں یا فکس ڈپوزٹ پر۔ لیکن منافع کا لینا اسی صورت میں جائز ہے کہ اسے جائز سمجھ کر لے۔ سود سمجھ کر لینا حرام ہے کہ سود بہر حال حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از نعیم اللہ برکاتی۔ کتب خانہ برکاتیہ۔ کول پیٹھ۔ کرناٹک

ایک گورنمنٹ بینک ہے جس کے کافر ملازموں نے ایک کمیٹی بنا کر الگ سے سودی کاروبار اس طرح شروع کیا ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم سب سے روپیہ لے کر جمع کرتے ہیں اور اپنا روپیہ بھی اس میں ڈالتے ہیں پھر مسلم غیر مسلم سب میں سود پر روپیہ بانٹتے ہیں اور اس کمیٹی میں روپیہ جمع کرنے والوں کو سود دیتے ہیں۔ مذکورہ کمیٹی میں روپیہ جمع کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ کہ اس کمیٹی سے روپیہ قرض لے کر سود دیتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: مذکورہ کمیٹی میں روپیہ جمع کر کے اس کا نفع سود کی نیت سے لینا جائز نہیں کہ سود بہر حال حرام ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام قرار دیا۔ (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۷۵) البتہ اس کمیٹی کا دیا ہوا نفع اس نیت سے لینا جائز ہے کہ وہ سود نہیں۔ اس لئے کہ یہاں کے غیر مسلم حربی ہیں اور مسلمان و حربی کے درمیان سود نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لا ربا بين المسلم والحربي۔ اور کمیٹی مذکور سے روپیہ

قرض لے کر اس کو نفع دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر تھوڑا نفع دینے میں اپنا نفع زیادہ ہو تو اس صورت میں دینے والوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ فتاوی فیض الرسول جلد دوم ص ۳۸۸ پر ردالمحتار سے ہے: الظاهر ان الاباحة يفيد نيل المسلم الزيادة وقد الزم الاصحاب في الدرس ان مرادهم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم اھ وھو تعالی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳؍جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

مسئلہ: از سید محمد تنویر ہاشمی جامعہ ہاشم پور بیجاپور۔ کرناٹک

زید اور اس کے چند احباب پر مشتمل ایک سوسائٹی ہے۔ اس سوسائٹی کے جملہ ممبران ہر مہینہ طے شدہ رقم جمع کرتے ہیں۔ ان ممبران میں اگر کسی کو ضرورت پڑتی ہے تو دس ہزار روپیہ سوسائٹی ضرورت مند ممبر کو دے دیتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ جب ضرورت مند طے شدہ مدت میں یہ رقم لوٹائے تو ایک ہزار روپیہ زائد سوسائٹی کو دے۔ دس ہزار دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ضرورت مند کو زید ایک سنار کے یہاں لے جاتا ہے۔ سوسائٹی کے نام دس ہزار روپے کا سونا خریدا جاتا ہے۔ پھر ضرورت مند کو وہ سونا دے دیا جاتا ہے۔ ضرورت مند وہ سونا سنار کو لوٹاتا ہے۔ پھر سنار ضرورت مند کو دس ہزار روپیہ دیتا ہے۔ اگر کوئی ممبر فرج () یا کوئی دوسری چیز لینا چاہے تو سوسائٹی اس کو مذکورہ بالا طریقہ پر خرید کر دیتی ہے۔ سامان کا ضرورت مند دس ہزار کا سامان لے۔ روپیوں کا ضرورتمند روپیہ لے۔ شرط یہ ہے کہ دس ہزار کے بجائے گیارہ ہزار لوٹائے اور طے شدہ مدت میں لوٹائے۔ یہ کاروبار خالص مسلمانوں میں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کا کاروبار جائز ہے؟ بکر اس کاروبار کو سود کا نام دیتا ہے۔ از راہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: مذکورہ صورت بیع عینہ کی ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ قرض خوبی اور حسن سلوک سے محض نفع کی خاطر سوسائٹی بچنا چاہتی ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں بلکہ بیع کرنے والا مستحق ثواب ہے کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ہمارے زمانہ کی بہترین بیع ہے مگر اس بیع میں ضروری ہے کہ سوسائٹی کا آدمی سنار سے سونا اپنے ہاتھ میں لے کر ضرورت مند سے کہے کہ میں نے اس کو گیارہ ہزار روپیہ میں تمہارے ہاتھ بیچا اور وہ کہے کہ میں نے قبول کیا پھر ضرورت مند چاہے دس ہزار میں بیچے یا اس سے کچھ کم زیادہ میں۔ اور اس سنار کے ہاتھ فروخت کرے یا کسی دوسرے کے۔ بہر حال سوسائٹی کا گیارہ ہزار روپیہ اس پر لازم ہو گیا۔ بشرطیکہ مدت معینہ پر رقم کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سوسائٹی گیارہ ہزار کچھ روپیوں کا اضافہ نہ کرے ورنہ سود ہو جائے گا۔ اسی طرح سوسائٹی فرج وغیرہ کوئی چیز دس ہزار میں خرید کر ضرورت مند کے ہاتھ گیارہ بارہ ہزار یا اس سے زیادہ میں

فروخت کر سکتی ہے۔ یہ جائز ہے۔ کما ھو الظاھر

البتہ دس ہزار نقد روپیہ دے کر کچھ بھی زیادہ وصول کرنا سود ہے اس صورت میں سوسائٹی کے سارے ممبران اور ضرورت مندسب کے سب سود کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں جو اشد حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ”لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اکل الربا وموکله وکاتبه وشاھدیه وقال ھم سواء“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی کاغذ لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔ (انوار الحدیث ص ۳۲۰ بحوالہ مسلم)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الربا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امه۔ یعنی سود کا گناہ ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے العیاذ باللّٰہ تعالٰی (ابن ماجہ بیہقی بحوالہ انوار الحدیث ص ۳۲۰) وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد جلال الدین الرضوی النعیمی۔ حسن ٹولہ ڈاکخانہ نرائنپور راج محل ضلع صاحب گنج (بہار)

زید نے بھرے مجمع میں یہ دعویٰ کیا کہ خالد نے عمرو کے ساتھ بد فعلی کی ہے اور بد فعلی کا کرنا دعویٰ سے قریباً پانچ مہینہ پہلے کا بیان کیا۔ بلال شیخ نے کہا اے زید آپ مولوی ہو اس لئے آپ ہی بتاؤ کہ ثبوت بد فعلی کے لئے شریعت کے نزدیک کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو زید اور اس کے ساتھ اور دو مولویوں نے کہا کہ تین گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو بلال شیخ نے ایک دوسرے مولوی بکر سے دریافت کیا کہ کیا ان دونوں مولویوں نے صحیح بتایا تو بکر نے کہا کہ ان مولویوں نے غلط بتایا۔ شریعت میں ثبوت بد فعلی کے لئے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے تو زید اور ان کے معاون صاحبان نے اپنے اس قول سے رجوع کیا اور بکر کے قول کی تصدیق کی۔ بلال شیخ نے کہا اے زید کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے خالد کو عمرو کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے دیکھا ہے تو زید نے کہا ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے البتہ چار پانچ شخصوں کو دکھایا ہے تو بلال شیخ نے کہا آپ اپنے گواہوں کو پیش کیجئے تو زید نے کہا ابھی گواہ لوگ موجود نہیں۔ البتہ ایک طالبعلم جس نے دوسرے موقع پر خالد کو عمرو کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ موجود ہے تو مجمع عام نے اس طالب علم کو بلایا اور پوچھا کہ آپ اس سلسلہ میں کیا جانتے ہیں؟ تو طالبعلم نے کہا ہم اس سلسلے میں کسی مدرس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں البتہ ایک رات خالد کے روم میں ایک لڑکے کو سویا ہوا دیکھا جس کی لنگی اوپر اٹھی ہوئی تھی تو بلال شیخ نے پوچھا کیا خالد اس وقت روم میں موجود تھے؟ تو طالبعلم نے بتایا مجھے اس کا علم نہیں کیونکہ خالد رات کو پڑھا کر اکثر مکان چلا جایا کرتے تھے۔ مگر عابد نے کہا اس طالبعلم نے دو تین آدمیوں کے سامنے خالد کا عمرو کے ساتھ بد فعلی کرنے کو بیان کیا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں خالد پر بد فعلی کا الزام شرعاً ثابت ہوگا

یا نہیں؟ اگر نہیں تو زید و عمرو ان کے معاون پر عند الشرع کیا حکم ہے؟

(۲)...... زید و عمرو ان کے معاون امام اور مدرس بننے کے لائق ہیں یا نہیں؟

(۳)...... ثبوت بدفعلی کے لئے کتنے گواہوں کی گواہی ضروری ہے اور گواہوں کا کیسا ہونا ضروری ہے؟

(۴)...... زاہد کا بیان ہے کہ ہم نے اپنی بیوی کو کہا تجھ کو ایک طلاق دو طلاق اور مطلقہ کہتی ہے کہ زاہد نے ایک طلاق دو طلاق کہنے کے بعد جاتے ہوئے دروازہ پر "جا" کہا ہے مگر زاہد لفظ جا سے لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے اور کہتا ہے مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ ایسی صورت میں زاہد کی بیوی ہندہ پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)...... صورت مذکورہ میں خالد پر بدفعلی کا الزام عند الشرع ثابت نہیں ہوگا۔ زید اور اس کے ہمنواؤں پر توبہ و استغفار لازم ہے اور خالد سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

(۲)...... توبہ کے بعد امامت کر سکتے ہیں اور مدرس بہرحال بن سکتے ہیں مگر ایسے لوگوں کو مدرس نہ بنانا چاہئے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳)...... گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے اور ثبوت بدفعلی کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (پ۲۸ سورۂ طلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

(۴)...... زاہد نے اگر خود بیوی سے واقعی یوں بغیر عطف کہا کہ تجھ کو ایک طلاق دو طلاق اور عطف کی نیت بھی نہیں کی تو اس جملہ سے صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں اور وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ لفظ "جا" کے بارے میں مجھے علم نہیں تو محض اس کی مطلقہ کے بیان پر اس لفظ سے وقوع طلاق کا حکم نہ کریں گے۔ اگر خالد جھوٹی قسم کھائے گا تو وبال اس پر ہوگا۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۲؍ جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از مولوی محمد حدیث۔ سمرسا پوندرپور۔ مہراج گنج

(۱)...... زید اذان بھی دیتا ہے اور زید کے گھر والے کھلم کھلا دیوبندی ہیں اور اس کے گاؤں کے صحیح العقیدہ مسلمانوں نے بھی بتایا کہ زید دیوبندی ہی ہے۔ زید کچھ بھی کہے اور زید کے ظاہری اطوار و افعال سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ سنی ہے۔ بکر جو کہ سنی صحیح العقیدہ عالم ہے وہ زید کی دکان پر اٹھتا بیٹھتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ زید سنی ہے جبکہ اس کی وہابیت مشہور ہے۔ زید اپنی دکان چلانے کے واسطے سنیوں کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتا ہے۔ اب اس صورت میں بکر کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس عالم کے یہاں سنی کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲)...... جو عالم یا مولوی جان بوجھ کر وہابی کی لڑکی کا نکاح پڑھے اور اس کے یہاں کھانا بھی کھائے اور میل جول بھی

رکھے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......زید کے گھر والے جب کہ کھلم کھلا دیو بندی ہیں اور خود زید کی بھی وہابیت مشہور ہے تو بکر سنی عالم دین پر لازم ہے کہ وہ زید کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں کہ جو شخص سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے دوستی کرتا ہے اور اپنے عمل سے سنی عوام کے گمراہ ہونے کی راہ ہموار کرتا ہے وہ بغیر وضو وغسل کے نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔ مسلمان ایسے مولوی کا بائیکاٹ کریں اور اس کے یہاں کھانا وغیرہ ہرگز نہ کھائیں۔

(۲)؟ جو عالم جانتے ہوئے وہابی کی لڑکی کا نام نہاد نکاح پڑھ کر زنا کا دروازہ کھولے اور وہابی کے یہاں کھائے پیے اور اس سے میل جول رکھے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو سوال اکے جواب میں گزرا۔ لہٰذا اگر وہ نکاحانہ پیسہ واپس کرے اور نکاح کے باطل ہونے کا عام اعلان کرے اور لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار کرے تو بہتر ورنہ لوگ اس کا بھی بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷،ع۱۴) وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ر جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سید محفوظ الرحمٰن قادری۔ چک رگھوناتھ نینی الہ آباد

(۱)......کچھ دنوں سے ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ ہمارے محلّہ میں بڑے بھائی جو کہ عالم باعمل اور اصول طریقت کے پابند عبادت گزار و متقی و پرہیز گار ہیں۔ ان سے محلہ کے چند احباب مرید ہیں اور اہل محلہ سے بڑے بھائی کے کافی تعلقات اچھے ہیں لیکن امام صاحب نے بڑے بھائی کے مقابل چھوٹے بھائی کو جو صرف حافظ وقاری ہیں۔ امام صاحب اہل محلہ کو سمجھا بجھا کر چھوٹے بھائی سے مرید کراتے ہیں۔ کیا ان کا یہ طریقہ عالم کی عظمت وعزت واہمیت کے خلاف نہیں؟

(۲)......عالم کی عزت وعظمت کیخلاف امام صاحب کا یہ قصداً عمل ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۳)......دونوں حقیقی بھائی ہیں اور ایک ہی پیر سے دونوں بھائی مرید ہیں اور دونوں بھائیوں کا ایک ہی سلسلہ ہے ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام صاحب کے اس طریقہ سے دونوں بھائیوں میں شدید رنجش اور ہم سنیوں کے درمیان سخت نااتفاقی پیدا ہو جائے گی۔ فتنہ وفساد پھیلانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)......پیری کے لئے چار شرطیں ہیں۔

اول سنی صحیح العقیدہ ہو۔ دوم اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے اگرچہ سند یافتہ عالم نہ ہو کہ سند کوئی چیز نہیں۔ علم ضروری ہے۔ سوم فاسق معلن نہ ہو۔ چہارم اس کا سلسلہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ لہٰذا اگر یہ

چاروں شرطیں چھوٹے بھائی میں پائی جاتی ہیں تو امام مذکور کا ایسے پیر سے مرید کرانے اور لوگوں کے ان سے مرید ہونے میں بڑے بھائی جو عالم دین ہیں ان کی عزت وعظمت کیخلاف نہیں کہ بہت سے خانوادوں میں پیر کے ہوتے ہوئے اس کے خلیفہ سے باپ کے ہوتے ہوئے بیٹے سے چچا کے ہوتے ہوئے بھتیجے سے اور استاذ کے ہوتے ہوئے شاگرد سے لوگ مرید کراتے اور ہوتے ہیں جسے کسی کی عزت وعظمت کے خلاف نہیں قرار دیا جاتا۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)...... جب امام مذکور کامل عالم کی عزت وعظمت کے خلاف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳)...... چھوٹے بھائی سے لوگوں کے مرید ہونے کے سبب بڑے بھائی کا اس سے رنجش رکھنا اور آپس میں نااتفاقی پیدا کرنا نفسانیت اور گناہ ہے تو اس بنیاد پر فتنہ وفساد پھیلانے کے ذمہ دار بڑے بھائی اور ان کے ہمنواہوں گے نہ کہ امام صاحب۔ لہٰذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد جمیل اختر رضوی قصبہ بارا۔ ضلع کانپور دیہات

(۱)...... امام احمد رضا قدس سرہ نے نبی کی تصویر پر نبی کا طلاق فرمایا ہے لیکن مفتی احمد یار خاں قدس سرہ نے اس کیخلاف لکھا ہے لہٰذا دونوں میں مطابقت کیسے ہو؟

(۲)...... جو لوگ گھٹنے کھولے پھرا کرتے ہیں ان کے سلام کا جواب دینا انہیں سلام کرنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟

(۳)...... عین قبرستان میں نماز جنازہ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ قبرستان کا علم ہوتے ہوئے پڑھی تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱)...... امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی تحریر میں نبی کی تصویر پر جو نبی کا اطلاق ہے وہ مجازاً ہے اور حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب نے نبی کی تصویر کو نبی بتانا جو کفر قرار دیا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے ہے جیسے کہ کعبہ شریف کی تصویر ہو اور کوئی دریافت کرے کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس کے جواب میں کوئی کہے کہ یہ کعبہ شریف ہے تو اس کا یہ قول مجازاً ہے پھر دریافت کرنے والا اگر اس خیال سے کہ جب یہ تصویر کعبہ شریف ہے تو میں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں گا اس پر وہی شخص یہ کہے کہ نماز نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ کعبہ شریف نہیں ہے تو اس کا یہ قول حقیقت کے اعتبار سے ہے۔

(۲)...... حدیث شریف میں ہے: الركبة من العورة۔ یعنی گھٹنہ شرمگاہ میں سے ہے۔ لہٰذا اسے بلاضرورت کسی کے سامنے کھولنا یا کھولے ہوئے لوگوں کے سامنے پھرنا حرام ہے اور فعل حرام کا علانیہ مرتکب فاسق معلن ہے۔ ایسے شخص کو بے ضرورت اور بلا مجبوری سلام کی ابتداء کرنا جائز نہیں مگر ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۴)......قبرستان کا علم ہوتے ہوئے بھی عین قبرستان میں نماز جنازہ پڑھی تو بھی ہوگئی۔ لیکن اگر قبروں پر کچھ لوگ چلے پھرے یا اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو گنہگار ہوئے۔ کما ھو مصرح فی الکتب الفقھة۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰/رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از (مولانا) محمد اقبال قادری مصباحی۔ ۲۹ والنٹ اسٹریٹ۔ بولٹن (انگلینڈ)

ایک سنی عالم نے اپنے وعظ میں کہا کہ داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے ایسا شخص ولی نہیں ہوسکتا۔ ولی ہونے کے لئے متقی ہونا ضروری ہے اور فاسق معلن سے مرید ہونا بھی جائز نہیں اگرچہ وہ سید ہو کہ جب فاسق معلن کی اقتداء میں نماز پڑھنا نہیں جائز ہے تو اس کی اتباع و پیروی میں جنت کیسے مل سکتی ہے؟ عرض یہ ہے کہ اگر مولانا صاحب کا بیان صحیح ہے تو دلیل کے ساتھ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: مولانا صاحب کا بیان صحیح ہے۔ بیشک ولی ہونے کے لئے متقی و پرہیزگار ہونا ضروری ہے۔ آیت کریمہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" کے بعد خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ یعنی اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو مومن و متقی ہیں۔ (پ ۱۱ سورۂ یونس آیت ۶۲) عارف باللہ حضرت علامہ صاوی علیہ الرحمۃ والرضوان آیت مذکورہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ان اولیاء اللہ ھم الذین اتصفوا بالایمان وھو اعتقاد الصحیح المبنی علی الدلائل القطعیة والتقوی وھو امتثال الماموات واجتناب المنھیات علی طبق الشرع۔ ولذا قال القشیری شرط الولی ان یکون محفوظا کما ان من شرط النبی ان یکون معصوما فکل من کان للشرع علیه اعتراض فھو مغرور ومخادع۔ یعنی اولیاء اللہ صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان و تقویٰ سے متصف ہوں اور ایمان نام ہے ان اعتقادات صحیحہ کا جن کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہو اور جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے شریعت کے مطابق ان پر عمل کرنے اور جن باتوں کے کرنے سے روکا گیا ہے ان سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں اور اسی لئے حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ولی کی شرط یہ ہے کہ وہ گناہ سے محفوظ ہو جیسے کہ نبی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معصوم ہو لہٰذا ہر وہ شخص کہ جس کے قول و فعل پر شریعت کو اعتراض ہو وہ (اپنے آپ کو ولی سمجھنے کے متعلق) دھوکا و فریب میں ہے (تفسیر صاوی جلد دوم ص ۱۸۲) اور حضرت علامہ سلیمان جمل علیہ الرحمۃ والرضوان حضرت علامہ صاوی کی طرح لکھنے کے بعد علامہ قشیری کا یہ کلام بھی نقل فرماتے ہیں: فالولی ھو الذی توالت افعاله علی الموافقة۔ یعنی ولی وہ شخص ہے جس کے کام ہمیشہ شرع کے موافق ہوں۔

(تفسیر جمل جلد دوم ص ۳۶۰)

اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الولی ھو العارف باللہ تعالٰی وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماك فی اللذات والشھوات

(شرح عقائد نسفی ص ۱۰۱) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''ولی کسے است کہ عارف باشد بذات وصفات حق برقدر طاقت بشری ومواظب باشد براتیان طاعت وترک منہیات درلذات وشہوات وکامل باشد درتقویٰ واتباع۔ (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۹۵)

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی وہ مسلمان ہے جو بقدر طاقت بشری خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمیشہ فرمانبرداری کرتا ہو۔ گناہوں سے دور رہتا ہو اور لذات وشہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو۔

واضح طور پر معلوم ہوا کہ ولی کے لئے مسلمان ہونے کے ساتھ متقی وپرہیزگار ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا جو شخص قدرت کے باوجود نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''جو باوصف بقائے عقل واستطاعت قصداً نماز یا روزہ ترک کرے ہرگز ولی اللہ نہیں' ولی الشیطان ہے۔ قرآن وحدیث میں اسے مشرک وکافر تک فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہوجاؤ وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ترك الصلوٰة متعمدًا فقد كفر جهارا۔ جس نے قصداً نماز چھوڑی وہ علانیہ کافر ہوگیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۹۴)

اور داڑھی منڈانا یا اسے ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: يحرم على الرجل قطع لحيته (درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۱) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''داڑھی منڈانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۶۸) اور حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ داڑھی سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۶۴) لہٰذا داڑھی منڈانے والا اور اسے ایک مشت سے کم رکھنے والا ارتکاب حرام کے سبب ولی نہیں ہوسکتا اور نہ ایسے شخص کو پیر بنایا جاسکتا ہے کہ وہ فاسق معلن ہے اور پیر کا فاسق معلن نہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ پیر کے لئے چار شرطیں ہیں قبل از بیعت ان کا لحاظ فرض ہے۔ اوّل سنی صحیح العقیدہ ہو دوم اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے سوم فاسق معلن نہ ہو۔ چہارم اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو (بہار شریعت حصہ اوّل ص ۷۹) لہٰذا اگر کسی سید میں یہ چاروں شرطیں نہ پائی جائیں تو اس سے بھی مرید ہونا جائز نہیں کہ شریعت کا یہ حکم سید اور غیر سید دونوں کے لئے یکساں ہے بلکہ اگر سید کسی گناہ کے سبب فاسق ہو تو اور زیادہ مستحق عذاب ہے جیسا کہ سادات مارہرہ مطہرہ کے مورث اعلیٰ حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سید کے لئے اطاعت وعبادات میں دوسروں کی بہ نسبت دوگنا ثواب ہے اور گناہوں وبدکاریوں میں دوسروں کی بہ نسبت دوگنا عذاب (سبع سنابل شریف اردو ص ۹۶) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰؍ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از گلزار خان پٹھان مقام مانج گاؤں۔ آبو پروت ضلع سروہی (راجستھان)

(۱)...... ہمارے یہاں پہلی مرتبہ بعد نماز جمعہ صلاۃ وسلام پڑھا گیا تو اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ جو آپ پڑھ رہے ہیں یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے؟ یہ کہہ کر سلام رکوادیا کہ ابھی کچھ لوگ نماز ادا کر رہے ہیں خلل ہو رہا ہے بند کرو۔ اس پر امام صاحب بیٹھ گئے جب کچھ لوگ باقی نماز سے فارغ ہو گئے تو امام صاحب نے اجازت لے کر واپس صلاۃ وسلام کے لئے کھڑے ہوئے تو باہر سے کچھ لوگ آئے اور پھر سلام کو رکوادیا۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ عرب سے فتویٰ منگوا کر دکھادو تو ہم بھی سلام پڑھیں گے۔

(۲)...... جنہوں نے صلاۃ وسلام پڑھنے پر اعتراض کیا ہے ان لوگوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب: (۱)...... خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی اے ایمان والو! نبی پر درود بھیجو اور سلام پڑھو جیسا کہ سلام پڑھنے کا حق ہے۔ (پ ۲۲ ع ۴) اس آیت کریمہ میں صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ کب پڑھو اور کیسے پڑھو یعنی حکم مطلق ہے لہٰذا مسلمان کو اختیار ہے کہ چاہے جب پڑھے اور چاہے جیسے پڑھے۔ کسی کو روکنے کا حق نہیں جیسے کہ آیت کریمہ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ میں زکاۃ دینے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ صبح، دوپہر، شام کو زکاۃ دو یا رات میں اور یہ بھی نہیں بتایا گیا ہے کہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر یا لیٹ کر زکاۃ ادا کرو۔ یعنی قرآن میں زکاۃ دینے کا حکم مطلق ہے۔ لہٰذا بندے کو اختیار ہے کہ وہ صبح، دوپہر، شام یا رات کو جب چاہے زکاۃ ادا کرے۔ اسی طرح کھڑے ہو کر لیٹ کر اور بیٹھ کر جس طرح بھی چاہے زکاۃ دے کسی کو روکنے کا حق نہیں۔ اگر کچھ لوگ بعد نماز جمعہ کھڑے ہو کر زکاۃ ادا کریں تو کسی کو منع کرنے کا اختیار نہیں اور نہ یہ کہنے کا حق ہے کہ عرب سے فتویٰ منگاؤ تب ہم تسلیم کریں گے۔ اسی طرح بعد نماز جمعہ صلاۃ وسلام پڑھنے والوں کو روکنا اور ان سے یہ کہنا کہ عرب سے فتویٰ منگا کر ہم کو دکھلاؤ گمراہی و بدمذہبی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ البتہ جب کہ لوگوں کی نمازوں میں خلل ہو اس وقت بلند آواز سے درود شریف یا صلاۃ وسلام پڑھنا جائز نہیں۔ **وھو تعالیٰ اعلم**

(۲)...... جب کہ قرآن مجید میں صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم ہے تو جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ اگر جاہل نہیں تو گمراہ ہیں اور گمراہ نہیں تو جاہل ہیں۔ **ھذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد ظہور موضع گینش پور۔ دکھن دوارہ۔ بستی

محمد غنی کی لڑکی نے ایک شخص سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا پھر اسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ محمد غنی کسی طرح اس کو اپنے گھر واپس لایا پھر وہ دوبارہ اسی کے ساتھ بھاگ گئی اور نکاح کر لیا۔ شخص مذکور لڑکی کی برادری کا ہے اور اس کا کفو بھی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے برادری نے محمد غنی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ اب محمد غنی کو برادری میں شامل ہونے کی کیا صورت ہے؟ **بینوا توجروا بینوا توجروا**

الجواب: خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸، رکوع ۱۹) یعنی اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے۔ لہٰذا محمد غنی نے اپنی لڑکی کو پردہ میں نہیں رکھا اور حتی الامکان صحیح طور پر اس کی نگرانی نہیں کی یہاں تک کہ اس نے شخص مذکور سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور اس کے ساتھ بلا نکاح چلی گئی تو محمد غنی سخت گنہگار لائق عذاب قہار ہوا۔ برادری نے ایسے شخص کا بائیکاٹ کیا تو صحیح کیا۔ اب محمد غنی اگر برادری میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے اور اس کی بیوی کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور نماز کی پابندی کا ان سے عہد لیا جائے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ امور خیر قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب له اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

مسئلہ: از محمد علی کڑا گاندھی نگر بستی

زید کی بیوی ہندہ اپنے مکان سے چند منٹ کے لئے کسی ضرورت سے اپنے مکان کے عقبی حصے کے کھیت میں گئی تھی۔ واپسی پر گاؤں کے چند اور زید کے برادران ہندہ پر زنا کا الزام لگاتے ہیں مگر زید اور زید کے باپ کو ہندہ کی پاکدامنی پر پورا پورا اعتماد ہے، ہندہ پر زور و جبر کر کے زید کے باپ اور زید دریافت کرتے رہے مگر ہندہ برابر اپنی پاکدامنی کا اعلان کرتی رہی۔ ہندہ دو بچے کی ماں ہے اور ایک بچہ شکم ہندہ میں پرورش پا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہندو پر کیا حکم لگتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بدگمانی حرام ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

یعنی اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کہ بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے (پ ۲۶ سورۂ حجرات آیت ۱۲) اور زنا کا ثبوت چار چشم دید گواہوں سے ہوتا ہے یا اقرار سے۔ لہٰذا جبکہ عورت زنا کا اقرار نہیں کر رہی ہے تو جو لوگ اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں وہ اگر چشم دید چار گواہوں سے عورت کا زنا ثابت نہ کر سکیں تو اس کو پاک دامن ہی قرار دیا جائے گا اور بلا ثبوت زنا کا الزام لگانے والے سخت گنہگار ہیں توبہ کریں۔ اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ان میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے لگائے جاتے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یعنی جو لوگ پارسا عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ (پ ۱۸ سورہ نور آیت نمبر ۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد سرور بادشاہ قادری۔ ہوسپیٹ۔ کرناٹک

مسلک اعلیٰ حضرت کہنا لکھنا کیسا ہے؟ کیا اس سے پانچویں مسلک کا گمان ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: مسلک اعلیٰ حضرت کہنا اور لکھنا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں اور اس سے پانچویں مسلک کا گمان نہیں ہوتا اس لئے کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مذہب کے مجموعہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ **ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ رشوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از عبدالمصطفیٰ ابن محمد اسلام موضع چنئی ڈاکخانہ چتروتا نیپال

(۱)...... مدرسہ الحاق کروانا اور ایڈ لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ بہت سی جگہوں پر رشوت دے کر کام کروانا پڑتا ہے۔

(۲)...... بعض جگہوں پر کچھ فرضی طلبہ دکھاتے ہیں اور صرف رجسٹر میں خانہ پری کی جاتی ہے (حالانکہ یہ جھوٹ اور فریب ہے) کیا ایسا رجسٹر بنانا جائز ہے جس میں غلط طور پر طلبہ دکھائے جاتے ہیں نیز ایسا رجسٹر بنانے والے کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: (۱) مدارس عربیہ کا الحاق کروانا اور ایڈ لینا جائز ہے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلاً طلبۂ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلاً درس وتدریس ووعظ وافتاء وتصنیف میں صرف کر رہے ہوں اگرچہ لکھوکھا روپے کے مالک، اغنیاء کثیر المال ہوں، اور بیوہ یتیم، لنجے، اندھے فقراء ومساکین جو کچھ اس میں سے برضائے سلطنت بے غدر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں ان کے لئے جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۱۸۴) الحاق کے ذریعہ اپنے اسی حق ثابت کو وصول کیا جاتا ہے جو بلاشبہ جائز ہے اور تحریر فرماتے ہیں کہ جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت نیچریت وغیر مذہبی کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے۔ احادیث کثیرہ ان کے فضائل سے مملو ہیں ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی بلاشبہ اس کا لینا جائز تھا اور اس کا قطع کرنا حماقت خصوصاً جبکہ اس کے قطع سے مدرسہ نہ چلے کہ اب یہ سدباب خیر تھا اور مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ پر وعید شدید وارد ہے نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہو اب دوہری حماقت بلکہ دو ناظلم ہے کہ اپنے مال سے اپنے دین کو نفع پہنچانا بند کیا اور جب وہ مدارس اسلامیہ میں نہ لیا گیا تو گورنمنٹ اپنے قانون کے مطابق اسے دوسرے مدارس غیر اسلامیہ میں دیگی۔ تو حاصل یہ ہوا کہ ہمارا مال ہمارے دین کی اشاعت میں صرف نہ ہو بلکہ کسی دین باطل کی تائید میں خرچ ہو کیا مسلم عاقل اسے گوارا کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جد ہم نصف اخر ص ۲۷۷) ثابت ہوا کہ الحاق جائز ہے اور اسی پر آج جمہور علماء کا عمل ہے...... مدارس اسلامیہ کے لئے گورنمنٹ سے ایڈ لینا مسلمانوں کا حق ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت کی

مذکورہ تحریر سے ظاہر ہے اور اپنا حق پانے کے لئے رشوت دینا جائز ہے اگر چہ لینے والا گنہگار ہوگا۔ لہٰذا الحاق کے سلسلے میں رشوت دے کر بھی کام کروانے میں عندالشرع کوئی حرج نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲)...... طلبہ کی تعداد ان کی حاضریاں اور داخلہ وغیرہ کے متعلق جھوٹے رجسٹر بنانا جائز نہیں کہ یہ غدر ہے اور غدر وبدعہدی مطلقاً سب سے حرام ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۰۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ غدر وبدعہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔ ہدایہ و فتح القدیر وغیرہما میں ہے: ان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا اھ ملخصًا اور جھوٹا رجسٹر بنانے والا مبتلائے فسق ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

مسئلہ: از محمد شریف موضع سنٹر سیا ڈاک خانہ تلک پور بستی

ایک شخص بے نکاحی عورت لے آیا اور ناجائز طور پر اس کو کئی ماہ تک اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ اس کو ممبئی بھی لے گیا۔ کچھ دنوں بعد عورت فرار ہوگئی اس غلطی کی بنیاد پر گاؤں والوں نے اس کا بائیکاٹ کر رکھا ہے تو اب شخص مذکور کیا کرے کہ گاؤں والے اس کا بائیکاٹ ختم کریں؟ بینوا توجروا

الجواب: شخص مذکور مجمع عام میں لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار کرے اور کم سے کم گیارہ آدمیوں کے جوتے چپل اپنے سر پر اٹھا کر عہد کرے کہ آئندہ ہم پھر اس طرح کی کوئی غلطی نہ کریں گے اس کے بعد مسلمان اس کا بائیکاٹ ختم کردیں اور اسے قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کریں کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

مسئلہ: از نصر اللہ۔ اماری بازار۔ ضلع بستی

دو مسلمان جو پوری داڑھی نہیں رکھے ہوئے ہیں اور نہ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم نے سال بھر پہلے زید کو دیکھا تھا کہ وہ ایک اجنبی عورت کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ اس بنیاد پر انہوں نے زید کے یہاں ایک تقریب میں کھانے سے انکار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی ورغلا کر اپنا ہمنوا بنالیا۔ جبکہ سال بھر کے درمیان ایسا بیان کرنیوالے دو تین بار گھر والوں کے ساتھ زید کے یہاں کھا چکے ہیں تو ایسے لوگوں کا بیان از روئے شرع مانا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے۔ منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے''۔ (بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۹۷) اور گواہ کے لئے پابند نماز اور پابند جماعت ہونا ضروری ہے ورنہ گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۲۹۴ پر ہے اور اسی کتاب کی اسی جلد کے اسی صفحہ پر فتاویٰ عالمگیری سے ہے: کل فرض له وقت معین كالصلاة والصوم اذا اخرمن غير عذر سقطت عدالته اھ۔ لہٰذا وہ لوگ جو کہ پوری داڑھی نہیں رکھتے ہیں اور پنج وقتی نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کے بیان وگواہی سے زید کا جرم ثابت نہیں ہوگا اور پھر جب کہ سال بھر وہ اس معاملہ میں خاموش رہے یہاں تک کہ زید کے گھر کھاتے پیتے رہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نئی دشمنی کی وجہ سے وہ ایسا بیان دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں اپنا خوف عطا فرمائے۔ آمین۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نور محمد اطہر مسجد پنجابیان۔ محلہ کٹو شہاب خان۔ اٹاوہ

زید نے اپنے باپ کے چہلم میں رشتہ دار عزیز واقارب وغرباء فقراء کو کھانے کی دعوت کی تو زید کو کہا گیا کہ رشتہ دار عزیز واقارب کو دعوت نہ دو کیونکہ ان لوگوں کو کھانا منع ہے۔ زید نے کہا میرے رشتہ دار عزیز واقارب کفن دفن میں شریک تھے اس لئے دعوت دیتا ہوں اب زید نے دو دیگیں پکوائیں ایک دیگ مردوں کے نام سے ایصال ثواب کیا پھر غرباء وفقراء پر تقسیم کیا اور انہیں کھلایا۔ دوسری دیگ اپنے رشتہ دار عزیز واقارب کو کھلائی لہٰذا چہلم کے دن اپنے رشتہ دار کو عزیز واقارب کو دعوت دینا اس طرح کھلانا پلانا جائز ہے یا نہیں۔ بينوا توجروا

الجواب: میت کے گھر والے عام مسلمین کے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کے دن دعوت کریں یہ ناجائز اور بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر جلد دوم ص ۱۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں: يكره اتخاذ الضيافة من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة یعنی میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ شرع نے دعوت تو خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سوم، دہم، چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے۔ کما فی مجمع البرکات۔ موت میں دعوت ناجائز ہے فتح القدیر وغیرہا میں ہے: انها بدعة مستقبحة الخ۔ تین دن تک اس کا معمول ہے۔ لہٰذا ممنوع اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۲۳) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعت قبیحہ ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۶۴) البتہ فقراء ومساکین کو کھلائیں تو بہتر ہے اور مردوں کا کھانا ایصال ثواب کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ دعوت کی وجہ سے ناجائز وممنوع ہے۔ لہٰذا عزیز واقارب اغنیاء کے لئے الگ سے کھانا پکانے کی صورت میں بھی دعوت ناجائز وممنوع ہی رہے گی۔ اس مسئلہ کی مزید

تفصیل فتاویٰ فیض الرسول جلد اوّل ص ۴۵۸ سے ۴۶۲ تک ملاحظہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۲ ر ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از شاکر علی موضع کھرائیں بستی

زید نے ہندہ سے زنا کیا اس بات کا زید کو اقرار ہے مگر ہندہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتاتی تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید و ہندہ نے زنا کیا ہے جیسا کہ زید کو اقرار ہے تو اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو زید و ہندہ کو سو سو کوڑے مارے جاتے یا ان دونوں کو سنگسار کیا جاتا یعنی اس قدر پتھر مارا جاتا کہ وہ دونوں مر جاتے۔ موجودہ صورت میں دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے اور پوری آبادی یا دس گیارہ مخصوص لوگوں کا جوتا چپل سر پہ اٹھا کر مردوں کے مجمع عام میں زید سے اور عورتوں کے مجمع میں ہندہ سے عہد لیا جائے کہ پھر وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان سختی کے ساتھ ان کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ ع ۱۴) پھر ان دونوں کو قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۹ ر ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از سید اعجاز احمد قادری ۱۴/۹۳ وائی، دی اسٹریٹ کڈاپہ

محرم شریف کے موقع پر شربت بنا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز کرنا اور اس کا پینا پلانا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی اسے حرام کہتا ہے اور وہی مولوی حضرت امام حسین کے ذکر کی مجلسوں کو برا کہتا اور ان کے نام سے پہلے لفظ امام لگانے یعنی حضرت امام حسین کہنے کی مخالفت کرتا ہے۔ مذکورہ باتوں سے متعلق جو شریعت کا حکم ہو اسے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نذر و نیاز کے لئے شربت بنانا اور اس کا پینا پلانا جائز و مستحسن ہے اور مسلمانوں کے لئے تبرک ہے۔ جو مولوی اسے حرام کہتا ہے وہ گمراہ و گمراہ گر ہے۔ مسلمان ایسے مولوی سے دور رہیں اور اس کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو کھانا حضرات حسنین کریمین کو نیاز کریں اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے (فتاویٰ عزیزیہ جلد اوّل ص ۷۸) اور جب کھانا تبرک ہو جاتا ہے تو شربت بھی یقیناً تبرک ہو جاتا ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر کی مجلسوں کو برا کہنا یہ بھی اس مولوی کے گمراہ و بدمذہب ہونے کی واضح دلیل ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں

ہے: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ۔ یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور امامین کریمین حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما تو صالحین کے امام وپیشوا ہیں ان کے ذکر کے وقت تو کثرت سے رحمتیں نازل ہوں گی جن سے ان مجلسوں میں شرکت کرنے والے خاص طور پر مستفیض ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجالس محرم کے اور کئی فائدے ہیں جن کی تفصیل خطبات محرم ص ۴۵۸ اور ص ۴۵۹ پر مذکور ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے پہلے لفظ امام لگانے کی مخالفت کرنا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ مولوی یزیدیوں کی طرح امام عالی مقام کا بہت بڑا دشمن ہے اس لئے کہ امام کے معنی ہیں پیشوا اور ہادی جیسا کہ غیاث اللغات وفیروز اللغات میں ہے۔ اسی لئے دیوبندیوں کے مستند مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند نے اپنی کتاب ظفر المحصلین باحوال المصنفین میں امام بخاری امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی امام طحاوی، امام قدوری اور امام فخر الدین، قاضی خاں وغیرہ بہت سے لوگوں کے ناموں سے پہلے لفظ امام تحریر کیا ہے اور پوری دنیا کے مسلمان حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کو لفظ امام کے ساتھ لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہاں تک کہ نماز پڑھانے والے کو بھی امام صاحب کہا جاتا ہے مگر ان لوگوں کو امام کہنے پر مولوی مذکور کو اعتراض نہیں لیکن جب ان پیشواؤں کے پیشوا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہا جاتا ہے تو وہ اس کی مخالفت کرتا ہے یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس مولوی کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد اور سخت دشمنی ہے۔ العیاذ باللہ۔ خدا تعالیٰ اسے ہدایت نصیب فرمائے اور سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے نقش قدم پر چلنے کی اسے توفیق رفیق بخشے۔ آمین

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از منصور علی قادری یار علوی، موضع خرودا، ڈاکخانہ موئی ضلع گونڈہ، یوپی،

۱- ہندہ کے ایک بچے کو چیچک نکل آئی تو اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرا بچہ ٹھیک ہو گیا تو میں دیوی پاٹن کے مندر میں (جو اہل ہنود کا تیرتھ استھان ہے) آنکھ چڑھاؤں گی، منظور قدرت کہ اس کا بچہ چیچک سے شفا پا گیا، اب ہندہ اور اس کا شوہر دونوں ہندوؤں کے میلے کے موقع پر مندرجہ بالا مقام پر پہنچے اور وہاں پر مصنوعی آنکھ یا کسی کی آنکھ خرید کر ہندہ نے مندر میں مورتی کو چڑھا دیا، اس کا شوہر چونکہ داڑھی بھی رکھے ہوئے تھا وہ مندر میں اندر تو نہیں گیا مگر گھر سے میاں بیوی دونوں گئے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع میاں بیوی یا دونوں میں سے ایک پر حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

۲- بعض مسلمان کہلانے والے اہل ہنود کے مرجانے پر ان کے ساتھ ایودھیا یا کسی اور جگہ جاتے ہیں اور موت کے سلسلے میں اہل ہنود جو کھلانا پلانا کرتے ہیں اس کھانے میں بھی شریک ہوتے ہیں اس سلسلے میں شرعی احکام سے مطلع فرمایا جائے کہ مذکورہ حالات مسلمانوں کے درست ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱- ان دونوں کوکلمہ پڑھا کرتوبہ وتجدید ایمان کرایا جائے پھر سے ان کا نکاح پڑھایا جائے اور آئندہ اس قسم کی منت نہ ماننے کا ان سے عہد لیا جائے اور پھر ان کو میلاد شریف وقرآن خوانی کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے، وھو تعالٰی اعلم۔

۲- عندالشرع مذکورہ باتیں ہرگز درست نہیں، وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از مقام علی شاہ، ملول گوشائیں ڈاکخانہ شنکر پور بستی

زید کا ایک عورت سے ناجائز تعلق رہا ایک بار کئی لوگوں نے اس عورت کو زید کی چارپائی پر رات میں دیکھا، جب زید سے دریافت کیا گیا تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے اس عورت سے زنا کیا ہے کچھ دنوں بعد زید نے لوگوں سے بیان دیا کہ میں نے فلاں گاؤں کے مولانا سے توبہ کرلی ہے، تو زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس طرح کی توبہ اس کی مانی جائے گی یا نہیں؟ اور مذکورہ عورت کو اس کے شوہر نے گھر سے نکال دیا ہے اور زید سے کہتا ہے کہ ہمیں شادی کا خرچ دو ورنہ ہم تمہارا کھیت جوت لیں گے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کہ زید نے اقرار کرلیا کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کا زنا کرنا ثابت ہے، اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو زید کے شادی شدہ نہ ہونے کی صورت میں اس کو سو کوڑے مارے جاتے، خدا تعالٰی کا ارشاد ہے: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (پ۱۸ سورۂ نور ع۱) اور زید کے شادی ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کردیا جاتا یعنی اس قدر پتھر مارا جاتا کہ وہ مرجاتا، موجودہ صورت میں پوری آبادی یا دس گیارہ مخصوص لوگوں کا جوتا چپل کا سر پہ اٹھا کر مجمع عام میں اس کو علانیہ توبہ کرنے پر مجبور کیا جائے اس سے عہد لیا جائے کہ آئندہ وہ پھر ایسی حرکت کبھی نہیں کرے گا اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور سلام وکلام سب بند رکھیں، خدا تعالٰی کا ارشاد ہے: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷ ع۱۴) پھر زید کو قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے اتنا بڑا جرم کرنے کے بعد زید کو اس بیان پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا کہ میں نے فلاں گاؤں کے عالم سے توبہ کرلی ہے اور مذکورہ عورت کے شوہر کا زید سے شادی کے خرچہ کا مطالبہ کرنا اور نہ دینے کی صورت میں اس کے کھیت جوت لینے کو کہنا غلط ہے کہ شریعت نے زانی کو شادی کا خرچہ دینے کا حکم نہیں فرمایا ہے بلکہ شوہر نے اپنی بیوی کو حتی القمدور پردہ میں رہنے کی تاکید نہیں کی اور نہ اس کی صحیح نگرانی کی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد کی چارپائی پر جاتی رہوی تو اس کے شوہر کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے، خدا تعالٰی کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۂ تحریم آیت نمبر ۶۶ پ ۲۸) اور حدیث شریف میں ہے: کلکم راع وکلکم

منقول، وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمحمد سرمد بادشاہ قادری، ہاسپیٹ بلاری، کرناٹک

ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب اور ایک پیر صاحب آتے ہیں جو سنی ہیں مگر وہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی کوئی ضرورت نہیں تو ایسے لوگوں کو جواب کیا دیا جائے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: جو لوگ سنی ہونے کے باوجود مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حسد میں مبتلا ہیں اور حسد حرام وگناہ کبیرہ ہے جو حسد کرنے والے کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: الحسد یاکل الحسنت کما تاکل النار الحطب (ابوداؤ شریف جلد نمبر ۲ ص ۳۱۶) اور یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے اس لئے کہ دیوبندی اور مودودی بھی مسلک اہلسنت کے دعویدار ہیں۔ تو دیوبندی مسلک اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے موجودہ زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت بولنا ضروری ہے یعنی مسلک اعلیٰ حضرت دیوبندی اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے بولا جاتا ہے، اگر کوئی اپنے کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کا ماننے والا بتائے اور یہ نہ کہے کہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند ہوں تو ظاہر نہیں ہوگا کہ وہ سنی ہے یا بدمذہب، لہٰذا مذہب حق اہلسنت وجماعت سے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اس زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت سے ہونے کو بتانا ضروری ہوگیا ہے، خداتعالیٰ اس پر اعتراض کرنے والے کو صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین...... اور مسلک اعلیٰ حضرت کا مطلب کوئی نیا دین یا نیا مسلک نہیں ہے بلکہ اس سے وہی مسلک مراد ہے جو صحابہ وتابعین اور اولیائے کرام واسلاف عظام کا تھا، مسلک کی نسبت اعلیٰ حضرت کی طرف اس مناسبت سے ہے کہ انہوں نے بزرگان دین کے مسلک کی ترجمانی کی ہے اور اس کی ترویج اشاعت میں پوری زندگی گزاری ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: ازمحمد طاہر حسین مدرسہ حسینیہ بنکاپور ضلع دھارواڑہ، کرناٹک

۱- کچھ لوگ مرغی ذبح کرنے کے بعد کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈبو دیتے ہیں جبکہ اس کا فضلہ پیٹ ہی میں رہتا ہے اس کے بعد اس کے پر نکال کر پیٹ چاک کر کے فضلہ نکال دیتے ہیں از روئے شرع ایسا گوشت کھانا کیسا ہے؟ مدلل تحریر کریں۔

۲- بعد نماز جنازہ میت (مرد ہو یا عورت) کا چہرہ دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

۳- تیجہ، دسواں، بیسواں اور چہلم کا کھانا کن کن لوگوں کو کھانا درست ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ۱- ایسا گوشت کھانا بھی جائز ہے، اور دلیل صرف ناجائز امور کے لئے طلب کرنی چاہیے جائز کاموں کے لئے حوالہ مانگنا غلط ہے، اس لئے کہ ہر جائز امور کی تفصیل کتابوں میں نہیں پائی جاتی، مثلاً چار، چھ یا آٹھ گوشے کا کنواں اور حوض بنوانا جائز ہے، مگر یہ جزیہ کتابوں میں نہیں ملے گا، لہٰذا جو شخص ایسا گوشت کھانے کو ناجائز بتائے دلیل دینا اس پر لازم ہے، اس لئے کہ اصل اشیاء مین اباحت ہے، وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- جس طرح نماز جنازہ سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے ایسے نماز جنازہ کے بعد بھی دیکھنا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۳- تیجہ اور دسواں وغیرہ کا کھانا اگر عامہ مسلمین میں سے کسی کے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو اس کا کھانا منع اور غریبوں کو جائز اور اگر بزرگان دین کے ایصال ثواب کے لئے ہو تو غنی و غریب سب کو کھانا جائز ہے، اس مسئلہ کی تفصیل فتاویٰ فیض الرسول جلد اول ص ۴۶۱ اور ص ۴۶۲ پر ملاحظہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد ناصر علی صدیقی، برئی جوت ڈاکخانہ اموڑھا، بستی

گاؤں کی آبادی کے قریب ہی قبرستان ہے کئی پشتوں سے آبادی والوں کا یہ عقیدہ رہا اور ہے کہ اسی قبرستان میں ایک بزرگ ہستی ہے جسے بغیاوالے بابا کے نام سے یاد کرتے ہیں کسی آدمی نے خواب میں دیکھا کہ بزرگ آئے اور بتایا کہ ہم یہیں ہیں اور خواب میں اپنی قبر کی نشاندہی کی اب کیا ان کا مزار بنا سکتے ہیں، جب کہ وہ قبرستان کی حد مین واقع ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: قبرستان کی حد میں کسی بزرگ کے نام پر مزار بنانے میں کئی شرعی خرابیاں ہیں، اس لئے کسی کے خواب کی بنیاد پر اس میں مزار بنانے کی اجازت نہیں، فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے: المفضی الی المحظور محظور۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از شہاب الدین احمد برکاتی، دار العلوم خواجہ غریب نواز، سیف آباد، ضلع پرتاب گڑھ

زید کی عورت بکر کے گھر گئی بکر گھر میں موجود نہیں تھا، اس کا بڑا بھائی عمرو موجود تھا، جو باہر سے آیا ہوا تھا بکر کی بیوی اور عمرو دونوں کمرے میں موجود تھے اور کمرہ اندر سے بند تھا، جب زید کی عورت نے پوچھا عمرو کہاں ہے تو بکر کی بیوی نے کہا کہ وہ نہیں ہے جبکہ عمرو گھر کے اندر موجود تھا زید کی بیوی وہیں بیٹھ گئی تو بکر کی عورت کمرے سے نکل کر کمرے میں تالا بند کر کے باہر چلی گئی جب واپس آئی اور تالا کھولا تو عمرو گھر سے نکلا جب زید کی بیوی نے عمرو سے پوچھا کہ بکر کی عورت تمہاری کون ہے اور تم کیا کر

رہے تھے؟ اتنے میں دولڑکے آگئے عمرو نے کہا کہ ان بچوں کو بھگا دو ورنہ بے عزتی ہوگی، زید کی عورت نے عمرو کو ڈانٹا تو عمرو نے کہا کہ وہ چیز تمہیں دے دو، مذکورہ بالا باتوں میں زید کی بیوی کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا، زید کی بیوی کے کہنے پر گاؤں کے کچھ لوگوں نے بکر کے یہاں کھانے پینے سے انکار کیا تو زید کی عورت نے ایک عالم کے سامنے ان باتوں کو رکھا عالم صاحب نے عمرو اور بکر کی عورت سے توبہ کرائی اور معافی منگوائی، زید توبہ کے بعد عالم کی بات نہیں مانا اور راضی بھی نہیں ہوا، ضروری امر طلب یہ ہے کہ زید کے بارے میں اور عمرو کے بارے میں نیز بکر کی بیوی کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: توبہ کے بعد عالم نے کیا بات کہی جسے زید نے تسلیم نہیں کیا اور راضی نہیں ہوا، سوال میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا اگر تو مطلب ہے کہ عمرو اور بکر کی عورت کا توبہ کرنا زید نہیں مانتا تو یہ اس کی سراسر غلطی ہے، اس لئے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: التائب مىن الذنب كمن لا ذنب له، بکر کی بیوی اور عمرو اگر واقعی کمرے میں بند تھے تو وہ سخت گنہگار ہوئے اس لئے کہ جب اجنبی عورت کے ساتھ مرد تنہائی میں ہوتا ہے تو ان دو کے علاوہ تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے (یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی میں مبتلا کر دیتا ہے) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا يخلون رجل بامرأة الا كان ثالثها الشيطان، رواه الترمذى (انوار الحدیث ص ۳۴۲) لہٰذا ان پر توبہ لازم تھی اور وہ ایک عالم کے ذریعہ ہوئی تو بہتر ہوا، لیکن عمرو اور بکر کی بیوی کو قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللهِ مَتَابًا. (پ۱۹ ع۴) وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از رحمت علی تمگھاس گلمی کرسی وکاس بینک، نیپال

۱- ایصال ثواب اگر کسی بزرگ کے نام سے ہو تو اس کھانے کو امیر و غریب دونوں برکت کے لئے کھا سکتے ہیں اور اگر ایصال ثواب کسی عام مسلمان کے نام سے ہو تو اس کھانے و شیرینی کو صرف غریب و مسکین کھا سکتے ہیں کیا یہ مسئلہ درست ہے اور غریب و مسکین مالی اعتبار سے کس کو کہا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

۲- اگر ایسی جگہ کو ہر جمعرات کو فاتحہ کرتے ہوں اور ایصال ثواب کسی عام مسلمان کے نام ہو اور اس جگہ کوئی غریب و مسکین نظر نہ آتے ہوں تو اس شیرینی اور کھانے کو کیا کیا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب: ۱- بیشک جس کھانے کا ثواب کسی بزرگ کو نذر کیا جائے وہ امیر و غریب ہر ایک کے لئے تبرک ہے اور اگر کسی عام مسلمان کو ایصال ثواب کیا جائے تو ایسے کھانے اور شیرینی کو بھی امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں مگر امیر کو ایسے کھانے

سے بچنا چاہیے، البتہ عام مردہ کے تیجہ، دسواں بیسواں اور چالیسواں وغیرہ میں شادی بیاہ کی طرح مالدار احباب و رشتہ دار کو دعوت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غم میں، فتح القدیر جلد دوم ص ۱۰۲ میں ہے: یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل البیت لا نہ شرع فی السرور لا فی الشرور ھی بدعۃ مستقبحۃ اور غریب و مسکین مالی اعتبار سے اس کو کہتے ہیں جو مالک نصاب نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- ہر کھانا اور شیرینی بالاصل بزرگوں کے نام ہی ایصال ثواب ہونی چاہیے اور عام مسلمانوں کے نام بالتبع، تا کہ کسی کے لئے اس کھانے اور شیرینی کی ممانعت نہ رہے، اگر کسی نے عام مردہ ہی کو ایصال ثواب کیا اور اسے کوئی غریب نہ ملا تو وہ کھانا اور شیرینی مال داروں میں بھی تقسیم کر سکتا ہے مگر دنیا میں ایسی آبادی نہیں کہ جہاں کوئی غریب نہ ہو کہ مال داروں کے بالغ لڑکے عموماً غریب ہی ہوتے ہیں اس لئے کہ ساری جائیداد کا مالک باپ ہوتا ہے اور لڑکے کے پاس کچھ نہیں ہوتا، وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از محمد عباس علی قادری، گوسائیں گاؤں، کوکراجھار (آسام) انڈیا

۱- زید و بکر دونوں ہی ایک پیر کے مرید اور دونوں بھائی ہیں، سلسلہ قادریہ میں بیعت ہیں، زید کی تربیت میں بکر کو اس کے پیر و مرشد نے دیا اور بکر سے یہ کہہ دیا کہ جو کچھ ذکر اذکار دینا ہوگا زید دیں گے جو کچھ سمجھنا ہو اس سے سمجھ لیں گے، زید اپنے پیر کا خلیفہ ہے اسے اس کے پیر نے اجازت و خلافت دے دی ہے بکر زید سے ذکر واذکار کا سبق لیتا رہا زید کے کہنے کے مطابق ہر چیز کو کرتا رہا، ایک دن زید نے بکر سے کہا کہ آپ اپنے گھر پر میلاد شریف کا پروگرام کریں اسی میں آپ کو خلافت دی جائے گی (خیال رہے کہ زید رشتہ میں بکر کا داماد ہے اور عمر میں چھوٹا ہے) بکر زید کے پاس سے اپنے گھر آیا اس کے محلّہ میں کچھ دن بعد جلسہ ہوا اس میں مقررین آئے ان میں ایک بزرگ پیر صاحب بھی تھے، بکر نے انہیں صبح ناشتہ کے لئے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دے دی اور انہوں نے قبول فرمائی، جب صبح کو پیر صاحب بکر کے گھر آئے تو بکر کے ایک پیر بھائی نے کہا کہ حضرت ہمارے پیر صاحب کا انتقال ہوئے ایک سال ہو گیا اور ہمارے اس بھائی کو خلافت نہیں ملی، پیر صاحب نے بکر سے پوچھا کہ کیا تعلیم ہے، بکر نے سب بتایا، حضرت نے اپنے بیگ سے چھپا ہوا پیڈ نکالا فوراً خالی جگہ پر بکر کا نام و پتہ لکھ کر انہیں دے دیا جو خلافت نامہ تھا بکر سلسلہ قادریہ سے بیعت ہے اور یہ بزرگ سلسلہ چشتیہ سے تھے اور قادریہ سے بھی منسلک تھے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ خلافت درست نہیں ہوئی بکر کو اپنے پیر کے سجادہ نشین سے یا پیر صاحب نے جن کی تربیت میں دیا تھا ان سے خلافت لینی چاہیے تھی یا پھر دوسری جگہ کے لئے انہیں سے اجازت لینی تھی اس کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ بکر نے خلافت کے بعد بیعت کرنا بھی شروع کر دیا، ان کے مریدوں کے

بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ اوران سے مرید ہونا کیسا ہے؟

۲۔ پیر ومرشد کے حیات میں رہتے ہوئے کوئی دوسرا پیر اس پیر کے مرید کو تعلیم ذکر واذکار یا اجازت وخلافت دے سکتا ہے؟ جب کہ پیر ومرید بہت دور دور رہتے ہوں، ملاقات کرنا دشوار ہو اور اسی سلسلہ کے دوسرے پیر قریب میں رہتے ہوں اور امید ہے کہ برابر ملاقات ہوتی رہے گی، فیض بھی حاصل ہونے کی امید رکھتا ہو تو اپنے پیر کی زندگی میں کوئی مرید دوسرے پیر سے تربیت لے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی حالت میں کیا کرے شرع کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱۔ بکر جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے مرید ہے اس نے اپنے پیر یا جس کی تربیت میں ہے ان کی بجائے کسی ایسے پیر خلافت کی جو قادریہ چشتیہ سلسلے سے منسلک ہیں تو اس میں ازروئے شرع کوئی حرج نہیں بکر میں پیر بننے کی اگر چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں یعنی سنی صحیح العقیدہ ہونا، اتنا علم رکھنا کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے، فاسق معلن نہ ہو اور اس کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونا، تو وہ مسلمانوں کو مرید کرسکتا ہے۔ ھکذا قال صدر الشریعة فی جزء الاوّل من بہار شریعت۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲۔ وہ پیر جو باحیات ہے اس کے مرید کو دوسرا پیر تعلیم ذکر واذکار اور اجازت وخلافت دے سکتا ہے خاص کر اس صورت میں جب کہ مرید اپنے پیر سے بہت دور ہو اور دوسرا پیر اسی سلسلہ کا شیخ ہو، وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد ادریس مقام و پوسٹ رانی پور ضلع بستی۔

زید کے یہاں ایک غیر مسلم کام کرتا ہے زید نے کہا کہ بکر نے یہ الزام لگایا ہے کہ اس غیر مسلم کا ہمارے سادھو کی لڑکی سے ناجائز تعلق ہے، لیکن بکر نے کہا کہ میں نے الزام نہیں لگایا چلو مسجد میں ہم قرآن اٹھا کر قسم کھالیں، اس پر زید نے کہا کہ مسجد کے معنی کیا ہیں یہیں قسم کھالو تو بکر نے وہیں قرآن مجید اٹھا کر قسم کھالی سب نے اس کی قسم مان لی مگر زید نے کہا کہ بکر بے ایمان ہے، قرآن کے معنی کیا ہیں تو زید کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر کوئی شخص مثلاً کہے زید کے دروازہ پر چلو اس پر دوسرا بولے کہ زید کے معنی کیا ہیں؟ تو یہ زید کی توہین ہے اسی طرح جب زید نے کہا کہ مسجد کے معنی کیا ہیں؟ قرآن کے معنی کیا ہیں تو اس نے مسجد اور قرآن کی توہین کی اور مسجد وقرآن کی توہین کفر ہے، لہٰذا وہ علانیہ توبہ واستغفار کرے، اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا سماجی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے، قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷ع۱۴) ھذا عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مسئلہ: از سمیع احمد ملولی گوشائیں شنکر پور، بستی

۱- زید کے پاس دولڑکے ہیں ایک عمرو دوسرا بکر، عمرو کی شادی ہوگئی ہے اور بکر غیر شادی شدہ ہے ایک سال تک عمرو کی بیوی کا چال چلن ٹھیک تھا اس کے بعد عمرو کی بیوی کا چال چلن خراب ہوگئی یعنی دوسرے لوگوں سے اس کا ناجائز تعلق ہوگیا، اس کے علاوہ زید کا جو چھوٹا لڑکا ہے، اس کے ساتھ ناجائز کام کر بیٹھی جب زید اور اس کی بیوی کو اس کی بدچلنی کے بارے میں معلوم ہوا تو ان لوگوں نے عمرو کی بیوی کو گھر سے نکال دیا، پھر ایک مہینہ بعد عمرو کی بیوی اپنی سسرال واپس آئی مگر ان لوگوں نے اسے گھر کے اندر نہیں جانے دیا کچھ دنوں بعد زید کے لڑکا عمرو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ایسی صورت میں زید کے گھر والوں کے اوپر کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

۲- نیز جب زید کے بھائی پٹیدار کو معلوم ہوا تو ان لوگوں نے زید کے یہاں کھانا پینا چھوڑ دیا، تو اب ان کے یہاں کھانے پینے کی کون سی صورت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: ۱، ۲- جب زید اور اس کی بیوی کو اپنی بہو کی بدچلنی کا علم ہوا تو ان لوگوں نے اسے گھر سے نکال دیا، پھر ایک ماہ بعد وہ جب واپس آئی تو اسے گھر کے اندر نہیں جانے دیا، یہاں تک کہ کچھ دنوں بعد زید کے لڑکے عمرو نے اسے طلاق دے دی تو اس صورت میں زید اور اس کے گھر والوں پر کوئی مواخذہ نہیں، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"۔ یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (سورہ انعام آیت نمبر ۱۶۴/ پ ۸) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوگا دوسرے کے گناہ میں نہیں، لہٰذا بھائی پٹی دار کا زید کے یہاں کھانا پینا چھوڑ دینا صحیح نہیں ہے، ہاں اگر زید اس کی بیوی اور عمرو نے اسے حتی الامکان پابند نہ کیا تھا بلکہ اسے گھومنے پھرنے میں آزاد رکھا تھا تو ان سب کو توبہ واستغفار کرایا جائے، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا، یعنی اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ (سورہ تحریم آیت نمبر ۶) **ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از مشہور رضا خاں قادری برکاتی، اترولہ، گونڈہ

زید جو پشتہا پشت مع اعزاء، واقرباء غیر مقلد وہابی ہے بلکہ پوری آبادی "وہابیت کا قلعہ" سے مشہور ہے کیونکہ ایک بڑا دار العلوم بنام سراج العلوم سعودی نجدی تعاون سے یہاں مصروف مشن ہے، زید اس کا بھی سرگرم معاون وممبر ہے کیونکہ انتہائی مالدار ہے چند سالوں سے میدان سیاست میں بھی سرگرم ہے، عوامی خدمات میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتا ہے، مثلاً علاج کے لئے مفت کیمپ، محرم میں سبیلوں کا انتظام، ہندو تیرتھ استھانوں پر مفت بسوں کا انتظام، بیاہ وغیرہ میں خطیر رقوم سے دل کھول کر

تعاون، اجمیر شریف زائرین کی خدمت میں مفت بسوں کا انتظام، درگا پوجا، نوراتری کے موقع پر مورتیوں نیز پوجا پاٹ میں بھی سہوگ ویوگ دان، علماء کی خدمت بابرکات میں بصد عقیدت، تحفہ وتحائف ونذور سے پیش آتا ہے، مساجد میں بھی چٹائیاں ولوٹے وغیرہ کی فراہمی سے بہرہ مند ہے، فی الحال ۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ محفل میلاد ولنگر کا انتظام اپنے سیاسی دفتر واقع اترولہ میں کیا یہ یہاں اہلسنت کے دو مشہور ادارے ہیں دونوں کے علماء وطلبہ کو میلاد ولنگر کی دعوت دی گئی، ایک دار العلوم کے صدر المدرسین نے بہر طور شرکت سے انکار کر دیا جبکہ دوسرے جامعہ کے مفتی وشیخ الحدیث وپرنسپل نے بہر طور پر بالکل شرکت کی منظوری عنایت عطا فرما دی، شہر میں خوب اچھی طرح سے بذریعہ گاڑی ولاؤڈ سپیکر اعلان ہوا، بعد مغرب محفل میلاد کی جب پوری تیاری نیز کھانا وغیرہ تیار ہو چکا، اور شرکت کے لئے شام تک بلاوا آچکا، بعض حضرات اہلسنت کے اعتراض پر دیگر علماء وطلبہ میں شش وپنج کی کیفیت پیدا ہوئی، زید کو بلایا گیا، ایک عالم صاحب نے اس پر ملاعنہ وہابیہ اربعہ کے بعضے کفریات پیش کئے اس کے بعد زید نے کہلانے کے بموجب چاروں کے نام بنام تکفیر بھی کی اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا، مگر افسوس بیچارے عالم صاحب جلدی میں تلقین شہادت وتوبہ بھی بھول گئے کیونکہ زید اور اس کے لوگ میلاد ولنگر میں شرکت کے لئے بے حد پریشان نظر آرہے تھے اور وقت بھی ہو چکا تھا پھر کیا یک متفقہ حکم صادر ہوا، اساتذہ مع تلامذہ زید کے سیاسی دفتر پر تشریف لے گئے، اور کھانا ماحضر (گوشت، روٹی، بریانی وغیرہ) جو دن برابر ہی تیار ہو چکا تھا تناول فرما کر شکر خدا بجالائے، اور میلاد شریف جو شاہ ولی الرحمٰن فضلو میاں گنج مراد آبادی کی سرپرستی میں تھا، شرکت فرمائی، یکے بعد دیگرے علماء عوام سامعین کو زید کی سنیت کا مژدہ ومبارکباد پیش کیا (البتہ زید نے اسٹیج پر یا سب کے سامنے کچھ نہ کہا) ہاں مفتی صاحب نے دوران تقریر ضرور یہ کلمہ صادر فرمایا اور سامعین کو سنایا کہ "شعیب بھائی کے بارے میں اب مسلمان ہونے میں جو شبہ کرے وہ اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں سوچے" کچھ سر پھرے اسے سیاسی توبہ اور ایمانی متعہ کہتے ہیں یعنی شبہ تو کیا یقین کی حد تک سنی ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، کیا واقعی ان سب کو بھی وہی سب کچھ کرنا پڑے گا جو زید مذکور نے کیا، اور تسلیم نہ کرنے والے کیا کچھ اور زیادہ ہی خراب ہو گئے، حکم شرع شریف سے مع حوالہ بالتفصیل آگاہ فرمائیں، تاخیر جواب کے سبب ہنگامہ بھی ہو سکتا ہے، اور فروغ گمراہی کا شدید احتمال ہے، نیز طریقہ توبہ مرتد اور اس کے احکام سے باخبر فرمائیں۔ (بینوا توجروا)

الجواب: شیخ المحدثین حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی ثم پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے فتویٰ جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد مطبوعہ کتب خانہ امجدیہ بستی ص ۱۳ پر غیر مقلدوں کے پیشوا مولوی عبد الحق محمدی کی تصنیف اعتصام السنۃ مطبوعہ کانپور ص ۷ وص ۸ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ غیر مقلدوں کا عقیدہ یہ ہے کہ چاروں اماموں کے مقلد اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور چشتیہ قادریہ ونقشبندیہ ومجددیہ وغیرہ سب لوگ مشرک وکافر ہیں، لہٰذا ملاعنہ وہابیہ اربعہ یعنی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کے کفریات کسی غیر مقلد کے سامنے پیش کر کے اس سے ان مولویوں کو کافر کہلوانا لغو ہے، اس لئے کہ اہلسنت جماعت کے نزدیک اگرچہ مولویان مذکور نہ

مسلمان ہیں اور نہ مقلد، لیکن غیر مقلدوں کی نگاہ میں وہ مقلد ہیں اور تقلید کے سبب ان کے عقیدے کے مطابق وہ کافر و مشرک ہیں۔

اور بالفرض اس نے مولویان کو تقلید کے سبب کافر نہ کہا لیکن غیر مقلد وہ مکار قوم ہے جو سنیوں سے تعلقات پیدا کرنے اور ان کو غیر مقلد وہابی بنانے کے لئے طرح طرح کے فریب سے کام لیتی ہے اس لئے اگر کسی غیر مقلد سے صحیح طور پر بھی توبہ لی جائے تو جب تک کہ کچھ عرصہ اسے ازراہ تجربہ جانچ نہ لیا جائے اس کے ساتھ سنیوں جیسا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین غیظ المنافقین امام العادلین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب صبیغ سے جس پر بوجہ بحث متشابہات بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شدید توبہ لی، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں، اس کے ساتھ خرید و فروخت نہ کریں، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں اور مر جائے تو اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں۔

بہ تعمیل حکم حاکم ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آتا تو سب متفرق (تتر بتر) ہو جاتے، جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض بھیجی کہ اب اس کا حال اچھا ہو گیا اس وقت اجازت فرمائی (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۱۳) لہٰذا صبیغ جو صرف آیات متشابہات یعنی الم حم اور وجہ اللہ و ید اللہ کی مثل میں بحث کیا کرتا تھا وہ مرتد نہیں تھا بلکہ اس پر صرف بدمذہبی کا اندیشہ تھا مگر اس کے باوجود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے توبہ کے بعد بھی اس کا سخت بائیکاٹ کیا جب تک کہ اطمینان نہیں ہو گیا تو غیر مقلد مرتد یا کسی بدمذہب کو توبہ کرانے کے بعد بدرجہ اولیٰ ایک زمانہ تک دیکھا جائے گا جب اس کی بات چیت اور طور و طریقہ سے خوب اطمینان ہو جائے گا کہ وہ واقعی اہلسنّت و جماعت کا آدمی ہو گیا تب اس کے ساتھ سنی جیسا برتاؤ کیا جائے گا لہٰذا جس عالم نے غیر مقلد سے دیوبندیوں کے چاروں مولویان مذکور کو کافر کہلوایا اور جس نے مجمع عام میں اس کے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور جن مولویان نے اس کے لنگر میں کھایا پیا وہ سب جمعہ کے دن مسلمانوں کے سامنے یا کسی بڑے جلسہ کے مجمع میں اپنی فریب خوردگی کا اعلان عام کریں اور سب کو بتا دیں کہ غیر مقلد نے ہم سب کو دھوکا دیا اور ہم لوگ اپنی بعض کمزوریوں کے سبب اس کے دھوکے میں آ گئے وہ حسب سابق اب بھی غیر مقلد وہے مسلمان اس سے دور رہیں اس کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور سلام و کلام سے بچیں اور کسی معاملہ میں اس کا تعاون ہرگز قبول نہ کریں، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ آج بھی غیر مقلد ہی ہو گا، اور اگر واقعی وہ سنی ہو گیا اور اس کا طور طریقہ سب اہلسنّت والجماعت جیسا ہو گیا تو ان مولویوں پر کوئی الزام نہیں اس صورت میں وہ لوگ کہ جنہوں نے بلا تجربہ اس کی سنیت سے انکار کر دیا وہ توبہ کر لیں۔

موجودہ حالت میں مرتد کے متعلق احکام یہ ہیں کہ مسلمان ان کا مذہبی بائیکاٹ کریں ان کی دعوت نہ کھائیں ان کے یہاں شادی بیاہ نہ کریں ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ مسلمانوں کے قبرستانوں میں انہیں دفن ہونے دیں اور مرتد سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ ضروریات دین میں سے جس بات کے انکار سے وہ مرتد ہوا اس کا اقرار کرائیں اور کلمہ پڑھا کر پھر سے مسلمان بنائیں

اور بیوی والا ہو تو پھر سے اس کا نکاح پڑھائیں۔ھذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازعبدالرشید رضوی، راجکوٹ (گجرات)

جو بزرگان دین کے نام پر مرغے چھوڑے جاتے ہیں جسے منت کا مرغا کہا جاتا ہے اس مرغے کو بیچ کر اس کا روپیہ مزار میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز ایسے ہی مزار پر چڑھی ہوئی چادر کو دوبارہ خرید کر پھر اسی مزار پر چڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ والرضوان حدیقہ ندیہ میں تحریر فرماتے ہیں: من ھٰذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین النذرلھم بتعلیق ذلک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین بقبورھم، یعنی اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت کرنا اور اولیاء کرام وبزرگان دین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیاء گزشتہ کے لئے نذر ماننا وہ ان کی قبروں کی خدمت کرنے والوں پر صدقہ کرنے سے مجاز ہے۔

معلوم ہوا کہ نذر مزارات کی خدمت کرنے والوں پر صدقہ ہوا کرتا ہے، لہٰذا وہ مرغ جو کسی بزرگ کی منت کا ہو وہ اس بزرگ کے خدام کو دیا جائے یا اس کو بیچ کر قیمت ان کو پہنچائی جائے، پھر خدام چاہیں تو اسے اپنی ضروریات میں خرچ کریں یا اس بزرگ کے مزار کی تعمیر میں لگائیں، نذر ماننے والا اسے مزار کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتا اور بزرگ کے نام پر مرغ چھوڑنا جہالت ہے کہ اس صورت میں حقدار کو اس کا حق نہیں پہنچتا نہ بزرگ کو اس کا ایصال ثواب ہوتا ہے، البتہ اگر اس طرح منت مانی ہو کہ مثلاً ہمارا فلاں کام ہو جائے تو ہم ایک مرغ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کریں گے اس صورت میں جہاں چاہے مرغ کی نیاز کرے حضرت کے مزار پر اسے پہنچانا ضروری نہیں......اور حدیقہ ندیہ کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نذر کی چادر بھی مزار کے خدام پر صدقہ کرنے سے مجاز ہے لہٰذا وہ اسے اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں اور بیچ بھی سکتے ہیں تو جب انہوں نے اسے بیچ دیا تو خریدنے والے اسے پھر مزار پر چڑھا سکتے ہیں۔وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمحمد عمر نظامی، جماعت ثامنہ دارالعلوم تنویر الاسلام قصبہ امرڈوبھا، بکھر بازار بستی

۱- زید حج فرض ادا کر چکا ہے۔دوبارہ صرف حج وعمرہ کی ادائیگی کی نیت سے فوٹو کھینچوا کر حج وعمرہ اور زیارت بغداد شریف وغیرہ کر سکتا ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

۲- حج فرض کی ادائیگی کے لئے جو فوٹو کھینچوایا تھا اس کا نگیٹو محفوظ ہے، فوٹو گرافر سے اس کی کاپیاں تیار کرا کے درخواست فارم پر چسپاں کر دے تو جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

۳- دنیاوی سیر و سیاحت، تجارت، بیوی اور احباب سے ملاقات کی غرض سے بیرون ملک جانے کے لئے فوٹو کھینچوانا کیسا ہے

بینوا توجروا۔

الجواب: ۱- اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا بطور اعزاز اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اس پر سخت سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے، مٹانے کا حکم فرمایا احادیث اس کے بارے میں حد تواتر پر ہیں (فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف اوّل ص ۱۴۳) اور دوبارہ حج وعمرہ کی ادائیگی اور زیارت بغداد شریف ضرورت شرعیہ مالا بدمنہ بھی نہیں، ایسے کاموں کے لئے فوٹو کھینچوانا جائز نہیں۔

۲- صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے اس لئے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے۔ (فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف اوّل ص ۱۴۳) اور نگیٹو سے کاغذ پر فوٹو تیار کروانا بھی خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے کی طرح بنانا اور بنوانا اس لئے وہ بھی حرام ہے، لہٰذا نیگیٹو سے بھی کاپیاں تیار کرا کے درخواست فارم پر چسپاں کرنا جائز نہیں، بلکہ لازم ہے کہ وہ نیگیٹو بھی ضائع کر دیا جائے تاکہ اس کی یا اس سے بنائی گئی دوسری تصویر کی تعظیم کا دروازہ بند ہو جائے، فتاوٰی رضویہ کی اسی جلد کے ص ۱۴۵ پر ہے کہ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصاویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اھ۔

۴- دنیوی سیر و سیاحت، تجارت اور واجبات سے ملاقات کی غرض سے بھی بیرون ملک جانے کے لئے فوٹو کھینچوانا جائز نہیں کہ جائز اور مستحب کاموں کے لئے حرام کا ارتکاب حرام ہی رہے گا، اور ایسی جگہ شادی کرنا یا ایسی صورت پیدا کرنا جائز نہیں کہ بیوی سے ملاقات کے لئے فوٹو کھینچوا کر حرام کا ارتکاب کرنا پڑے فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے۔ "والمفضی الی المحظور" ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از نیاز احمد انصاری محلہ باغیچہ التفات گنج، امبیڈکر نگر

بعد نماز فجر مسجد میں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے کہ جس سے بعد میں آنے والے نمازیوں کو نماز پڑھنے میں وقت ہوتی ہے، ایسی صورت میں صلوٰۃ سلام پڑھا جائے یا نہ پڑھا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آواز کے ساتھ اوراد و وظائف یا قرآن مجید کی تلاوت سے لوگوں کی نمازوں میں خلل ہو تو اس کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے"۔ (فتاوٰی رضویہ جلد سوم ص ۵۹۶) اور تحریر فرماتے ہیں کہ ایسا جہر جس سے کسی کی نماز یا تلاوت یا نیند میں خلل

آئے یا مریض کو ایذا پہنچے ناجائز ہے (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اخر ص ۱۲۶) لہذا بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے سبب بعد میں آنے والے نمازیوں کو نماز پڑھنے میں خلل ہوتا ہے تو اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روکنا مسلمانوں پر واجب ہے اور پڑھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اس طرح پڑھنے سے باز آجائیں، اس کے بجائے ہر شخص الگ الگ آہستہ آہستہ پڑھے اور یا تو فجر کی جماعت ایسے وقت میں قائم کریں کہ اس سے فارغ ہو کر صرف دو تین بند سلام پڑھیں جس میں نئے آنے والے نمازی بھی شریک ہو جائیں پھر اس کے بعد وہ با آسانی سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھ سکیں اور اس طرح صلوٰۃ سلام پڑھے جانے کا بار بار اعلان کرتے رہیں تاکہ جماعت کے بعد آنے والے سلام ختم ہونے سے پہلے نماز نہ شروع کریں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد حنیف، موضع اٹواڈا کھانہ اٹوا کنگائی، بستی

۱- مہدی حسن بن محمد یوسف کے پاس گھر کھیت والدین بھائی وغیرہ ہیں یعنی تمام خوشحالی کے باوجود بھی بھیک مانگتا ہے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

۲- مہدی حسن کی بیوی راضیہ خاتون نے ایک عالم دین کو گالی دی اور کہتی ہے کہ مولانا کے داڑھی میں مین پاخانہ اور پیشاب کروں گی اور داڑھی کو اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دوں گی اور مہدی حسن سے لوگوں نے کہا کہ تم اپنی عورت کو منع کیوں نہیں کرتے ہو تو مہدی حسن جواب دیتا ہے کہ میری عورت ایسی ہی گالی دے گی، ایسی صورت میں مہدی حسن کی دعوت وغیرہ میں برادری کے لوگ کھا سکتے ہیں کہ نہیں کہ مہدی حسن اور راضیہ کے اوپر شرعی قانون کیا نافذ ہوتے ہیں؟ جواب عنایت کریں، **بینوا توجروا۔**

۳- مہدی حسن کے عدم موجودگی میں راضیہ ایک غیر محرم کے ساتھ زنا کرتے دیکھی گئی اور گاؤں کے کئی اشخاص اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ مہدی حسن تمہاری عورت زنا کرتی دیکھی گئی ہے مگر مہدی حسن لوگوں کی شہادت کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ میری عورت جو چاہے سو کرے جس کو جو کرنا ہے وہ کرے، کسی سے کوئی سروکار نہیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے یہاں برادری کے لوگ کھا پی سکتے ہیں کہ نہیں اور کھالئے تو کھانے والوں پر اور مہدی حسن اور راضیہ کے اوپر شریعت مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: ۱- خوشحالی کے باوجود بھیک مانگنا سخت ناجائز وحرام ہے، حدیث شریف میں ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من سال الناس اموالھم مکثرا فانما یسئل جمر جھنم فلیستقل منه ویستکثر۔ یعنی جو اپنا مال بڑھانے کیلئے بھیک مانگے وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اب چاہے تھوڑا لے یا زیادہ۔ (مسلم شریف) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من سال من غیر فقر فانما یا کل الجمر، یعنی جو بغیر

ضرورت شرعیہ بھیک مانگے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے۔(احمد)، وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اگر عالم دین کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا ہے اور تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق وفاجر ہے اور اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے: من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر، منح الروض الازہر میں ہے: الظاهر انه یکفر (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۴۰) اور داڑھی سنن متواترہ میں سے ہے اور اس کی سنیت قطعی الثبوت ہے اور ایسی سنت کی توہین وتحقیر وبالا جماع کفر ہے کما ھو مصرح فی الکتب الفقہ والکلامیۃ۔ لہٰذا داڑھی کی توہین کے سبب راضیہ کا نکاح ٹوٹ گیا، اور داڑھی کی توہین کی تائید کرنے کے سبب اس کا شوہر بھی کفر میں مبتلا ہوا، دونوں علانیہ توبہ واستغفار کر کے نکاح دوبارہ پڑھوائیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان دونوں سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ حرام کے ہوں گے، ان کے یہاں کھانا نہیں کھائیں گے نہ ان کو کھلائیں گے، مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کریں گے، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۳۰ میں ہے۔ توبہ ونکاح نہ کرنے کی صورت میں اگر مسلمان ان کا بائیکاٹ سختی کے ساتھ نہیں کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے اس لئے کہ وہ دونوں ظالم وجفا کار ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، یعنی اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو کہ جہنم کی آگ تمہیں بھون ڈالے گی، (پ۱۲ ع۱۰) اور حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من مشی مع ظالم لیقویه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام، یعنی جو شخص ظالم کا ساتھ دے۔ اس کو تقویت دینے کے لئے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا یعنی اس کی خوبیوں سے (انوار الحدیث ص ۴۲۷ بحوالہ بیہقی شریف) وھو تعالیٰ اعلم۔

۳- اگر راضیہ واقعی زنا کاری کرتے دیکھی گئی جس کے گواہ گاؤں کے کئی اشخاص ہیں مگر جب اس کا شوہر اپنی بیوی کو تنبیہ کرنے کے بجائے یہ کہتا ہے کہ میری عورت جو چاہے سو کرے جس کو جو کرنا ہو کر لے تو وہ دیوث ہے، لانه من لا یغار علی اهله فھو دیوث، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام سب بند کردیں، برادری یا غیر برادری کوئی مسلمان اس کے یہاں کھاپی نہیں سکتا، جنہوں نے اس کے یہاں کھالیا وہ حکم شرع نہیں جانتے رہے ہوں گے، اب شریعت کا حکم جان لینے کے بعد اس کے توبہ تجدید نکاح سے پہلے جو شخص اس کے یہاں کھائے اس کا بھی بائیکاٹ کیا جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی۔

۱۳ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از ولایت حسین ایڈووکیٹ ساکن اموی ڈاکخانہ انھیا گڑہ، ضلع بستی۔

ولی محمد نے ایک بار غلام حسین اور کتاب اللہ کی مدد سے ایک کتے کو ذبح کیا اور اس کا گوشت اپنے لڑکے کو بطور علاج کھلایا اور دوسری بار پھر ولی محمد کی بہو نے اپنے لڑکے کی مدد سے کتے کو ذبح کر کے اسی شخص کو کھلایا، واضح رہے کہ غلام حسین اور کتاب اللہ جانتے تھے کہ ولی محمد اپنے لڑکے کو کھلانے کے لئے کتا ذبح کروا رہے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذکورہ لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتے کا گوشت مسلمانوں کو کھلا دیا گیا، نعوذ باللہ من ذلک، ولی محمد اور اس کی بہو کہ جنہوں نے کتے کا گوشت مریض کو کھلایا اور غلام حسین کتاب اللہ نیز ولی محمد کی بہو کا لڑکا جو لوگ کہ اس حرام اور ناجائز کام کے کرنے میں مددگار بنے، سب لوگوں کو آبادی کے سارے مسلمانوں کے سامنے کلمہ پڑھایا جائے، پھر ان کو توبہ و استغفار کرایا جائے اور ان سے عہد لیا جائے کہ وہ آئندہ اس طرح کی غلطی پھر نہ کریں گے اور ان لوگوں کو چاہیے کہ قرآن خوانی و میلاد شریف کریں، غرباء و مساکین اور فقراء کو کھانا کھلائیں اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھیں کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں، قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: از عبد القادر رضوی برکاتی مدرسہ ضیاء العلوم نیپال گنج۔

ملک نیپال کے شہر نیپال گنج اور اس کے اطراف میں آج کل ایک نئی جماعت (مسلم سیوا سنگھ) کے نام سے گشت کر رہی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کرنا انہیں سلام و قیام اور مزارات اولیاء پر حاضری سے روکنا اور علمائے بریلوی اور مسلک اعلیٰ حضرت سے منحرف کرنا ہے، نیز ان کا کہنا ہے کہ ۷۸۶ اسم جلالت اللہ کا عدد نہیں ہے، بلکہ ہرے کرشنا کا عدد ہے لہٰذا اس عدد کو برائے حصول برکت کسی کام کے آغاز کے وقت نہیں لکھنا چاہیے، بلکہ جو تحریر کرے وہ بد عقیدہ اور گمراہ ہے نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سلسلے میں اب تک اکابر و مشائخ غلطی پر رہے، حضور والا کی خدمت باعظمت میں عرض ہے کہ یہ فرقہ اپنے اظہری اخلاق و کردار کی بنیاد پر اس وقت بہت کامیاب چل رہا ہے لوگ ان کے دام فریب میں آتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرح ایک عجیب طوفان برپا ہے اس لئے آپ بہت جلد اور بہت مدلل جواب سے نوازیں کرم ہوگا اور واضح فرمائیں کہ کیا اس فرقہ کا قول درست ہے اور یہ بھی تحریر کرنے کی زحمت کریں کہ اعداد کا نکالنا کب سے شروع ہے کیا عہد رسالت و صحابہ میں یہ اعداد نکالے جاتے تھے اس کی کچھ حقیقت ہے کہ نہیں اور ایسا کرنے والوں اور کہنے والوں پر کیا حکم شرع نافذ ہوتا ہے؟ نہایت سختی سے جواب ارشاد فرما کر قوم کی رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جس جماعت کے اندر مذکورہ بالا باتیں پائی جاتی ہیں وہ یقیناً وہابی دیوبندی ہیں اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ایسا علم تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے جیسا کہ ان کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان ص ۸ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کل علم غیب کا انکار کرتے ہوئے صرف بعض علم غیب کو ثابت کیا پھر بعض علم غیب کے بارے میں یوں لکھا کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، معاذ اللہ رب العالمین، نئے ایڈیشن میں حفظ الایمان کی یہ عبارت کچھ بدل دی گئی ہے لیکن سارے وہابی دیوبندی اسی پرانی عبارت کو صحیح مانتے ہیں۔

اس گروہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء نہیں ہیں آپ کے بعد دوسرا نبی ہوسکتا ہے جیسا کہ مولوی قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس ص ۸ پر لکھا ہے کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب سمجھنا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں یہ ناسمجھ اور گنواروں کا خیال ہے...... پھر اسی کتاب کے ص ۲۸ پر لکھا ہے کہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی پیدا ہوسکتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اس گروہ کا عقیدہ یہ بھی ہے شیطان و ملک الموت کے علم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کم ہے، جو شخص شیطان و ملک الموت کے لئے وسیع علم مانے وہ مومن مسلمان ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو وسیع اور زائد ماننے والا مشرک بے ایمان ہے جیسا کہ اس گروہ کے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ ص ۵۱ پر لکھا ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص رد کر کے ایک شرکت ثابت کرتا ہے، معاذ اللہ ربّ العالمین۔

مذکورہ بالا عقیدوں کے علاوہ اس گروہ کے اور بھی بہت سے کفری عقیدے ہیں، اس لئے مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہندوستان، پاکستان، برما، اور بنگلہ دیش وغیرہ کے سینکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے ان کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا، جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں ہے، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس گروہ سے دور رہیں اور ان کی بات نہ سنیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم" یعنی بدمذہبوں سے دور رہو اور انہیں اپنے قریب نہ آنے دو تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور نہ فتنہ میں ڈالیں (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸) اگر اس نام نہاد سیوا سنگھ سے مسلمان متاثر ہو رہے ہیں تو علمائے اہلسنت پر فرض ہے کہ اس جماعت کے خلاف جلسے کریں اور مسجدوں میں جا کر خصوصاً جمعہ کے دن مسلمانوں کو اس گروہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔

اور ۷۸۶ کو اسم جلالت کا عدد تو کوئی بھی نہیں مانتا، البتہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا عدد ضرور ہے پھر اگر وہی ہرے کرشنا کا بھی عدد ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، مسلمان تو بسم اللہ ہی کی نیت سے ۷۸۶ لکھتا ہے اور بخاری شریف کی پہلی حدیث میں ہے: انما لکل امری مانوی، یعنی ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی، تو جو شخص اللہ کو خوش کرنے کی نیت سے نماز پڑھتا ہے، اسے ثواب ملتا ہے اور جو لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھتا ہے اسے ثواب نہیں ملتا......اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ، یعنی شیطان سرکش جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی (پ ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱۷، ۱۱۸) اس آیت کریمہ کا عدد ۸۴۷ ہے اور حاجی قاسم صاحب نانوتوی کا بھی عدد ۸۴۷ ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آ کر کافر ہو گئے۔ (پ ۱۰ سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۴) اس آیت مبارکہ کا عدد ۱۲۶۴ ہے اور اشرف علی تھانوی صاحب کا عدد بھی ۱۲۶۴ ہے، اور ارشاد خداوندی ہے: اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ، یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بیشک وہ مجرم تھے، (پ ۲۵ سورۂ دخان آیت نمبر ۳۷) اس آیت کریمہ کا عدد ۶۶۸ ہے اور رشید احمد گنگوہی کا عدد بھی بتخرجی ۶۶۸ ہے، دیوبندوں کے گروہ سے پوچھا جائے کہ ان کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں؟

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں بھی علم ابجد کا رواج تھا جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ابو یاسر بن اخطب اس کے بھائی حی بن اخطب اور کعب بن اشرف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دے کر الم کے بارے میں پوچھا کہ یہ آپ پر ایسے ہی نازل ہوا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ایسے ہی نازل ہوا ہے اس پر حی نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی یہ امت صرف چند سال رہے گی تو ہم اس دین کو کیسے قبول کریں۔ الم کے حروف سے بحساب ابجد ظاہر ہے کہ ۷۱ سال میں یہ قوم مٹ جائے گی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، حی نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی ہے آپ نے فرمایا: ہاں! المص بھی ہے تو حی نے کہا یہ تو ۱۶۱ ہے جو پہلے سے زیادہ ہے، پھر اس نے کہا کیا اور بھی ہے؟ حضور نے فرمایا: الر بھی ہے تو حی نے کہا یہ تو پہلے اور دوسرے سے بھی زیادہ ہے ہم گواہی دیتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی امت کا غلبہ صرف ۲۳۱ سال تک رہے گا پھر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المر بھی ہے تو حی نے کہا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ ہم آپ کی کون سی بات مانیں، اس پر ابو یاسر بولا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے انبیاء کرام نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس امت کی حکومت ہو گی لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کتنے دنوں تک رہے گی، تو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیان میں سچے ہیں تو میری سمجھ سے ان کی امت کے لئے الم، المص، الر اور المر سب جمع ہو جائیں گے پھر سارے یہودی اٹھ پڑے اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ آپ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۶۵)

اور دار الافتاء حلال و حرام اور جائز و ناجائز بتانے کے لئے ہوا کرتا ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ بہ القوی سے سنبھل ضلع مراد آباد کے ایک شخص نے سوال کیا کہ بعد شہادت کس قدر سر مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس

آئے تو اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب میں لکھا کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑ دے۔ یہ سوال و جواب فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر کے ص ۳۷۴ پر چھپا ہوا ہے، اعلیٰ حضرت نے جس حدیث شریف کا حوالہ دیا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: "من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه" لہٰذا یہ سوال کہ اعداد کا نکالنا کب سے شروع ہوا؟ سنبھل کے سوال سے بھی زیادہ بے کار ہے، سائل حدیث شریف پر عمل کرے، یعنی بے کار باتیں چھوڑ دے اور اپنے اندر اسلام کی خوبی پیدا کرے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد حسن قادری، اچل پور، ضلع گونڈہ

ایک مولانا صاحب جو دیہات میں بنام جمعہ دو رکعت پڑھنے کے بعد ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے خلاف ہیں وہ لکھتے ہیں کہ میں اپنی تائید میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ایک فتویٰ پیش کرتا ہوں اسے پڑھ کر سنا دیا جائے لوگ مان جائیں تو بہتر ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال ہوا "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسے قریہ میں جس پر کسی طرح حد مصر ثابت نہیں اگر وہاں پکے حنفی المذہب بخیال شوکت اسلامی نماز جمعہ مع ظہر احتیاطی وصلوٰۃ العیدین پڑھتے ہوں تو وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار رہوں گے اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ۔ اوّلاً: جب نماز جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امر غیر صحیح میں مشغولی ہوئی وہ ناجائز ہے، فی الدر المختار تکرہ تحریما لا نه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة۔ یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ غیر صحیح میں مشغول ہونا ہے اس لئے کہ مصر صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، ثانیاً: اقوال، فقط مشغولی نہیں بلکہ اس امر ناجائز کو موجب شوکت اسلام جاننا بلکہ بنیت وقصد فرض وواجب ادا کیا یہ مفسد عقیدہ ہے جس سے علماء نے تحدید شدید فرمائی۔ "او صوا بترك التزام مستحب اذا خيف ان يظنه العوام واجبا وفي اخف منه قال سيدنا عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه لا يجعل احدكم للشيطن شيء من صلاته يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن بيمينه لقد رايت رسول الله صلى الله عسله وسلم كثيرا ينصرف عن يساره، رواه الشيخان فاذا كان هٰذا هو في شروع باصله فما ظنك بما لم يجزبراسه"۔ علماء نے ایسی صورت میں مستحب پر پابندی کے ترک کا حکم دیا ہے، اس سے ہلکی بات سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کے لئے نہ کرو یہ اعتقاد کرکے کہ صرف دائیں ہی طرف نماز کے بعد مڑنا واجب ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ دیکھا ہے کہ آپ بائیں طرف مڑتے تھے، پس جب یہ ارشاد اس چیز کے بارے میں ہے تو اس کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے، جو سرے سے جائز ہی نہیں، ثالثاً: جبکہ واقع میں نماز جمعہ وعیدین نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ باجماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی۔ فی ردالمحتار عن العلامة الحلبي محشي الدر هو نفل مكروه لا

دانه بالجماعة۔ یہ نماز مکروہ ہوئی کیونکہ جماعت سے ادا کی گئی، یہ تین وجہیں وہ ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے افادہ فرمائیں۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا اندیشہ صحیحہ قویہ یہ ہے کہ عوام یہ اعتقاد کر بیٹھیں گے کہ جمعہ کے دن چھ نمازیں فرض ہیں یہ سخت مہلکہ ہے کہ کسی ناجائز فعل کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور یہ حیلہ کہ خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دیہاتوں میں اگر عوام جمعہ پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہ کیا جائے، الخ۔ یہاں نہیں چل سکتا اس لئے کہ منع نہ کرنا اور عوام کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور بات ہے اور انہیں حکم کرنا اور بات ہے اور یہاں تو لوگ حکم کرتے ہیں کہ جمعہ بھی پڑھو دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے فتویٰ سے کیا یہ ثابت ہے کہ دیہات میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے نہ پڑھیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا فرمان بیشک حق ہے کہ دیہات کے اندر مذہب حنفی میں جمعہ کی نماز پڑھنا گناہ ہے، اسی لئے مذہب حنفی کے سچے ماننے والے علمائے اہلسنت بنام جمعہ دو رکعت پڑھنے کے بعد چار رکعت ظہر فرض با جماعت پڑھنے پر زور دیتے ہیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ دو رکعت جو بنام جمعہ پڑھی جاتی ہے وہ نفل ہے، پھر وہ نفل ہی کی نیت سے اس کو پڑھیں گے اور امر غیر صحیح میں مشغول ہونے کے بعد جو حقیقت میں نفل ہے چار رکعت ظہر فرض با جماعت نہیں پڑھیں گے، تو لوگ بہ نیت فرض وواجب دیہات میں جمعہ پڑھ کر اس عقیدہ مفسدہ میں آئندہ بھی مبتلا رہیں گے جیسے کہ آج مبتلا ہیں جس سے علماء نے تحدید شدید فرمائی ہے اور جب کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہے تو بیشک وہ ایک نماز نفل ہوئی، جو با جماعت اور اعلان وتداعی کے سبب مکروہ ہوتی ہے مگر بہ کراہت تنزیہی جیسا کہ اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ درر وغرر پھر درمختار میں فرمایا: یکره ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة التوارث، نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۶۴)

اور جب دیہات میں بنام جمعہ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد چار رکعت ظہر جماعت سے پڑھی جائے گی تو یہ بات لوگوں پر ظاہر کر دی جائے گی بلکہ خود ہی ظاہر ہو جائے گی کہ دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے اس لئے ظہر کی نماز پڑھی جا رہی ہے تو چھ وقت کی نماز کے فرض ہونے کے اعتقاد کا اندیشہ صحیحہ وقویہ تو کیا نام کا بھی اندیشہ نہ رہے گا، البتہ ظہر با جماعت نہ پڑھنے کی صورت میں لوگ دیہات میں جمعہ کو فرض سمجھ کر پڑھیں گے بلکہ اسی نیت سے پڑھ رہے ہیں تو سخت مہلکہ میں مبتلا ہیں کہ جب کسی ناجائز فعل کو جائز سمجھنا کفر ہے جیسا کہ مولانا صاحب کی تحریر میں ہے تو ناجائز کو فرض سمجھنا بدرجہ اولیٰ کفر ہے، اور بیشک دیہات میں عوام سے جمعہ پڑھنے کا حکم کرنا غلط ہے بلکہ ان سے کہا جائے کہ بنام جمعہ آپ لوگ جو پڑھتے ہیں وہ نفل ہے اور ظہر کی نماز فرض ہے اسے ضرور پڑھو۔

اور دیہات میں جمعہ پڑھنے کی تین خرابیاں مولانا صاحب نے اعلیٰ حضرت کے جس فتویٰ سے نقل کی ہیں اسی میں ہے،

رابعاً: اقول جمعہ میں اس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں ان پر فرض ہی رہ گیا اور ترک فرض اگر چہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعم خود احتیاطی رکعات پڑھیں وہ بھی تارک جماعت تو ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بھی ترک گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۳ ص ۷۰۴)

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے بالکل واضح ہے کہ دیہات میں بنام جمعہ دو رکعت پڑھنے کے بعد اگر ظہر نہ پڑھیں تو فرض باقی رہ جائے گا جو گناہ کبیرہ ہے اور الگ الگ ظہر پڑھیں تو جماعت ترک کرنے کے سبب گنہگار ہوں گے اسی لئے فتویٰ دیا جاتا ہے کہ دیہات میں بنام جمعہ دو رکعت پڑھتے ہیں تو اس کے بعد ظہر کی نماز جماعت سے ضرور پڑھیں تاکہ گنہگار ہونے سے بچ جائیں۔ حضور مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا مذہب حنفی میں ہرگز جائز نہیں مگر عوام پڑھتے ہیں اور منع کرنے سے باز نہ آئیں گے فتنہ برپا کریں گے تو ان کا اتنا ہی کہنا ہوگا کہ بھائیو ظہر کی چار رکعت بھی پڑھو کہ تم پر ظہر ہی فرض ہے جمعہ پڑھنے سے تمہارے ذمہ سے وہ ظہر ساقط نہ ہوئی، وہ فرض بھی ظہر جماعت ہی سے پڑھنے کو کہا جائے کہ بے عذر ترک جماعت گناہ ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ حصہ سوم ص ۱۸)

اور اعلیٰ حضرت پھر اسی فتویٰ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: باآنکہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں، یہ دوسری شناعت ہے مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روا نہ رکھا، (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۴) لہٰذا اس شناعت سے بچنے کے لئے ظہر کی نماز الگ الگ نہ پڑھیں بلکہ جماعت ہی سے پڑھیں، خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے فتویٰ سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ دیہات میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے نہ پڑھیں بلکہ یہ ثابت ہے کہ بنام جمعہ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد بھی ظہر کی نماز جماعت سے ضرور پڑھیں ورنہ گنہگار ہوں گے اور یہی بات حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کی تحریر مذکور میں واضح طور پر مرقوم ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از صغیر احمد مستری، بہادر پور بازار، بستی

زید جو دیوبندی ہے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تحفہ میں بادشاہ نے جس باندی کو دیا تھا اس سے جناب ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کہ زید یہ مانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں بادشاہ نے جس عورت کو دیا تھا وہ باندی تھی تو پھر وہ کیوں کہتا ہے کہ حضور نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اس لئے کہ جب بادشاہ نے اسے حضور کو دے دیا تو وہ باندی حضور کی ہو گئی اور اسلام میں اپنی باندی سے نکاح کرنا حرام و ناجائز ہے جیسا کہ حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”حرم

نکاح المولی امۃ" یعنی مالک کا اپنی باندی سے نکاح کرنا حرام ہے، (درمختار مع شامی جلد دوم ص ۲۸۸) اور ملک العلماء امام علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لا یجوز للرجل ان یتزوج بجاریتہ یعنی کسی مرد کو اپنی باندی سے شادی کرنا جائز نہیں، (بدائع الصنائع جلد دوم ص ۲۷۲) بلکہ اگر کسی نے دوسرے کی باندی سے شادی کی پھر اس کے مالک نے وہی باندی اس کے شوہر کو دے دی یا اور کسی طرح سے شوہر اس کے کل یا بعض حصہ کا مالک ہو گیا تو نکاح فوراً باطل ہو جائے گا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ جلد اوّل ص ۳۰۰ پر ہے: اذا اعترض ملک الیمین علی النکاح یبطل النکاح بان ملک احد الزوجین صاحبہ او شقصامنہ کذا فی البدائع ھ لہٰذا جب کہ اپنی باندی سے نکاح کرنا حرام و نا جائز ہے، بلکہ اگر دوسرے کی باندی سے نکاح کیا تو شوہر کی ملکیت میں آنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، پھر زید کا یہ کہنا کہ بادشاہ کی دی ہوئی باندی سے حضور نے نکاح نہیں کیا تھا، عوام جو یہ مسئلہ نہیں جانتے صرف ان کو بھڑکانے کے لئے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لئے ہے، اگر ایسا خیال میں اس کا نہ ہوتا تو صرف اتنا کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں بادشاہ نے جس باندی کو دیا تھا، جناب ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ علمائے اہلسنت کہتے اور لکھتے ہیں، بہر حال زید دشمن رسول ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں اور اس کو اپنے قریب نہ آنے دیں ورنہ وہ لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور انہیں فتنہ میں ڈال دے گا، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے، "ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم" (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸) ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از مولانا فخر الحسن نظامی اوجھا گنجوی مدرسہ غریب نواز شانتی نگر، بھیونڈی

زید اپنے وطن ضلع بستی سے بھیونڈی اس نیت سے گیا کہ پندرہ دن کے اندر اندر ہی اپنے وطن واپس آجاؤں گا، تو قیام بھیونڈی کے زمانہ میں وہ شرعاً مسافر ہے یا نہیں؟ اور اس پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا! توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ پندرہ دن کے اندر ہی واپس آنے کی نیت سے زید بھیونڈی گیا ہے تو وہاں کے زمانہ قیام میں وہ شرعاً مسافر ہے اور اس حال میں اس پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے، تنویر الابصار میں ہے: "فلا تجب علی مریض ومقعد وزمن"۔ درمختار میں ہے: وارادۃ سفر، حضرت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: قولہ وارادۃ سفر، ای واقیمت الصلوٰۃ ویخشی ان تفوتہ القافلہ بحر، واما السفر نفسہ فلیس بعذر کما فی القنیۃ (ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۷۴ مطبوعہ نعمانیہ) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: قولہ فلیس بعذر کما فی القنیۃ اقول لکن فی عمدۃ القاری باب فضل الجماعۃ اخرج ۲ ص ۶۹۰ ان الجماعۃ لا تتاکد فی حق المسافر لوجود المشقۃ اھ وان حمل ھٰذا علی الفرار

وذلك علی القرار حصل التوفیق (جد الممتار در جلد اول ص ۷۵-۲۶۴) ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از- ادبین محمد صدیق محمد عبدالواحد ڈین ہاگ نیدرلینڈ

بکر خزانچی نے مسجد کے پیسوں سے اپنا ذاتی کاروبار شروع کردیا اور مسجد کے نام پر کاروبار کرتے ہوئے حکومت کا ٹیکس بھی ادا نہ کیا مسجد کے دیگر اراکین کو اس بات کا علم اس وقت ہوا جب حکومت کی طرف سے مسجد کے نام مبلغ بیس ہزار گلڈرز کا بل آیا اور ساتھ ہی بل وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں مسجد کی عمارت کو نیلام کردینے کی دھمکی کا خط بھی، تو بکر خزانچی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسجد کے مال سے اپنا کاروبار کرنا حرام وناجائز ہے، مسجد کے پیسوں سے اپنا ذاتی کاروبار مسجد کے نام پر کرنا اور پھر حکومت کا ٹیکس ادا نہ کرکے اسے نیلام کی حد تک پہنچا دینا حرام، حرام سخت حرام ہے، لہٰذا بکر خزانچی نے اگر واقعی ایسا کیا تو وہ ظالم جفا کار سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہے، تاوقتیکہ مسجد کے نام کا ٹیکس بیس ہزار گلڈرز ادا نہ کرے، سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے قطع تعلق کریں، اس کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام بند کریں، قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷، ع ۱۴) جو مسلمان ایسا نہیں کرے گا اسے فاسق کی طرح عذاب ہوگا، قال اللہ تعالٰی: كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۷۹) ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: مولانا ظفر الحسن خاں چوروا گنیس پور، بستی

آغا دریا خاں مرحوم نے ستر سال پہلے اپنی زمین پر مسجد بنائی اور خود زندگی بھر اس کے متولی رہے، ان کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے عبدالحمید خاں اس مسجد کے متولی رہے، پھر عبدالحمید خاں کے فوت ہو جانے پر ان لڑکے عبدالوحید خاں متولی ہوئے مگر کچھ دنوں پہلے بعض لوگوں نے عبدالوحید خاں کی بجائے ایک دوسرے شخص کو اس مسجد کا متولی قرار دیا دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب واقف کے خاندان والے موجود ہیں اور اہلیت بھی رکھتے ہیں تو ان کو متولی رہنے کا حق ہے یا دوسرے خاندان کے آدمی کو متولی بننے کا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر واقف کے خاندان والے موجود ہوں اور اہلیت بھی رکھتے ہوں تو دوسرے کو متولی نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ حضرت علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: مادام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لا

یجعل المتولی من الاجنب یعنی واقف کے خاندان میں کوئی اگر متولی بنائے جانے کی اہلیت رکھتا ہے تو دوسرے کو متولی نہیں بنایا جائے گا۔ (درمختار مع شامی جلد سوم مطبوعہ نعمانیہ دیوبند ص ۴۱۱)

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ولا یجعل القیم من الاجنب ما وجد فی ولد الواقف واھل بیتہ من یصلح لذلک فان لم یجد فیھم من یصلح لذلک فجعل الی اجنبی ثم صار فیھم من یصلح لہ صرفہ الیہ یعنی دوسرے لوگوں کو متولی نہیں مقرر کیا جائے گا، جب تک کہ واقف کی اولاد اور اس کے خاندان والوں میں سے کوئی شخص ایسا ملے جو متولی بنائے جانے کی اہلیت رکھتا ہو اگر کوئی ان میں سے اس کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دوسرے کو متولی مقرر کر دیا گیا، پھر کوئی ان میں تولیت کے لائق ہو گیا تو اس کی طرف تولیت منتقل کر دی جائے گی۔

(ردالمحتار جلد سوم مطبوعہ نعمانیہ ص ۴۱۱)

اور فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ مصر ص ۴۰۹ میں ہے: وفی الاصل الحاکر لا یجعل القیم من الاجنب مادام من اھل بیت الواقف من یصلح لذلک وان لم یجدمنھم من یصلح ونصب غیرھم ثم وجدمنھم من یصلح صرفہ عنہ الی اھل بیت الواقف اھ۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانیؒ کی کتاب مبسوط میں ہے کہ جب واقف کے خاندان والے موجود ہوں اور اہل بیت بھی رکھتے ہوں تو حاکم دوسرے کو متولی بنائے اور اگر ان میں کوئی متولی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو دوسرے کو متولی کر دیا گیا پھر ان میں کوئی اس کے لائق ہو گیا تو حاکم اس کی طرف تولیت منتقل کر دے۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ جلد ثالث مع ہندیہ ص ۲۳۰ میں بھی ہے، لہٰذا جب عبدالوحید خاں واقف کے خاندان سے ہے اور تولیت کی اہلیت بھی رکھتا ہے تو وہی متولی رہنے کا حقدار ہے اس کی تولیت کو ختم کر کے دوسرے کو متولی بنانا غلط سراسر اسلامی قانون کے خلاف اور ظلم وزیادتی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ الم واحکم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از شفیق اللہ سیٹھ دکان نمبر ۷ غفور خاں اسٹیٹ کرلا بمبئی ۷۰ مہاراشٹر

حاجی زین اللہ صاحب کا ۱۷ ادسمبر ۱۹۹۱ء کو انتقال ہوا تو ان کے چالیسواں میں عزیز و اقارب، دوست واحباب اور سیٹھوں کو کھانے کی دعوت دی گئی، اس پر کچھ لوگوں نے کہا یہ جائز نہیں ہے تو اسی موقع پر میلاد شریف کی محفل میں ایک مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ چالیسواں کا کھانا جائز ہے، اگر کوئی ناجائز ثابت کر دے تو میں اپنی پگڑی اتار کر رکھ دوں، سوال یہ ہے کہ لوگوں کا کہنا صحیح ہے، یا مولانا صاحب کا بیان صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت ناجائز اور بدعت قبیحہ ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام علیہ الرحمہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام اھل البیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ یعنی میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ناجائز ہے کہ شرع نے دعوت خوشی میں رکھی

ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعت قبیحہ ہے (فتح القدیر جلد دوم ص۱۰۲) اور مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۹ پر حضرت علامہ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ سوم، دہم اور چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے (نہ کہ دعوت دے کر انہیں کھلانا جائے اور) برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے، کما فی مجمع البرکات، موت میں دعوت ناجائز ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۲۳۲) اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ (یعنی دسواں، بیسواں اور چالیسواں وغیرہ) کے دن دعوت کریں تو ناجائز و بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم کے وقت، اور اگر فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۶۴)

اور جب میت والوں کی طرف سے تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کی دعوت ناجائز ہے تو ایسی دعوت کا قبول کرنا بھی ناجائز ہے، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پ۶ سورۂ مائدہ آیت نمبر۲) لہٰذا مولانا کا صرف یہ بیان کرنا کہ چالیسواں کا کھانا جائز ہے، اور اس کی دعوت کے ناجائز ہونے کے بیان سے لوگ یہی سمجھیں گے کہ چالیسواں میں کھانے کی دعوت جیسا کہ عام طور پر رائج ہے جائز ہے، حالانکہ وہ ناجائز اور بدعت سیئہ ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جلت عظمتہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد العزیز، مقام و پوسٹ کسورا بازار، بستی

بکر کی لڑکی ہندہ کا عمرو کے لڑکے زید سے ناجائز تعلق کی بنیاد پر ہندہ کو ناجائز بچہ پیدا ہوا، جس کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی اور زخمی کر کے پھینک دیا گیا لڑکے کو ایک شخص اٹھا لایا اور وہ بچہ تین دن زندہ رہا پھر انتقال کر گیا، ایسی صورت میں ہندہ اور زید کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز جس نے بچے کو مار ڈالنے کی کوشش کی اور زخمی کر کے پھینکا اس کیلئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ نیز زید اور ہندہ دونوں اگر نکاح کرنے پر راضی ہوں تو اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زید و ہندہ اور وہ شخص جس نے بچہ کو مار ڈالنے کی کوشش کی تینوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے، اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ان لوگوں کو بہت کڑی سزا دی جاتی موجودہ صورت میں یہ حکم ہے کہ ان سب کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے نماز کی پابندی کا ان سے عہد لیا جائے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا. یعنی جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی۔ (پ۱۹ سورۂ فرقان آیت نمبر۷۱) اور زید و ہندہ کے ماں باپ نے اگر اپنے لڑکے لڑکی کی صحیح نگرانی نہیں کی، اور ان کو آزاد رکھا تو ان لوگوں کو بھی علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور زید و ہندہ دونوں اگر نکاح پر راضی ہوں تو بہتر ہے، جس طرح نکاح ہوتے ہیں، اسی صورت

سے ان کا بھی نکاح کردیا جائے، وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: مرسلہ قاری محمد مطلوب عالم رضوی مدرس دار العلوم اہلسنت تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی۔

زید مدرسہ عربیہ اہلسنت میں علم قرأت وحفظ کا کام انجام دے رہا ہے، مدرسہ سے زید کو جو مشاہرہ ملتا ہے مشاہرہ لینے کی صورت میں زید ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں' اور یہ خدمت دین کہلائے گی یا نہیں بکر کا کہنا ہے کہ آپ نے جتنی دیر تعلیم دی مدرسہ نے اس کا مشاہرہ دیا، اس صورت میں آپ کا ثواب بالکل نہیں بنتا ہے اور اسے خدمت دین بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، جب کہ زید کی نیت تصحیح قرآن اور علم قرأت کو فروغ دینا ہے۔بینوا تو جروا۔

الجواب: جو شخص تعلیم قرآن یا تعلیم حدیث وفقہ پر اجرت لیتا ہے وہ اجیر ہے اور اجیر عامل لنفسہ ہوتا ہے، عامل للہ نہیں ہوتا اور جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو اس پر ثواب نہیں ملتا، بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے: ''انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی'' اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ ربہ القوی اس سوال کے جواب میں کہ امام کا تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں: جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے'' (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۱۷۷) پھر اسی صفحہ پر ایک سطر بعد اس سوال کے جواب میں کہ تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ اور احادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں: ''جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر کچھ ثواب نہیں'' اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''اذان کہنے پر احادیث میں جو ثواب ارشاد ہوئے وہ انہیں کے لئے ہیں جو اجرت نہیں لیتے خالصاً اللہ عزوجل اس خدمات کو انجام دیتے ہیں ہاں اگر لوگ بطور خود مؤذن کو صاحب حاجت سمجھ کر دے دیں تو یہ بالاتفاق جائز بلکہ بہتر ہے اور یہ اجرت نہیں (غنیہ) جبکہ المعہود کالمشروط کی حد تک نہ پہنچ جائے (رضا)...... لہٰذا اگر چہ زید کا یہ دعویٰ ہو کہ ہم تصحیح قرآن اور علم قرأت کو فروغ دینے کی نیت سے پڑھاتے ہیں اور خدمت دین کرتے ہیں مگر جب کہ وہ کام فی سبیل اللہ نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر اجرت ومشاہرہ لیتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق نہیں، ہاں مدرسہ والوں نے تعلیم کا جو مقرر کیا ہے، اس کے علاوہ ہیں اگر خالصاً لوجہ اللہ پڑھائے گا تو ضرور ثواب کا مستحق ہوگا۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد العزیز نوری مکان نمبر ۱۰ اہاتھی پالا اندور (ایم پی)

بخدمت فقیہ ملت حضرت مفتی صاحب قبلہ! عرض یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت حاصل کرنے کے لئے خط وغیرہ کے شروع میں ۷۸۶ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور عام طور سے یہ مشہور ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ۱۹ حروف ہیں، لیکن رسالہ

خاتون مشرق شمارہ نومبر ۹۶ء میں کلمہ جلالت اللہ میں ہ سے پہلے الف اور کلمہ الرحمٰن میں نون سے پہلے الف مان کر اکیس حروف لکھے ہیں جن کے عدد ۷۸۸ تحریر ہیں، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ۷۸۶ اہل ہنود کے بھگوان ہرے کرشنا کے نام کے اعداد ہیں لہٰذا ۷۸۶ لکھنا بولنا شرک وبدعت ہے اس مضمون نے لوگوں میں بڑا خلجان پیدا کر دیا ہے، آپ اسے دور فرمائیں، انتہائی کرم ہو گا۔

الجواب: خط وغیرہ کی ابتداء میں تبرکاً بسم اللہ الرحمٰن کے حروف کے اعداد ۷۸۶ لکھنا جائز ہے، اس لئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کی لکیریں جن معانی پر دلالت کرتی ہیں ۷۸۶ کی لکیریں بھی ان معانی کو ظاہر کرتی ہیں لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کی آیت ہے اور ۷۸۶ آیت نہیں ہے تو قرآن مجید کی آیت کو بے ادبی سے بچانے کیلئے ۷۸۶ لکھنے کی ابتداء ہوئی، پھر جہاں سے ادبی کا اندیشہ نہیں ہے وہاں بھی اسی گنتی کا لکھنا رائج ہو گیا۔

اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انیس ہی حروف ہیں، کلمہ جلالت اللہ میں لا سے پہلے اور الرحمٰن الرحیم میں نون سے پہلے الف مان کر اکیس حروف بتانا غلط ہے، اس لئے کہ کھڑا زبر الف کی طرح پڑھا تو جاتا ہے مگر وہ الف نہیں ہوا کرتا، لہٰذا اس کا عدد جوڑ کر ۷۸۶ کی بجائے ۷۸۸ لکھنا صحیح نہیں، بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی لکھنوی علیہ الرحمۃ والرضوان (المتوفی ۱۲۲۵ھ) اپنے رسالہ رسم القرآن میں تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کے کلمات اللہ الرحمٰن اور العالمین کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”در ہمہ قرآن بے الف اند“ اور سورۂ بقرہ کے ابتدائی کلمات ذٰلک الکتٰب کے متعلق لکھتے ہیں ”بے الف اند“ اور سورۂ نمل آیت نمبر ۳۰ خاص کر بسم اللہ الرحمٰن کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں کہ ”الرحمٰن بے الف“۔

ان شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ کھڑا زبر الف کے برابر پڑھا جاتا ہے لیکن وہ الف نہیں ہوتا، لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں کلمۂ جلالت اللہ اور الرحمٰن میں کھڑے زبر کو الف مان کر اس کے اکیس حروف ٹھہرانا اور اس کے اعداد کو ۷۸۸ قرار دینا سراسر غلط ہے۔

اور دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے مترجم قرآن مجید (مطبوعہ تاج آفس بمبئی) کے مقدمہ میں ص ۵ پر لکھا ہے کہ رحمٰن اور اسحٰق میں کھڑا زبر کو الف کے برابر پڑھنا ضروری ہے...... اس عبارت سے بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے نزدیک کھڑا زبر الف کے برابر پڑھا جاتا ہے لیکن وہ الف نہیں ہوتا۔

اور اہل ہنود کے بھگوان ہرے کرشنا کا عدد بھی ۷۸۶ ہے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے: ”انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری ما نوی“ یعنی اعمال کے ثواب کا مدار نیتوں پر ہی ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی لہٰذا جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نیت سے ۷۸۶ لکھے گا وہ ثواب وبرکت کا مستحق ہوگا اور جو ہرے کرشنا کی نیت سے لکھے گا وہ کفر میں مبتلا ہوگا، حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”من صلی یرائی فقد اشرک“ یعنی جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی تو اس نے شرک کیا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۵)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھے گا تو ثواب پائے گا اور دکھاوے کے لئے پڑھے گا تو ثواب پانے کی بجائے شرک خفی میں مبتلا ہوگا۔

غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھنے والا جو کام کرتا ہے وہی دکھاوے کے لئے نماز پڑھنے والا بھی کرتا ہے مگر دونوں کی نیتیں الگ الگ ہیں تو ایک ثواب پاتا ہے اور دوسرا گنہگار ہوتا ہے اور جو شخص کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوکر اللہ کو سجدہ کرتا ہے وہ ثواب پاتا ہے اور جو کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ کفر میں مبتلا ہوتا ہے جیسا کہ دُرِّ مختار ردالمختار جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۸۶ میں ہے: ''یعنی کام دونوں کا ایک ہے مگر نیتوں میں فرق ہے تو ایک مستحق ثواب ہے اور دوسرا مستحق عذاب''۔

اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نیت سے لکھنے والے اور ہرے کرشنا کی نیت سے اس عدد کو تحریر کرنے والے دونوں کا کام ایک ہی ہے مگر پہلے کی نیت اچھی ہے تو وہ مستحق ثواب ہے اور دوسرے کی نیت کفری ہے تو وہ مستحق عذاب ہے۔

اور جب مسلمان ۷۸۶ لکھے تو اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی کا عدد لکھنے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اسے زبردستی ہرے کرشنا کا عدد قرار دیا جائے گا اس لئے کہ وہ گناہ کبیرہ ہے اور بلا تحقیق مسلمانوں پر گناہ کبیرہ کا الزام لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ (احیاء العلوم امام غزالی)

رسالہ خاتون مشرق کے مضمون میں وہابی نے لکھا ہے کہ ۷۸۶ لکھنا شرک و بدعت ہے تو مولوی اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید مترجم مذکور کے مقدمہ میں ص ۹ سے ص ۱۱ تک سورۂ یٰسین، سورۂ رحمٰن اور سورۂ اخلاص وغیرہ کی کل گیارہ تعویذیں لکھی ہیں جن کی پیشانیوں پر ۷۸۶ لکھا ہے، تو وہابی کی تحریر کے مطابق مولوی اشرف علی تھانوی نے مسلسل شرک کا ارتکاب کیا ہے ...... اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ'' یعنی اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ (پ ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۴۸، نمبر ۱۱۶) لہٰذا وہابی کی تحریر سے ثابت ہوا کہ شرک کے ارتکاب کے سبب مولوی اشرف علی تھانوی کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔

اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ'' یعنی شیطان سرکش جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی (پ ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱۷، نمبر ۱۱۸) اس آیت کریمہ کا عدد ۸۴۷ ہے اور حاجی قاسم صاحب نانوتوی کا بھی عدد ۸۴۷ ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ، یعنی ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہوگئے (پ ۱۰ سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۴) اس آیت مبارکہ کا عدد ۱۲۶۴ ہے اور اشرف علی تھانوی کا عدد بھی ۱۲۶۴ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے، اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ، یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بیشک وہ مجرم تھے (پ ۲۵ سورۂ دخان آیت نمبر ۳۷) اس آیت کا عدد ۶۶۸ ہے اور رشید احمد گنگوہی کا عدد بھی بحر یجہ ۶۶۸ ہے اب وہابی دیوبندی بتائیں کہ ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ڈاکٹر سید عبدالباسط صاحب حسینی، سوار، سرینگر، کشمیر

۱۔ کسی مرد یا زن یا لڑکے یا لڑکی کے انتقال پر اس کے گھر میں اقارب اور دوسرے رشتہ داروں کا اجتماع ہوتا ہے شریعت مطہرہ میں اہل تعزیت جن کے لئے پڑوسی یا دوسرے رشتہ دار یا دوست طعام وغیرہ کا بندوبست کریں اصل میں میت کے کون کون سے رشتہ دار ہیں؟ کیا میت کی چاچی، ممانی، پھوپھا، بہنوئی، داماد، چچا زاد بھائی بہن اور ان کی اولاد، پھوپھی زاد بہن اور ان کی اولاد، ممیرے بھائی بہن اور ان کی اولاد، خالہ زاد بھائی بہن اور ان کی اولاد، ان سب کے گھریلو نوکر چاکر، بہن یا بیٹی شادی شدہ کی ساس یا میت کے قریبی دوست ان کی ماں اور بہنیں اور بیویاں بھی اہل تعزیت میں شمار ہوتے ہیں؟

۲۔ تعزیت پرسی کے لئے آنے والوں کے لئے میت کے گھر تین دن تک کھانا پینا شرعاً منع ہے، لیکن یہاں رواج ہے کہ میت کے رشتہ داروں میں سے کوئی یا بہو کے گھر والے یا پڑوسی ان تین دن تک تعزیت کو آنے والوں کے لئے چائے پانی یا طعام کا اہتمام کرتے ہیں اور اہل تعزیت کو خصوصاً اور اس کے رشتہ داروں اور دیگر تعزیت کے لئے آنے والوں کو عموماً کھلاتے پلاتے ہیں (یہ اہتمام اہل میت کے لئے اخلاقی طور پر ذمہ رہتا ہے تاکہ جب آج کے مہتمم پر ایسا کوئی سانحہ وارد ہو تو اس وقت یہ اس کا بدلہ چکا دے) ایک بات توجہ طلب ہے کہ تعزیت کرنے والوں میں ایسے رشتہ دار اور احباب بھی ہوتے ہیں جو دور گاؤں اور شہروں سے سفر کر کے تھک ہار کے آتے ہیں اور بعض اوقات رات کو میت کے گھر رکنے کے لئے مجبور بھی ہوتے ہیں، اوّل یا دوسرے یا تیسرے دن کے لئے مہتمم سب کیلئے چائے پانی یا طعام حاضر رکھتے ہیں تعزیت کرنے والوں میں سے صرف چند لوگ ہی کچھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں اکثر لوگ کھانے پینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، کیا اس طریقے میں شریعت مطہرہ کچھ اصلاح لازم کرتی ہے؟ اگر اصلاح لازم ہے تو وضاحت فرمائیں؟

۳۔ اہل تعزیت میں سے میت کے پسماندگان میں سے کوئی (جیسے بیٹا، یا بھائی یا باپ یا بیوہ) چہارم کے روز تین طرح کی مجلسوں کے لئے چائے پانی کا انتظام کرتے ہیں۔

(الف) روز چہارم چاشت ہی سے عورتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے خوب گپ شپ، غیبت اور نمائش حسن و جمال ہوتی ہے جب کہ میت کے قریبی رشتہ دار عورتیں چلا کر رونے، سینہ کوبی کرنے، بال نوچنے یا نوحہ خوانی کرنے میں مصروف ہوتی ہیں، اس مجلس کے لئے دودھ والا قہوہ اور قلچے اور کبھی کبھی حلوے سے بھری روٹیاں بھی پیش کی جاتی ہیں، عورتیں سوگ کے دنوں میں بھی حاضری دیتی ہے اور بعض تو ہر روز شمولیت کرتی ہیں۔

(ب) اس دور کے ساتھ ساتھ یا اس کے بعد مرد حضرات مقررہ وقت پر جو ایک دو روز پہلے ہی اخباروں میں مشتہر کیا جاتا ہے، میت نو گزشتہ کی قبر پر جمع ہو جاتے ہیں، امام صاحب یا کوئی مولوی صاحب اجتماعی فاتحہ خوانی کی پیشوائی کرتے ہیں عموماً حاضرین بھی پیشوا کے ساتھ جہر سے پڑھتے ہیں اس کے بعد قبرستان سے رخصت ہوتے وقت اہل میت کی طرف

سے کوئی شخص منادی کرتا ہے کہ "صاحب تعزیت کی طرف سے ان کے گھر پر جمع ہونے کا سوال ہے" پھر اکثر لوگ صاحب تعزیت کے گھر پہنچتے ہیں اور وہاں نمکین چائے اور تنور کی بڑی روٹیاں کھا کر رخصت ہوتے ہیں بعض اہل میت گرمیوں میں چائے کے بدلے شربت کا انتظام کرتے ہیں، اور بعض یہ شربت قبرستان ہی پر پلاتے ہیں کچھ اہل میت چائے شربت وغیرہا کا یہ انتظام سماجی رسم سمجھ کر کرتے ہیں تو کچھ میت کے حق میں نفل صدقہ جان کر، تا کہ ان کی میت کی روح کو اطمینان نصیب ہو، چاہے رسم جان کر یا کار ثواب جان کر، چاہتے ہوئے یا بادل ناخواستہ ہر اہل میت کو یہ دستور کے مطابق کرنا ہی پڑتا ہے، چاہے اس کے لئے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے، یا پھر وہابی بن کر اس سے بچتا ہے، اگر اہل میت یا خود میت کی تھوڑی، بہت سماجی حیثیت بھی ہو تو بزرگ دوستوں میں سے یہ تنظیموں اور انجمنوں یا محلہ کمیٹی کی طرف سے کچھ لوگ تقریر کرتے ہیں جن میں میت کا ذکر خیر بھی ہوتا ہے اور اہل میت سے اظہار ہمدردی وغیرہ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خدمت دین کے جذبے کے تحت خوش عقیدگی اور سوم، چہارم و چہلم وغیرہ میں ربط ظاہر کرنے کی غرض سے نعت خوانی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نعت پڑھتے ہیں جبکہ حاضرین چائے نوشی کرتے ہیں، تعزیت نامے خوبصورتی سے لکھوائے اور فریم کروائے ہوئے پڑھے جاتے ہیں اور پھر اہل میت کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں جو انہیں بطور یادگار اپنے کمروں کے طاقچوں یا الماریوں میں سجاتے ہیں یا دیواروں پر آویزاں کرتے ہیں۔

(ج) اس کے بعد اکثر اسی روز پندرہویں دن یا چہلم کے دن شام کو یا دن کو ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں رشتہ داروں پڑوسیوں اور دوستوں کو مدعو کیا جاتا ہے قرآن خوانی کے لئے مسجد کے امام صاحب اور پیشہ ور ملاؤں کو بلایا جاتا ہے، قرآن خوانی کے علاوہ ختمات المعظمات، درودنجات، درود وسلام پڑھے جاتے ہیں، نعت خوانی بھی ہوتی ہے، منقبت بھی پڑھے جاتے ہیں اس کے بعد پر تکلف طعام پیش کیا جاتا ہے، پھر صاحب خانہ ان پیشہ ور لوگوں کو نقد ہدیہ ادا کرتا ہے، اور مجلس اختتام پذیر ہوتی ہے۔ کیا چہارم چہلم وغیرہ کے دن ایصال ثواب اور دعوت کا یہ طریقہ شریعت مطہرہ کے مطابق درست ہے یا اس میں اصلاح کی بھی گنجائش ہے، یا اصلاح لازم ہے، اور مدعوین کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر کوئی ان سے کہہ دے کہ طعام میت اغنیاء کو کھانا جائز نہیں تو برا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ تبرک کو ٹھکراتے ہیں اور بدعقیدہ گردانتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: ا۔ حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصنعوا لال جعفر طعاما فقد اتاھم ما یشغلھم"، یعنی جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو اس لئے کہ ان کو وہ مصیبت پہنچی ہے جو انہیں کھانا بنانے سے روک رکھے گی (مشکوۃ ص ۱۵۱) اس حدیث شریف میں آل جعفر کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور آل کے معنی میں فرزندان واہل خانہ (غیاث اللغات) لہٰذا پڑوسی، رشتہ دار یا دوست واحباب میت کے لڑکوں اور اس کے گھر والوں کے

لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے دو وقت کھا سکیں اور ان رشتہ داروں کے لئے بھی کہ جو بعد دفن اپنے وطن یا کسی دوسرے رشتہ دار کے یہاں نہیں جا پائیں گے، اہل خانہ میں چاچی، ممانی، پھوپھا دادا اور چچازاد بھائی وغیرہ الخ نہیں کہ انہیں اہل تعزیت میں شمار کیا جائے البتہ جن لوگوں کا کھانا میت کے گھر والوں کے لئے کھانے کے ساتھ موت سے پہلے بھی پکتا تھا ان کا بھی کھانا میت کے گھر پہنچا نا جائے گا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے، اس میلے کے لئے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں (جو مت کے گھر ہوتا ہے)

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۴۰)

اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تعزیت کے لئے اکثر عورتیں، رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روٹی پیٹتی نوحہ کرتی ہیں انہیں کھانا نہ دیا جائے گا کہ گناہ پر مدد کرنا ہے اور میت کے گھر والوں کو جو کھانا بھیجا جاتا ہے، یہ کھانا صرف گھر والے کھائیں اور انہیں کے لائق بھیجا جائے زیادہ نہیں، اوروں کا کھانا منع ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۶۹)۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- تعزیت کرنے والوں میں سے جو لوگ مہتمم کے یہاں کچھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں بہتر ہے، سب تعزیت کرنے والوں کو یہی چاہیے اور اہل میت کو چاہیے وہ حدیث شریف کے مطابق صرف پہلے دن پڑوسی یا رشتہ داروں کا کھانا قبول کریں، دوسرے دن سے اپنے ہی گھر پکائیں کھائیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) الف- میت کے گھر عورتوں کا جمع ہو کر چلا کے رونا سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا یا نوحہ خوانی کرنا سب حرام و ناجائز ہے، اس مجمع کے لئے قہوے وقلیے وغیرہ کا اہتمام کرنا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آنسو آنکھ سے ہو اور غم سے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کی رحمت کا حصہ ہے۔ وما کان من الیدومن اللسان فمن الشیطان۔ یعنی غم کا جو اظہار ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (مشکوۃ شریف ۱۵۲) اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں، افعال منکرہ کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الی غیر ذلک، اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو ناجائز مجمع کے لئے ناجائز تر ہوگا اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لئے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں، اور بار ہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں، اللہ عزوجل مسلمانوں کی توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہے ترک کردیں، اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں اھ، ملخصاً

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۴۰)

(ب) میت کی قبر پر جمع ہو کر اجتماعی طور پر فاتحہ خوانی میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر اس کے لئے اخباروں میں اعلان نہ کیا جائے بلکہ وقت پر محلہ کی مسجد کے امام اور چند مخصوص لوگوں کو لے کر گھر والے قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جائیں، فاتحہ خوانی کے پیشوا اگر قرآن مجید بلند آواز سے پڑھیں تو سب اسے سنیں اور چپ رہیں کہ قرآن کا سننا فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھ جائے تو اسے سنو اور چپ رہو (پ۹ سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۰۴) اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۸۳ میں ہے: یجب الاستماع للقراء مطلقا لان العبرۃ لعموم اللفظ ؟ اور حضرت صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں: مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھیں یہ حرام ہے"۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۰۴) لہٰذا یا تو سب لوگ قرآن مجید آہستہ پڑھیں اور یا تو کوئی بلند آواز سے پڑھے اور باقی لوگ اسے غور سے سنیں اور یہ آخری صورت بہتر ہے اسکے لئے قرآن مجید پڑھنے سے اس کا سننا افضل ہے کہ خارج نماز قرآن مجید پڑھنا فرض نہیں مگر سننا فرض ہے، اور فرض غیر فرض سے افضل ہوتا ہے، حضرت علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: استماع القرآن افضل من تلاوتہ (غنیہ ص ۴۶۵) اور کثیر مجمع کا فاتحہ خوانی کی واپسی میں میت کے گھر کھانا پینا غلط ہے کہ غمزدہ کو اس کے اہتمام کی تکلیف دینا ہے جس کی اجازت شریعت ہرگز نہیں دے سکتی اور جو مجمع کہ چائے نوشی میں مصروف ہو اس کے سامنے نعت شریف پڑھنا خلاف ادب ہے اس سے احتراز چاہیے، اور فاتحہ خوانی کی واپسی میں میت کے گھر کھانے پینے کی مخالفت کرنے والوں کو وہابی کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور کہنے والا گمراہ ہے، اس پر توبہ لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(ج) میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرانا بہتر ہے جب کہ بلا معاوضہ ہو کہ عوض لے کر اور دے کر قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے میں کوئی ثواب نہیں، ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم دہم ص ۱۳۹ اور شامی جلد پنجم ص ۳۵ پر ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ معاوضہ طے ہو یا المعروف کالمشروط ہو اور اسی شرط کے ساتھ ختمات العظمات، درود نجات اور درود وسلام پڑھنے میں بھی ثواب ہے نعت خوانی بھی بہتر ہے، اور جھوٹی منقبت حرام و ناجائز ہے، رہا میت کے گھر والوں کا رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دے کر کھلانا تو یہ بدعت قبیحہ اور ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ سوم، دہم اور چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے (نہ کہ دعوت دے کر انہیں کھلایا جائے اور) برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے (کمافی مجمع البرکات) موت میں دعوت ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۲۲) اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن عورت کریں تو ناجائز و بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم کے وقت اور فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے (یعنی بلا دعوت) (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۶۹) اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۷ میں ہے: لا یباح اتخاذ الضیافۃ منذ ثلاثہ ایام کذافی التتار خانیہ، اور شامی جلد اوّل ص ۶۲۹ اور فتح القدیر جلد دوم ص

۱۰۲ میں ہے: یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی الشرور لا فی السرور وھی بدعۃ مستقبحۃ، ان عربی عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے پینے کی دعوت ناجائز ہے اور بدعت قبیحہ ہے اور جب ایسی دعوت ناجائز ہے تو اس کا قبول کرنا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شریعت پر عمل کریں اور رسم ورواج ونام ونمود کو چھوڑ دیں کہ ان میں کوئی ثواب نہیں، اور اگر واقعی گھر والے میت کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں، تو طالب علم دین کو براہ راستہ پہنچائیں اور یا ان کو وظیفہ کے لئے مدرسہ والوں کو بھیج دیں کہ ایک کے بدلے کم سے کم سات سو کا ثواب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۰۰) اور بزرگوں کے فاتحہ کا کھانا تبرک ہوا کرتا ہے، عام لوگوں کے فاتحہ کا کھانا تبرک نہیں ہوتا، اغنیاء کو اس کے کھانے سے بچنا چاہیے۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ ربہ القوی فی الجزء الرابع من الفتاویٰ الرضویۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد اشرف انجم، شاہی مسجد گھاس بازار ناسک سٹی مہاراشٹر، ہند

ایک ایسے ادارہ کا قیام عمل میں لانے کا پروگرام ہے جس میں اپنی قوم کے بچے مذہبی تہذیب وتمدن سے آراستہ وپیراستہ ہوسکیں اور مخلوط اسکولوں اور کالجوں کے لادینی تہذیب، مشرکانہ گیتوں اور ترانوں سے دور رکھا جاسکے، نیز ادارہ مذکور میں عصری تعلیم وٹیکنیکل کے ساتھ ساتھ ایسی دینی تعلیم جس میں عقائد حقہ کی صحیح معلومات اور ارکان اسلام کے مسائل صحیح سے روشناس کرایا جاسکے، عمارت ادارہ کی تعمیر میں زر کثیر کی ضرورت ہے، لہٰذا شرعاً زکوٰۃ، فطرہ، صدقات واجبہ کی تملیک کر کے ادارہ کی تعمیر میں لانا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: استفتاء کی عبارت سے ظاہر ہے کہ ادارہ مذکورہ کے قیام کا اصل مقصد دنیوی تعلیم ہے جس میں دینی تعلیم برائے نام ہوگی، لہٰذا اس کی تعمیر میں بعد تملیک بھی مال زکوٰۃ، فطرہ اور دیگر صدقات واجبہ کے خرچ کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ ان کے اصل حقدار فقراء ومساکین ہیں، مگر ضرورت شرعیہ ہو تو انہیں بعد تملیک دینی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت ہے اور ٹیکنیکل وعصری تعلیم ضرورت شرعیہ نہیں۔

لہٰذا ناسک کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اگر عصری تعلیم اور ٹیکنیکل کے لئے کالج قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے الگ سے مخصوص چندہ کریں اور حیلہ شرعی سے دین کے نام پر دنیوی کاموں میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم خرچ کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اسے غرباء ومساکین کو دیں اور اسلام وسنیت ومسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت میں صرف کریں، اہل سنت کے وہ مفتیان کرام جو مرجع فتاویٰ ہیں ان کے لئے افتاء کی کتابیں فراہم کریں، مسلک کی آواز ملک وبیرون ملک پہنچانے والے ماہنامے جو مالی پریشانیوں کے سبب بند ہوگئے انہیں جاری کرائیں اور جو موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں، ان کا ہر سال اتنا تعاون کریں کہ وہ زندہ رہیں ...... وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت، نام نہاد اسلامی جماعت اور دوسرے بدمذہب فرقے جو

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے طرح طرح کے نئے طریقے نکال رہے ہیں زکوٰۃ کی رقم ان کی روک تھام پر بعد تملیک خرچ کریں، علمائے اہلسنت خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی اللہ ربہ القوی کی تصنیفات چھپوا کر تقسیم کریں، انوار شریعت قانون شریعت اور بہار شریعت وغیرہ مراٹھی زبان میں چھپوا کر مہاراشٹر کے مسلم گھروں میں کسی طرح پہنچانے کی کوشش کریں اور زکوٰۃ کی رقم حیلہ شرعی سے دین کے نام پر دنیوی کاموں میں ہرگز خرچ نہ کریں۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلی الہ اصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

اا ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از ارشاد احمد موڑھا بازار ضلع بستی

زید اور ہندہ خالہ زاد بھائی ہیں زید مقیم حال بہار کا ہے، ہندہ مقیم حال بمبئی، زید کا ہندہ سے تعلق بچپنے سے ہے، کچھ رشتہ کی بنیاد پر کچھ ساتھ میں پڑھائی کی وجہ سے، زید کی مرضی ہے کہ ہندہ سے نکاح کر کے اسے اپنے ساتھ رکھے اور ہندہ بھی چاہتی ہے، لیکن زید کا والد اور ہندہ کی ماں رضامند نہیں ہیں اس لئے ہندہ اور زید اپنا جائے وطن چھوڑ کر ایک دیہات میں آگئے اور نکاح کرنا چاہتے ہیں ہندہ کہتی ہے کہ اس سے پہلے میرا نکاح نہیں ہوا ہے کیا اس کی بات مان کر نکاح کر دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تحقیق سے اگر ثابت ہو جائے کہ واقعی ہندہ کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تو اس کا نکاح کیا جا سکتا ہے صرف ہندہ کے بیان پر کہ اس سے پہلے میرا نکاح نہیں ہوا زید یا کسی کے ساتھ اس کا نکاح کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد ادریس مقام کوچری، ڈاکخانہ ہینسر بازار، بستی

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح احمد کے ساتھ کیا، شادی کے کچھ دنوں بعد احمد نے اپنی بیوی ہندہ کی رخصتی کا مطالبہ کیا جواباً زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی رخصتی سے وقتی طور پر انکار کیا جس پر احمد نے کہا کہ نہیں رخصت کروگے تو پچھتاؤ گے اور پھر احمد گھر سے چلا گیا تقریباً دس سال تک احمد کا کوئی پتہ نہ ہونے پر زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا دوسرے لڑکے سے نکاح کرنا چاہا، دوسرے لڑکے کے ولی نے زید سے احمد کے لاپتہ ہونے نیز نکاح کے جواز کا فتویٰ طلب کیا تو زید نے کہا کہ اس نکاح ہو جائے گا، ہم نے اس کا فتویٰ منگوایا ہے مگر فتویٰ کے تحریر دوسرے لڑکے کے ولی کو نہیں دی، اور اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح زید نے خالد سے کر دیا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح ثانی درست ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زید نے اپنی شادی شدہ لڑکی کا نکاح، طلاق یا فسخ قاضی کے بغیر فریب دے کر جو خالد سے کیا وہ نکاح درست نہ ہوا۔ لہٰذا خالد پر لازم ہے کہ وہ فوراً اس لڑکی کو اپنے سے الگ کر دے اور ناجائز نکاح کے سبب وہ اور اس کا ولی گنہگار ہوئے، دونوں علانیہ توبہ واستغفار کریں اور زید جس نے اپنی شادی شدہ لڑکی کا نکاح دوسرے سے کیا وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوا، اسے اور اس کی لڑکی کو علانیہ توبہ استغفار کرایا جائے، ان سے پابندی نماز کا عہد لیا جائے اور انہیں قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں، قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ (پ۱۹ع۴) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ محرم الحرام ۱۸ھ

مسئلہ: از عبد الباری، محمد نذیر ٹرسٹ مسجد، بنگالی پورہ بھیونڈی ضلع تھانہ، مہاراشٹر

۱- مسجد کے لئے جگہ زید نے اپنی طرف سے وقف کی، تاکہ اس کی آمدنی سے مسجد کے جملہ اخراجات آسانی سے پورا ہو سکیں، مسجد کی وقف شدہ جگہ کا ۲۵ سالہ پرانا کرایہ ۵ روپے فی کمرہ سالانہ ہے وہ آج بھی ۵ روپے سالانہ ہی ہے، جبکہ آج کے دور میں ۵ روپے کی کوئی وقعت نہیں لہٰذا کم از کم کتنا کرایہ ہونا چاہیے؟

۲- مسجد کی کچھ جگہ ایسی ہے جو کرایہ پر دی جاتی ہے جس میں بکر کو بھی مسجد کی جگہ کرایہ پر دی گئی ہے کئی سالوں سے بکر مسجد کی جگہ کا کرایہ ادا کرتا ہے اور بکر نے وقف شدہ مسجد کی جگہ پر جو مکان بنایا ہے صرف اس کے عملہ کا ہی مالک ہے، اور اس کے قبضہ میں مسجد کی جگہ ہے جس کا بکر میونسپلٹی ٹیکس وغیرہ بھی ادا کرتا ہے، لہٰذا بکر وقف شدہ مسجد کی جگہ پر جو اس کے قبضہ میں ہے جس پر اس کا مکان ہے اور صرف اپنے عملہ کا ہی مالک ہے، وہ بلڈر کے ذریعہ اس جگہ پر کئی منزلہ بلڈنگ بنانا چاہتا ہے جس میں بکر نے بلڈر سے ایک معاہدہ کیا کہ اس میں سے جو بھی نفع ہوگا بکر کو بڈلر ۴۵ فیصد دے گا اور خود ۵۵ فیصد لے گا، ایسی صورت میں وہ منافع بکر اور بلڈر کے حق میں جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں مسجد کو وہی سالانہ کرایہ ہی ملے گا، اور بکر کی عرضی پر ٹرسٹ مسجد نے اجازت نامہ دے دیا ہے، کیا ٹرسٹ مسجد از روئے شرع گنہگار تو نہیں؟ اور جو منافع ہوگا اس میں سے مسجد میں کتنا فیصد لیا جا سکتا ہے؟

۳- زید نے جو جگہ مسجد کے لئے وقف کی تھی اس میں کئی منزلہ عمارت ہے جس میں لوگ زمین ہی کا ۵ روپے فی کمرہ سالانہ کرایہ دیتے ہیں لہٰذا کئی منزلہ عمارت کا کرایہ فی کمرہ لیا جا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: ۱- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے اجارہ (یعنی کرایہ) پر

دینا کسی مملوک شیء کا بھی جائز نہیں نہ کہ وقف' ظاہر ہے ہیشگی کسی شی کو نہیں، تو معنی یہ ہوئے کہ جب تک باقی ہے اور یہ مدت بقا مجہول ہے اور جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے، اور عقد فاسد حرام ہے، اسی لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۴۴۴)

لہٰذا مسجد کی زمین جو غیر معینہ مدت کے لئے کرایہ پر دی گئی وہ ناجائز و حرام ہے، اور اس طرح کرایہ پر دینے کے سبب جو مسجد کا نقصان ہوا اس کا وبال دینے والے پر ہیں، وہ علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ اور گورنمنٹ کے قانون کے مطابق صرف گیارہ مہینے کے لئے کرایہ پر دے اور ہر گیارہ مہینے پر گرانی کے لحاظ سے کرایہ بڑھاتا رہے، اور مسجد کی زمین جس موقع پر ہے ایسے مواقع کی زمینیں آج کل اس شہر میں جتنے کرایہ پر دی جاتی ہوں اتنا ہی مسجد کی زمین کا بھی ہونا ضروری ہے۔ (وھو تعالیٰ اعلم)۔

۲- بکر کرایہ دار کو ہرگز یہ اختیار نہیں کہ وہ مسجد کی زمین کسی کو بلڈنگ بنانے کے لئے دے کہ وقف میں مالکانہ تصرف ہے، جو سخت ناجائز و حرام ہے، اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے نکال دیں اگر چہ خود واقف ہو چہ جائے کہ دیگر، در مختار میں ہے: وینزع وجوبا ولوا الواقف درد فغیرہ بالاولی غیر مامون۔ (یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف کو بدرجہ اولیٰ۔ (ترجمہ از فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۳۷۴)

لہٰذا وقف زمین سے متعلق اس طرح کا نفع بکر اور بلڈر دونوں کے لئے ناجائز و حرام ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ بکر اور بلڈر کو اس طرح کا معاملہ کرنے سے حتی الامکان روکیں، اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں، قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۷ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۸) اگر مسلمان اس معاملہ میں پہلو تہی کریں گے تو ان پر فاسقوں جیسا عذاب ہوگا، قال اللہ تعالیٰ: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۷۹) اس لئے کہ وقف کے مال کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ و مال وقف و دفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا جو کچھ محنت کریں گے مستحق اجر ہوں گے، قال اللہ تعالیٰ: لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى: اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ، (پ ۱۱ ع ۴، فتاویٰ رضویہ جلد ششم ۳۵۰) بکر کی عرضی پر وقف میں تصرف بیجا کی اجازت دینے کے سبب ٹرسٹ مسجد ضرور گنہگار ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنا اجازت نامہ واپس لے اگر وہ ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے اسے ٹرسٹ مسجد سے الگ کر دیں اور اس کی جگہ پر کسی ایسے شخص کو مقرر کریں جو مال وقف کی کما حقہ حفاظت کریں اور وقف سے اپنی ذاتی آمدنی رشوت وغیرہ کے ذریعہ نہ کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۳- مسجد کی زمین پر جوکئی منزلہ عمارت ہے، چونکہ وہ سب مسجد ہی کی زمین پر قائم ہیں اور اسی پر ان سب کا بوجھ ہے، اس لئے ہر منزلہ والوں سے کرایہ وصول کیا جائے گا۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل مجدہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از سلطان احمد رضوی کسیوٹولوی، گریڈیہہ، بہار

زید جو سند یافتہ عالم ہے، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا مرید ہے اپنے آپ کو سیّد کہتا ہے اور ایک مسجد میں امامت بھی کرتا ہے، لیکن شریعت مطہرہ کے خلاف مندرجہ ذیل حرکت کرتا ہے، جو نمبروار درج ہے، ۱- داڑھی فرنچ کٹ رکھتا ہے، ۲- اپنے گھر میں ٹی وی لگائے ہوئے ہے، ۳- اپنے گھر میں ایک کتا پالے ہوئے ہے اور اپنے ہاتھ سے کتے کو نہلاتا بھی ہے، بیمار پڑ جائے تو کتے کو ڈاکٹر کے پاس گود میں بیٹھا کر علاج کروانے لے جاتا ہے، ۴- اپنی بیوی کو برسر بازار سکوٹر پر تفریح کرواتا ہے اور اپنی بیوی کو سیلون میں لے جاکر بال کی سٹنگ کرواتا ہے، ۵- تعویذات پر موٹی رقم وصول کرتا ہے، ۶- زید کو عالم کہنے پر زید کہتا کہ مجھے عالم مت کہو مجھے نور کہو، جب کہ با صلاحیت عالم ہے، ۷- اپنے بچوں کو اہل حدیث کے مدرسہ میں تعلیم دلواتا ہے مندرجہ بالا باتوں پر کیا زید کے پیچھے نماز درست ہے؟ اور جو نمازیں پڑھ چکے ہیں وہ ہوئیں یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو عالم کہنے کا حق ہے یا نہیں؟ زید پر توبہ علانیہ لازم ہے یا نہیں؟ زید شریعت مطہرہ پر ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں نمبروار جواب سے نوازیں اور شکریہ کا موقع دیں، آپ ہی کے فتویٰ کی لوگوں میں مانگ ہے، برائے مہربانی جلد جواب سے نوازیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد قائم رہے۔

۲- دوسرے سوال کا جواب بھی عنایت فرمائیں کہ زید جو حنفی ہے سنی ہے، لیکن زید چار وقت کی نماز مسلک حنفی پر پڑھاتا ہے اور ایک وقت یعنی فجر میں دوسری رکعت رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ پڑھتا ہے اور نمازیں پوری کرتا ہے بکر جو شافعی اپنے آپ کو کہتا ہے وہ ہر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے زید جو امام ہے چند مقتدیوں کی خاطر جو شافعی کہتے ہیں فاتحہ کے بعد پوری فاتحہ سورۂ پڑھنے تک رکا رہتا ہے کیا زید کا اسی طرح سے نماز پڑھانا درست ہے؟ مفصل ومدلل قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں، اور امام شافعی کے نزدیک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱- حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے، منڈانا یک مشت اسے کم کرانا حرام ہے۔ (بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۱۹۷) اور ٹی وی دیکھنا حرام وناجائز ہے، اور بلا ضرورت کتا پالنا جائز نہیں صرف کھیتی یا باغ کی رکھوالی کے لئے جائز ہے اور بے پردہ عورت کو سر بازار تفریح کروانا حرام ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: ان الدیوث من لایغار علی امرأتہ او

محرمہ کما فی الدر المختار وھو فاسق واجب التعزیر (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۷۵) لہٰذا نام نہاد عالم میں اگر واقعی وہ باتیں پائی جاتی ہیں تو وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھ چکے ہیں ان کا دوبارہ پڑھنا واجب، اگر نہیں پڑھیں گے تو گنہگار رہیں گے، غنیتہ ص ۴۸۰ میں ہے: لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ تحریم لعدم اعتنائہ باموردینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ وعلی ما ینا فیھا بل ھو الغالب فی النظر الی فسقہ اھ، اور در مختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۰۷ میں ہے: کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ اور بے شک ایسا شخص عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور جب کہ وہ نام نہاد اہل حدیث یعنی غیر مقلد کے مدرسہ میں اپنے بچوں کو تعلیم دلواتا ہے تو اسے نوری بھی نہیں کہنا چاہیے، اس لئے کہ بدمذہب سے بچوں کو تعلیم دلانا ان کے دین وایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: انظروا عمن تاخذون دینکم (مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۳) زید پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا اور اپنے بچوں کو غیر مقلد کے مدرسہ سے اٹھالینا واجب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ حنفی مذہب میں وتر کے سوا اور نمازوں میں قنوت منع ہے، متون کا مسئلہ ہے: لا یقنت فی غیرہ۔ مگر معاذ اللہ جب کوئی بلائے عام نازل ہو جیسے طاعون ووباء وغیرہ تو امام اجل طحاوی اور امام محقق علی الاطلاق وغیرہ شراح نے فجر کی نماز میں دعا قنوت جائز رکھی ہے، (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۰۷) لہٰذا زید حنفی کو چاہیے کہ اگر بلائے عام کا نزول نہ ہو تو شافعی مقتدیوں کو خوش کرنے کیلئے فجر میں قنوت نازلہ نہ پڑھے۔ اور بکر واقعی اگر شافعی ہے تو اس کو امام کے پیچھے شافعی مذہب میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ کتاب الصلوٰۃ علی المذاھب الاربعۃ ص ۳۳۳ پر ہے: الشافعیہ قالوا ان قرأۃ الفاتحۃ فرض علی المأموم کماھی فرض علی الامام والمنفرد علی السواء اھ۔ اور اگر وہ غیر مقلد ہے مگر از راہ مکاری شافعی بنا ہوا ہے تو اسے مسجد میں آنے سے منع کر دیا جائے کہ اس سے قطع صف ہوگی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۳۵۶ میں ہے، اور حنفی امام کا چند شافعی مقتدیوں کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی خاطر اتنی مقدار چپ رہنا قلب موضوع ہے یعنی امام اس لئے ہوتا ہے کہ مقتدی اس کے تابع ہو مگر جب امام مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لئے چپ رہے گا تو امام مقتدی کے تابع ہو جائے گا کہ جب تک وہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھے امام اس کا انتظام کرے اور نماز میں امام کا مقتدی کے تابع ہونا جائز نہیں، لہٰذا شافعی مقتدیوں کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مقدار امام کا چپ رہنا جائز نہیں۔ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ص ۱۵۱ پر ہے: سکوت الامام لیقراء الموتم قلب الموضوع۔ اور اسی عبارت پر عمدۃ الرعایۃ میں ہے: ان موضوع الامام ھو ان یقتدی بہ المقتدی ویتابعہ کما ان وضع المقتدی ان یتبع امامہ فی افعالہ۔ فلو سکت الامام لغرض قرأۃ المقتدی یلزم کون الامام تابعاً للمقتدی وھذا قلب الموضوع اھ، اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک صبح کی نماز
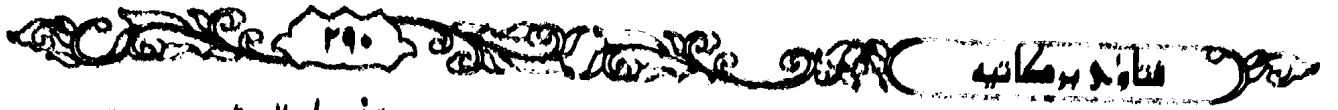
میں قنوت نازلہ پڑھنا سنت ہے، کتاب الصلوٰۃ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۵۵ پر سنن الصلوٰۃ میں ہے: القنوت فی صلوٰۃ الصبح عند المالکیۃ والشافعیۃ ا ھ. وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از مبارک حسین قادری دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو،

مسجدوں کی افتادہ زمین کو یا اس پر مکان دکان بنا کر کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ جبکہ ضرورت پڑنے مسجد کو نہ یہ زمین واپس ملتی ہے نہ مکان دکان زیادہ تر یہی ہو رہا ہے حتیٰ کہ مسلمان کرایہ دار بھی مسجد کی ضرورت پڑنے پر جگہ نہیں چھوڑتے اور نہ ہی کرایہ بڑھاتے ہیں وہی قلیل کرایہ جو عرصہ سے چلا آرہا ہے دیتے ہیں بعض تو کرایہ بھی روک لیتے ہیں بعض کرایہ دار مسجد کے متولی پر مقدمہ کر دیتے ہیں، کرایہ دار تو اپنے فائدے کے لئے خوب تگ و دو کرتا ہے پیسے بھی خرچ کرتا ہے اور متولی پریشان ہوتا ہے اپنا خرچہ کرتا ہے بعض متولی مقدمے کو نبھا نہیں پاتے کہ ان کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں مقدمہ لڑنے کے لئے قوم سے پیسہ مانگتے ہیں تو قوم پورا تعاون نہیں کرتی لہٰذا ایسی شکل میں آج کس مسجد کی جائیداد کو کرایہ پر دے کر خطرے میں ڈالنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مال وقف کی حفاظت مسلمانوں پر حتی المقدور فرض ہے، لہٰذا گورنمنٹ کے قانون کے سبب آج کل جبکہ مسجدوں کی جائیداد کے بارے میں وہ سب کچھ ہو رہا ہے، جو سوال میں درج ہے بلکہ بعض شہروں کے استفسار سے معلوم ہوا کہ کرایہ دار مسجد کی زمین کئی منزلہ بلڈنگ بنانے کے لئے بلڈر کو دے کر لاکھوں لاکھ کا فائدہ اٹھا دیتے ہیں اور مسجد کو وہی سابقہ کرایہ آٹھ دس روپیہ سالانہ یا ماہانہ دیتے ہیں اس صورت حال میں مسجد کی جائیداد کو کرایہ پر دے کر خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں کہ اس میں مال وقف کی پوری حفاظت نہیں بلکہ اس کے نقصان کا غالب گمان ہے۔ البتہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق گیارہ گیارہ ماہ کے لئے کرایہ پر دینے میں اگر وقف کی جائیداد کو نقصان پہنچنے کا غالب گمان نہ ہو تو دے سکتے ہیں، اور اگر کسی نے افتادہ زمین، مکان یا دکان کرایہ پر دینے کی شرط لگا کر مسجد کو وقف کیا ہو تو اس صورت میں کرایہ پر دینا ضروری ہے۔ لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ کذا فی الدر. ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جلت عظمتہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از ظفر الحسن خاں، چورواگنیش پور، بستی

زید مندرجہ ذیل باتیں کہتا ہے۔

قرآن بدل گیا ہے، صحابہ جنتی بھی ہیں اور جہنمی بھی، حضور نے اللہ کو دیکھا ہوگا کہ نہیں، لیکن میں نے اللہ کو دیکھا ہے، ایک بار نہیں کئی بار، حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں پاخانہ کر کے اسے گندہ کر دیا، اللہ بھگوان، ہری اوم ایک ہی ہے، قبر کے سوالوں کے جواب میں میرا نام لے لینا......تو زید کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ کسی سنی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا بعد توبہ فوراً نکاح نہیں کیا جاسکتا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" یعنی بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (پ ۱۴ سورۂ حجر آیت نمبر ۹) اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی" خدا تعالیٰ نے سارے صحابہ سے بھلائی کا وعدہ فرمایا یعنی جنت کا (پ ۲۷ ع ۱) لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ قرآن بدل دیا گیا ہے اور صحابہ جنتی بھی ہیں جہنمی بھی، قرآن مجید کو جھٹلانا ہے اور اس کا جھٹلانا کفر ہے، زید کے اور باقی جملے بھی کفر و گمراہی کے ہیں تو اس کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کہ وہ مرتد کے حکم میں ہے، فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۸ میں ہے: لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ، وکذلک لا یجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط، یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں، ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا، اسی طرح امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب مبسوط میں ہے، اھ۔ اور بعد توبہ بھی فوراً نکاح نہیں کیا جاسکتا بلکہ کچھ دنوں اسے دیکھا جائے گا کہ وہ اپنی توبہ پر قائم ہے یا نہیں جیسے کہ کوئی فاسق معلن توبہ کر لے تو فوراً اسے امام نہیں بنایا جاسکتا۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۱۳ میں ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "الفاسق اذا تاب لا یقبل شھادۃ مالم یمض علیہ زمان یظھر علیہ اثر التوبہ"۔ یعنی فاسق توبہ کر لے تب بھی اس کی گواہی نہیں قبول کی جائے گی، جب تک کہ اتنا وقت نہ گزر جائے کہ اس پر توبہ کا اثر ظاہر ہو، ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

مسئلہ: از محمد سعید نظامی، تنویر الاسلام امروڈوبھا، بستی

۱۔ مٹی کا تیل، ڈیزل، پٹرول، موبیو آئل اور گرس پاک ہیں یا ناپاک؟

۲۔ کپڑے وغیرہ میں یہ اشیاء لگ جائیں تو وہ کپڑے پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ ان کی کریہہ بو اگر کسی تدبیر سے ختم کر دی جائے تو اندرون مسجد ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ گیس جولائٹ میں استعمال ہوتی ہے اس کی طہارت یا عدم طہارت کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ اندرون مسجد اس کا سلنڈر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ۱، ۲۔ مٹی کا تیل، ڈیزل، پٹرول اور موبیو آئل پاک ہیں اگر کپڑے میں یہ چیزیں لگ جائیں تو انہیں پہن کر مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ ان کی بو کپڑوں میں باقی نہ ہو، اور گرس کے بارے میں

تاوقتیکہ یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی نجس چیز اسپرٹ وغیرہ شامل ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی بہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: ''مٹی کے تیل میں سخت بدبو ہے اور مسجد میں بدبو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا فان الملائکة تتاذی مما یتاذی منه الانس رواه الشیخان عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه''۔ امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر علامہ سیّد شامی ردالمحتار فرماتے ہیں: ''ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ما له رائحة کریهة ماکول او وغیره اھ'' (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۹۸) وهو تعالیٰ اعلم۔

۳- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اس کی بدبو بالکل جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہو جائے گا، بشرطیکہ اس لونڈر میں اسپرٹ وغیرہ کوئی ناپاک شی نہ ہو ورنہ ناپاک تیل کا بھی مسجد میں جلانا جائز نہیں، درمختار میں ہے: ''کره تحریما ادخال نجاسة فیه فلا یجوز الاستصباح بدهن نجس فیه اھ'' (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۹۸) لٰہذا مذکورہ اشیاء کی بو اگر کسی تدبیر سے دور کردی جائے تو اندرون مسجد ان کا استعمال جائز ہے، لیکن اگر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں مثلاً مٹی کا تیل بو دور کردینے کے بعد لالٹین میں ڈال کر مسجد میں جلایا جائے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لئے کہ اسے دیکھ کر لوگ غلط فہمی میں پڑیں گے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں جلایا جارہا ہے، جو ناجائز و حرام ہے۔ هذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴- گیس جو لائٹ میں استعمال میں ہوتی ہے وہ پاک ہے، لیکن اگر اس میں کریہہ بو پیدا ہو تو اندرون مسجد اس کا استعمال جائز نہیں، هٰذا ما ظهر لی والله تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از صوفی ثناء اللہ سیٹھ دکان نمبر ۳۴ ایم کے برادران کے سامنے جری مری، بمبئی نمبر ۷۲
امام نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زائد بھول گیا اور سورۂ فاتحہ ختم کردی پھر تکبیرات کہہ کر سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز ہوگئی کیونکہ حکم یہی ہے کہ اگر پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے درمیان یا اسے پڑھنے کے بعد یاد آئے تو فوراً تکبیرات زوائد کہہ لے اور سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے، غنیۃ مطبوعہ رحیمیہ ص ۵۲۹ میں ہے: نسی التکبیر فی الاولیٰ حتی قراء بعض الفاتحه اوکلها ثم تذکر یکبر ویعیدی الفاتحة اھ۔ اور

حضرت علامہ سیدابن عابدین شامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: فی البحر عن المحیط ان بدء الامام بالقراءة سهوا فتذکر بعد الفاتحة والسورة یمضی فی صلوٰة وان لم یقراء الا الفاتحة کبر واعاد القراءة لزوما لان القراءة اذا لم تتم کان امتناعا عن الاتمام لا رفضا للفرض اھ نحوہ فی الفتح وغیرہ (ردالمحتار جلد اول ص ۵۶۰)ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نوٹ: فتاویٰ فیض الرسول جلد اول ص ۴۲۹ کا فتویٰ اس فتویٰ کے مطابق صحیح کرلیں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از حاجی عبدالعزیز نوری فلیکس ٹیوبس کیبا کالونی، اندور

جولوگ غافل ہیں اللہ ورسول سے نہیں ڈرتے، ان کے حکم پر عمل نہیں کرتے، حرام وحلال اور جائز وناجائز کی پرواہ نہیں کرتے، ان کے سامنے آج کل اکثر علمائے اہلسنت قرآن مجید کی ان آیتوں پر تقریر کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے متعلق ہیں اور ان کو شفاعت کی حدیثیں سناتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب: بیشک حرج ہے، اس لئے کہ جب عام طور پر لوگ اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے، نماز نہیں پڑھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، ماہِ رمضان میں روزہ نہیں رکھتے بلکہ علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں تو جب ان کے سامنے رحمت کی آیتیں اور شفاعت کی حدیثیں بیان کی جائیں گی تو اللہ ورسول کا خوف ان کے دلوں سے بالکل جاتا رہے گا ان کی بے عملی بڑھ جائے گی اور گناہوں پر وہ لوگ اور زیادہ جری ہوجائیں گے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رحمت پر مبنی آیات اور مغفرت سے متعلق احادیث کریمہ صرف دو قسم کے بیماروں کے واسطے شفاء کا حکم رکھتی ہیں ایک بیمار وہ شخص ہے جو کثرت معصیت کے باعث ناامید ہوکر توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ مجھ بندہ روسیاہ کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں ہرگز قبول نہیں ہوگی تو ایسے شخص کے حق میں آیات رحمت اور احادیث مغفرت شفا ہوں گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ہمارے بندوں سے فرمادیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ (پ ۲۴ سورۂ زمر آیت نمبر ۵۴)

ان لوگوں کے سامنے جب یہ آیت پڑھے تو اس کے ساتھ آیت بھی پڑھے: وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ یعنی اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے سامنے گردن جھکاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ ہوسکے۔ (پ ۲۴ سورۂ زمر آیت نمبر ۵۴)

اور دوسرا بیمار وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کے خوف سے رات دن عبادت میں مشغول رہتا ہے جس سے اس بات کا اندیشہ

ہے کہ یہ زبردست اور شاقہ ریاضت اس کو ہلاک کرڈالے گی، نہ راتوں کو سوتا ہے نہ کھانا کھاتا ہے تو ایسے شخص کے لئے رحمت کی آیتیں اس کے زخموں کا مرہم ہیں......لیکن جب ان آیات واحادیث کو تو غافلوں سے بیان کرے گا تو ان کی بیماری بڑھ جائے گی اس طبیب کی طرح جس نے حرارت کا علاج شہد سے کر کے بیمار کا خون اپنی گردن پر لیا......اسی طرح یہ عالم بھی جو لوگوں کو بگاڑتا ہے حقیقت میں دجال کا رفیق اور ابلیس کا دوست ہے، جس شہر میں ایسا عالم سوء موجود ہے تو ابلیس کو وہاں جانے کی حاجت ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ عالم خود بطور اس کے نائب کے وہاں موجود ہے۔ (کیمیائے سعادت اردو سعادت ص ۶۸۶) ھٰذا ما عندی والحق عند ربی۔

الجواب صحیح

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ: محمد ابرار احمد الامجدی

۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

مسئلہ: از ولی اللہ برکاتی قصبہ مگہر محلہ شیر پور، بستی

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ پہ جو دنبہ قربانی کے لئے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے تھے وہ دنبہ جنت میں کہاں سے آیا اور جب اس کی قربانی ہوئی تو قربانی ہونے کے بعد اس کے گوشت اور کھال کا کیا ہوا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: جو مینڈھا حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرمایا تھا وہ کہاں سے آیا اس کے بارے میں اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ مینڈھا جنت سے آیا تھا اور یہ وہی مینڈھا تھا جس کو حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل نے قربانی میں پیش کیا تھا اور بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ پہاڑی بکرا تھا جو حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح ہونے کے لئے ثبیر پہاڑ سے منجانب اللہ اتارا گیا جیسا کہ پارہ ۲۳ رکوع ۷ کی آیت کریمہ: وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ط کے تحت تفسیر جلالین میں ہے: من الجنة وهو الذى قربه هابيل جاء به جبرائيل عليه السلام فذبح السيّد ابراهيم۔ اسی کے تحت صاوی میں ہے: وقيل ان كان تيسا جبليا اهبط عليه من ثبير اھ۔ اور بحوالہ بیضاوی جمل میں ہے: قيل كان وعلا اهبط عليه من ثبير اھ۔ اور تفسیر خازن میں ہے: قال اكثر المفسرين كان هٰذا الذبح كبشا رعى فى الجنة اربعين خريفا وقال ابن عباس الكبش الذى ذبحه ابراهيم هو الذى قرب، ابن آدم وقال الحسن ما فدى اسماعيل الا تيس من الروى اهبط عليه من ثبير اھ۔ اب رہا یہ سوال کہ اس مینڈھے کا گوشت وغیرہ کیا ہوا تو صاحب روح البیان کی تفسیر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سر کے علاوہ باقی اجزاء کو آگ آ کر جلا گئی جیسا کہ امم سابقہ کے لئے مقبول قربانیوں کے بارے میں عادت الٰہیہ تھی لیکن صاوی اور جمل میں ہے کہ باقی اجزاء کو درندوں اور پرندوں نے کھایا اس کے لئے جنتی چیزوں میں آگ مؤثر نہیں ہوتی، صاوی کی عبارت یہ

ہے:ما بقی من الکبش اکلته السباع والطیور لان النار لا یؤثر فیما هو من الجنة. اور جمل کی عبارت یہ ہے: ومن المعلوم المتصوران کل ما هو من الجنة لا یؤثر فیه النار فلم یطبخ لحکم الکبش بل اکلته السباع والطیور تامل اھ. واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از ابرار احمد متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی

حلال جانوروں کی اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو قربانی کے جانور کی اوجھڑی اور آنتیں کیا کی جائیں؟

الجواب: اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز نہیں، تفصیل کے لئے رسالہ ''اوجھڑی کا مسئلہ'' دیکھیں، لہٰذا قربانی کے جانور کی اوجھڑی اور آنتیں دفن کردی جائیں، البتہ اگر بھنگی کھانا چاہے تو اسے منع نہ کریں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: اوجھڑی آنتیں جن کا کھانا مکروہ ہے تقسیم نہ کی جائیں بلکہ دفن کردی جائیں اور اگر بھنگی اٹھائے منع کی حاجت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۶۷) وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد قاسم علوی خطیب لال مسجد ۱/ ۸/ ۷ اکڑا روڈ مٹیا برج کلکتہ نمبر ۲۴

زید نے عید الفطر کی امامت کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھا اور ثناء پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے تکبیر کہنے کی بجائے قرأت شروع کردی یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ ختم کردی ادو سری سورۃ کی پہلی ہی آیت شروع کی تھی کہ زید کو لقمہ دیا گیا اور زید نے لقمہ لے کر تینوں تکبیریں کہیں اور الحمد سے پھر قرأت شروع کر کے نماز ختم کی نماز کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی مگر زید نے کہا کہ نماز ہوگئی، ایک عظیم جم غفیر نماز ادا کر رہا تھا، اگر پہلی رکعت کی تینوں تکبیریں بعد قرأت کہی جاتیں تو نماز میں بے حد انتشار کا خدشہ تھا، زید نے فساد سے بچنے کی خاطر جو نماز ادا کی وہ صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حکم یہ ہے کہ پہلی رکعت میں اگر تکبیرات زوائد بھول جائے اور سورۂ فاتحہ ختم ہونے تک یاد آجائے تو اسی وقت تکبیرات زوائد کہہ لے اور سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرے، لیکن اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی سورت شروع کردے تو درمیان میں تکبیر نہ کہے بلکہ قرأت مکمل کرنے کے بعد کہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: ان بداء الامام بالقراءة سهوا فتذکر بعد الفاتحة والسورة یمضی فی صلاته وان لم یقرأ الا الفاتحة کبر واعاد

الفاتحة لزوما اھ۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۴۲ پر ہے: ”اذا نسی الامام تکبیرات العید حتیٰ قرأفانه یکبر بعد القرأة او فی الرکوع ما لم یرفع راسه کذا فی التتار خانیة ا ھ“۔

لہٰذا امام پر لازم تھا کہ جب وہ سورت شروع کر چکا تھا تو مقتدی کا لقمہ نہ لیتا اور قرأت مکمل کرنے کے بعد تکبیرات زوائد کہتا، مگر اس نے لقمہ لیا تو حکم شرع کے خلاف بیجا لقمہ لیا اور بیجا لقمہ دینے اور لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو صورت مسئولہ میں نماز فاسد ہو گئی صحیح نہ ہوئی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: فتاویٰ فیض الرسول جلد اوّل ص ۴۲۸ کا فتویٰ اس فتویٰ کے مطابق صحیح کرلیں۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

کتاب الفرائض

وراثت کا بیان

مسئلہ: از حکیم غلام محمد ٹیڑھی بازار، شہر غازی پور (یو، پی)

زید کا انتقال ہوا جس کی دو بیویاں ہیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں متوفی زید کے ذمہ دونوں بیویوں کا مہر دین واجب الادا ہے، زید کا اور کوئی وارث نہیں البتہ اس کے علاتی سوتیلے بھائیوں کی اولادیں ہیں، زید نے کوئی وصیت نامہ بھی لکھا ہے جس کا مضمون مخفی ہے، اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ زید کی وصیت پوری کی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کے ترکہ سے اس کی دونوں بیویوں اور سوتیلے بھائیوں کی اولاد کو کتنا کتنا ملے گا؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: میت کے ترکہ سے چار حقوق ترتیب وار متعلق ہوتے ہیں، اوّل اس کے مال سے تجہیز و تکفین کی جائے گی پھر ماتقی جمیع مال سے اس کے دیون ادا کئے جائیں گے پھر ماتقی مال کے ثلث سے میت کی وصیت پوری کی جائے گی، اس کے بعد بچے ہوئے مال کو میت کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: التركة متعلق بها حقوق اربعة جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدا اولا بجهازه وكفنه ثم بالدين ......ثم تنفذ وصايا ه من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين الا ان يجز الورثة اكثر من الثلث ثم يقسم الباقي بين الورثة اھ، ملخصًا۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر متوفی کے ذمہ بیویوں کا مہر باقی ہے تو تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے اس کے ترکہ سے مہر ادا کئے جائیں گے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: امرأة دعت على زوجها بعد موته ان لها عليه الف درهم من مهرها فالقول قولها الى اتمام مهر مثلها عندابی حنيفةرحمة الله تعالىٰ عليه كذا في محيط السرخسي اھ۔ پھر اگر متوفی نے وصیت کی ہے اور وصیت کے جواز کی شرطیں پائی جاتی ہیں یعنی وصیت پوری کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں تو مہر دین کی ادائیگی کے بعد بقدر جواز اس کی وصیت پوری کی جائے گی پھر مذکورہ ورثہ کی وصیت میں متوفی کے ماتقی مال کے آٹھ حصے کئے جائیں گے جس میں سے ایک حصہ اس کی دونوں بیویوں کو ملے گا اور باقی چھ حصے سوتیلے بھائی کی اولاد کو ملیں گے۔ بشرطیکہ سوتیلے بھائی سے علاتی یعنی باپ شریکے بھائی مراد ہوں۔ قال الله تعالىٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ (پ۴ ع۱۳ آیت میراث) اور درمختار میں ہے: فيفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد او ولدابن وادبع لها عند عدمها اھ۔ وهو تعالىٰ وسبحانه اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از ماسٹر اقبال احمد خان اشرفی معرفت جگن بھائی، پانڈے احاطہ، شہر گورکھپور

اگر ماں یا باپ اپنے کسی بیٹا یا بیٹی کے بارے میں کہہ دیں کہ میں نے عاق کر دیا، میری جائیداد سے اس کو حصہ نہ دیا جائے میں نے اسے اپنی میراث سے محروم کر دیا، تو اس صورت میں وہ لڑکا لڑکی اپنے ماں باپ کی وراثت سے محروم ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب: توریث ورثہ بحکم شریعت ہے، مورث اپنے کسی وارث کی وراثت کو باطل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وارث بھی اپنے حق وارث سے دستبردار نہیں ہو سکتا، لہٰذا ماں باپ اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتے، ان کا یہ کہنا میں نے فلاں کو اپنی وراثت سے محروم کر دیا لغو ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں رہا باپ کا اولاد کو اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم لاوارث کر دیا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے کچھ حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کر دیا یا انہیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کر جائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محروم الارث ہو سکے کہ میراث حق مقرر فرمودۂ رب العزت جلا وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہو سکتا بلکہ جبراً دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے کہ مجھے اپنی وراثت سے منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا، پھر دوسرا کیونکہ ساقط کر سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ اشباہ میں ہے: لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه، غرض بالقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر حالت صحت میں اپنا مال اپنی ملک سے زائل کر دے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کاہے میں جاری ہو، مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کرے گا عنداللہ گنہگار وماخوذ رہے گا حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من فر من میراث ورثه قطع الله میراثه من الجنه یوم القیمة. جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچانے سے بھاگے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرما دے۔ رواہ ابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه (فتاوٰی رضویہ جلد ہفتم ص ۳۲۵)۔ وھو سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: زید ایک بیوی دو لڑکیاں اور ایک بہن چھوڑ کر مر گیا تو اس کی جائیداد سے ان لوگوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں بعد تقدم ماتقدم علی الارث وانحصار ورثہ فی المذکورین، زید کی کل جائیداد کے چوبیس حصے کئے جائیں گے جن میں تین حصے اس کی بیوی کو ملیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ اور دونوں لڑکیاں آٹھ آٹھ حصے پائیں گی، لانه للاختین بقوله تعالیٰ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ. فهما اولیٰ ولان البنت تستحق الثلث مع الذكر فمع الانثی اولیٰ۔ اور بہن کو باقی پانچ حصے ملیں گے۔ لقول علیه الصلوٰة السلام اجعلوا

الاخوات مع البنات عصبة. وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد آدم نوری، موضع مٹیسر پوسٹ کرہی، ضلع بستی

زید نے انتقال کیا، اس نے ایک بیوی، دو عینی بھائی، ایک عینی بہن، تین علاتی بھائی اور دو علاتی بہنوں کو چھوڑا۔ تو اس کی متروکہ جائیداد ان لوگوں میں کس طرح تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں برصدق مستفتی وانحصار ورثه فی المذکورین بعد تقدیم ما یقدم کالمهر والدین والوصیة اس کی جائیداد کے بیس حصے کئے جائیں گے جن میں سے پانچ حصے اس کی بیوی کے ہیں، چھ چھ حصے اس کے عینی بھائیوں کے ہیں، اور تین حصے اس کی عینی بہن کے ہیں، اور علاتی بھائیوں اور بہنوں کا کوئی حصہ نہیں، پارۂ چہارم آیت میراث میں ہے: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ اور فتاویٰ عالمگیری جلد ششم مصری ص ۴۲۸ پر اخوت لاب وام کے بیان میں ہے: مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین کذا فی الاکافی۔ پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے: یسقط اولاد الاب باخ لاب وام کذا فی الکافی۔ هذا ما عندی وهو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حنیف میاں سسہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

باپ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو کچھ جائیداد دے کر الگ کر دیا اور بیٹے نے یہ منظور کر لیا کہ باپ کے انتقال پر اب ہم کو اس کے ترکہ میں کچھ حق نہ رہے گا، تو اس صورت میں باپ کے فوت ہونے پر اس کی جائیداد میں اس کے بیٹے کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں باپ کے انتقال پر اس بیٹے کا ترکہ میں کچھ حق نہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: بزرگ موصوف نے اپنی حیات میں صاحبزادی صاحبہ کو کچھ عطا فرما کر میراث سے علیحدہ کر دیا اور وہ بھی راضی ہوگئیں کہ میں نے اپنا حصہ پالیا اور بعد انتقال مورث کے ترکہ میں میرا حق نہیں اشباہ میں طبقات علامہ شیخ عبدالقادر سے اس صورت کا جواز نقل کیا اور اسے علامہ ابوالعباس ناطفی پھر جرجانی صاحب خزانہ پھر شیخ عبدالقادر پھر فاضل زین الدین صاحب اشباہ پھر علامہ سید احمد حموی نے مقرر و مسلم رکھا اور فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے اس پر فتویٰ دیا اور ایسا ہی فقیہ محدث ابوعمر وطبری اور اصحاب احمد بن ابی الحارث نے روایت کیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۹۵) هذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از خورشید احمد خاں رضوی رمواپور خرد پوسٹ گڑھا

عبدالوحید کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے بعد چار بھائی عبدالعزیز، عبداللطیف، عبدالرشید اور عبدالحمید اور دو لڑکیوں بتول اور زہرا کو چھوڑا، پھر ان کے بعد عبدالحمید کا انتقال ہوا، جنہوں نے مذکورہ تین بھائیوں اور دو بھتیجوں کو چھوڑا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبدالوحید اور عبدالحمید کی متروکہ جائیداد میں سے ان سب کا کتنا کتنا حصہ ہے نیز بتول نے اپنے والد عبدالوحید کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے، اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی وانحصار ورثہ فی المذکورین وعدم مانع ارث بعد تقدیم ماتقدم عبدالوحید کی منقولہ وغیر منقولہ ساری جائیداد کے کل بارہ حصے کئے جائیں گے جن میں سے چار چار حصے ان کی لڑکیوں کے ہیں، لان الثلثین للاختین بقولہ تعالٰی: فلهما الثلثان مما ترك وفهما اولٰى ولان البنت تستحق الثلث مع الذكر فمع الانثى اولى۔ اور بحیثیت عصبہ باقی چار حصوں میں سے ایک ایک حصہ ان چار بھائیوں کا ہے اور عبدالحمید کی متروکہ جائیداد کے حق دار صرف تینوں بھائی ہیں بھتیجوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، اور بتول کا اپنے باپ کی پوری جائیداد پر قبضہ کر لینا سخت ناجائز وحرام ہے، اس پر لازم ہے کہ شریعت کے مطابق ہر وارث کا جتنا حصہ ہے ان کو واپس کر دے اور یا تو معاف کرائے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو سخت گنہگار حق العباد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہوگی، حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن تین پیسے کی مالیت کے بدلے میں سات سو نماز با جماعت کا ثواب دینا پڑے گا، اگر نمازوں کا ثواب نہیں ہوگا تو دیگر نیکیوں کا ثواب دینا پڑے گا، اور دوسری نیکیاں بھی اس کے پاس نہیں ہوں گی، تو حقدار کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالٰی۔ هٰذا ما عندى وهو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از جملہ مسلمانان اہلسنّت رمواپور کلاں، پوسٹ کوڑی کول کپتان گنج ضلع بستی، یوپی

عبدالغنی ایک عورت لایا جو اپنے ساتھ شوہر کا ایک لڑکا لائی اس لڑکے کا نام محمد شفیع تھا جو عبدالغنی کی پرورش میں رہا، عبدالغنی کی اس بیوی سے چار لڑکے، بخش اللہ، علی رضا، محمد صدیق، عنایت اللہ اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جب عبدالغنی کا انتقال ہوا تو مذکورہ بالا سب لڑکے لڑکیاں زندہ تھیں چک بندی کے موقع پر عبدالغنی کے حقیقی لڑکوں نے اپنے ماں شریکی بھائی کو برابر حصہ دیا پھر محمد صدیق کی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد محمد صدیق ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہوئے ان کی جائیداد عبدالغنی کے تینوں حقیقی لڑکوں اور محمد شفیع نے بانٹ لیا اس کے بعد محمد شفیع کا انتقال ہوا، جنہوں نے ایک بیوی چار لڑکیاں تین ماں شریکی بھائی بخش اللہ، علی رضا، عنایت اللہ کو چھوڑا اور دو ماں شریکی بہنوں کو، محمد شفیع کی متر کہ جائیداد میں ان سب کا کتنا کتنا حصہ ہے؟ محمد شفیع کے انتقال کے بعد ان کی کل جائیداد عنایت اللہ نے ان کی بیوی کے نام وراثت کرا دی۔ جب محمد شفیع کی بیوی نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم کل جائیداد اپنی بہن کے نام رجسٹری کر دیں گے، تو بخش اللہ، علی رضا، عنایت اللہ کی طرف سے کورٹ میں یہ

درخواست دی گئی کہ محمد شفیع کی چھوڑی ہوئی جائیداد ہم لوگوں کی ہے، اس پر ہم لوگوں کا نام درج ہونا چاہیے، تو یہ درخواست کچھ لوگوں نے خارج کرادی، اس کے بعد محمد شفیع کی بیوی نے کل جائیداد اپنی بہن کے نام رجسٹری کردی، بخش اللہ کے لڑکے مولانا معین الدین اور علی رضا کے لڑکے جمال الدین نے محمد شفیع کی طرف سے ایک فرضی وصیت نامہ بنوا کر کورٹ میں داخل کیا کہ ہماری کل جائیداد ہمارے مرنے کے بعد بخشش اللہ اور رضا کو ملے چونکہ عنایت اللہ محمد شفیع کے سازھو ہیں۔ اس لئے وہ وصیت نامہ جو کورٹ میں داخل کیا گیا ہے، اس کے جواب میں انہوں نے یہ درخواست دی ہے کہ محمد شفیع کی بیوی کے نام منتقلی وراثت برقرار رکھی جائے تو مذکورہ بالا معاملات میں جو غلطی پر ہوں ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل طور پر تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں جبکہ محمد شفیع کے ورثہ میں لڑکیاں باحیات ہیں تو محمد شفیع کے ماں شریکی بھائی بخش اللہ، علی رضا اور عنایت اللہ نیز ماں شریکی بہنوں کا محمد شفیع کی جائیداد میں کوئی حق نہیں جیسا کہ سراجی ص ۶ پر اولاد ام کے بیان میں ہے: ویسقطون بالولد وولد الا بن وان سفل وبالاب والجد بالاتفاق۔ اور تنویر الابصار و درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۴۹۹ میں ہے: ویسقط بنو الاحیاف وهو الاخوة، والاخواة لام بالوالد وولد الا بن وان سفل وبالاب والجد بالاجماع لانهم من قبيل الكلالة كما بسطه السيد اور ردالمحتار میں ہے: (قوله بالوالد الخ) اى ولو انثى فيسقطون بستة بالا بن والبنت وابن الابن والاب والجد ويجمعهم قولك الفرع الوارث والاصول الذكور۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۴۲۸ میں ہے: ويسقط اولاد الام بالوالد وان كان بنتا وولد الابن والاب والجد بالاتفاق كذا فى الكافى۔ لہٰذا بخش اللہ، علی رضا کے لڑکے معین الدین اور جمال الدین یا عنایت اللہ کا محمد شفیع کی جائیداد سے حصہ کا مطالبہ کرنا ہرگز جائز نہیں کہ یہ مطالبہ حقیقت میں دوسرے کا مال غصب کرنے کی کوشش کرنا ہے جو بلا شبہ حرام وناجائز ہے...... رہی یہ بات کہ پھر محمد شفیع کی متروکہ جائیداد و اراضی وغیرہ کے وارث کون لوگ ہیں، تو یہ سوال میں جن ورثہ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی بیوی اور چار لڑکیوں کے علاوہ اور اگر کوئی دوسرا وارث، باپ حقیقی بھائی یا حقیقی بہن وغیرہ نہیں ہیں تو تقسیم ترکہ کی آسان صورت یہ ہے کہ پوری جائیداد کے آٹھ حصے کئے جائیں جن میں سے ایک حصہ بیوی کو دیا جائے اور باقی سات حصوں کے چار حصے بنا کر ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ دیا جائے لہٰذا محمد شفیع کی بیوی اگر کل جائیداد اپنے نام وراثت کرانے پر راضی رہی تو وہ لڑکیوں کا حق غصب کر لینے کے سبب اور عنایت اللہ وراثت اس کے نام کرانے کے سبب سخت گنہگار اور حق العباد میں گرفتار ہوئے، البتہ اگر لڑکیاں پوری جائیداد ماں کے نام وراثت ہو جانے پر راضی ہیں تو محمد شفیع کی بیوی اور عنایت اللہ پر کوئی مواخذہ نہیں، پھر اس صورت میں اگر محمد شفیع کی بیوی نے کل جائیداد اپنی بہن کے نام رجسٹری کردی تو درست ہے اور اگر لڑکیاں راضی نہ ہوں تو صرف بیوی کے حصہ کی رجسٹری درست ہے اور بقیہ حصے لڑکیوں کو وصول کر لینے کا اختیار ہے۔

اور معین الدین و جمال الدین نے جو وصیت نامہ کورٹ میں پیش کیا ہے جبکہ فرضی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو

ان دونوں پر لازم ہے کہ کورٹ سے وصیت نامہ واپس لے کر مقدمہ اٹھالیں اور جو ناحق دوسرے کا مال لینے کی کوشش کی اور بیجا پیسہ خرچ کیا اس سے توبہ کریں اور دوسرے کو پریشان کیا اور اس کا پیسہ خرچ کروایا اس سے معذرت کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، یعنی اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر جان بوجھ کر کھالو۔ (پ۲ ع۷) اور بخاری شریف کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من اخذمن الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیامه الی سبع ارضین "یعنی جو شخص دوسرے کی زمین کا کچھ بھی حصہ لے لیا وہ قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔ (انوار الحدیث ص ۳۲۷) اور بخاری و مسلم دونوں میں حدیث شریف مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه یطوقه یوم القیمة من سبع ارضین۔ "یعنی جس نے ایک بالشت زمین ظلم سے لے لی قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنا حصہ طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (انوار الحدیث ص ۳۲۷) اور طبرانی کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دوسرے کا مال لے لے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا (بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۱۶) لہٰذا معین الدین و جمال الدین اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈریں اور دوسرے کا مال ناحق لے کر اپنی عاقبت برباد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

سوال میں معین الدین کے نام کے ساتھ شاید غلطی سے مولانا لکھ دیا گیا ہے اس لیے کہ جو مولانا ہوگا اللہ سے ڈرے گا فرضی وصیت نامہ بنا کر وہ دوسرے کی جائیداد لینے کی کوشش نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"، یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (پ۲۲ ع۱۶) حضرت علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: دلت هٰذه الاية علی ان العالم یکون صاحب الخشية یعنی اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ خشیت اور خوف الٰہی عالموں کا خاصہ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص ۴۶۰) اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حاصل ان العلم یورث الخشیة وهی تنتج التقویٰ وهو موجب الاکرمیة والا فضلیة وفیه اشارة الی ان من لم یکن علمه کذالك فهو کالجاهل بل هو الجاهل۔ یعنی آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ علم دین خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے، جس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور وہی عالم کی اکرمیت و افضلیت کا سبب ہے اور آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جس شخص کا علم ایسا نہ ہو وہ جاہل کے مثل ہے، بلکہ وہ جاہل ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اص ۲۳۱) اور حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انما العالم من خشی الله عزوجل۔ یعنی عالم صرف وہی ہے جسے خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت حاصل ہے۔ (تفسیر خازن و معالم التنزیل جلد پنجم ص ۳۰۲) اور امام ربیع بن انس علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا: من لم یخش الله فلیس بعالم۔ یعنی جسے اللہ کا خوف اور اس کی خشیت حاصل نہ ہو وہ عالم نہیں۔ (تفسیر خازن جلد پنجم ص ۳۰۲)

خلاصہ یہ ہے کہ معین الدین و جمال الدین اگر کورٹ سے فرضی وصیت نامہ واپس لے کر مقدمہ نہ اٹھائیں تو وہ ظالم جفا

کار، حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہیں۔ سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے ظالموں کا سختی کے ساتھ بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۸) اور ارشاد فرمایا: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ ۱۲ ع ۱۰) هٰذا ما عندی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

مسئلہ: از نیاز احمد مقام پوکھر بھٹوا پوسٹ کھجوری، سدھارتھ نگر

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی، کچھ دن زوجیت میں رہنے کے بعد ایک بچی پیدا ہوئی اور چار دن کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا، پھر دس دن کے بعد پیدا شدہ بچی بھی فوت ہو گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کے جہیز کا مالک کون ہے؟ اور کتنا ہے؟ اور شوہر کا اس میں کیا حق ہے؟ اور پیدا شدہ بچی کا کیا حق ہے؟ اس کے جہیز کا وارث کون ہے؟ کیا ہندہ کے ماں باپ کا اس میں کچھ نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی.................. پورے جہیز کی مالک تنہا ہندہ تھی، بعد انتقال اس کے جہیز اور زیورات وغیرہ سارے ترکہ کے تیرہ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے دو حصے اس کے ماں باپ کے ہیں تین حصے اس کے شوہر کے، اور چھ حصے اس کی بچی کے ہوئے، پھر بچی کے انتقال پر اس کے چھ حصوں میں سے ایک حصہ اس کی نانی کا ہے اور باقی پانچ حصے اس کے باپ کا ہیں، اس طرح اس کی نانی کے کل تین حصے ہو جائیں گے اور اس کے باپ زید کو کل آٹھ حصے ملیں گے، پ ۴ چہارم سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱ میں ہے: وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ اور اسی آیت میں ہے: فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ اور اسی سورۂ کی آیت نمبر ۱۲ میں ہے: فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ اور فتاویٰ عالمگیری جلد ششم مصری ص ۴۲۸ پر بیان جدہ صحیحہ میں ہے: ولها السدس لاب كانت اولام اور اسی کتاب، اسی جلد کے ص ۴۲۶ پر ذوی الفروض کے بیان میں ہے کہ باپ کی تیسری حالت تعصیب محض ہے: وذالك ان لا یخلف غیره فله جمیع المال بالعصوبة، وكذا اذا اجتمع مع ذی فرض لیس بولد ولا ولد ابن۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

مسئلہ: سید افدا حسین اشرفی ترکھا پوسٹ جگدیش پور، ضلع بستی، یوپی

زید کے پاس ۲۳ ہزار روپیہ تھا جو بینک میں جمع تھا، سات سال کے لئے فکس تھا زید کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی بڑے

لڑے کا انتقال ہو گیا تھا، چھوٹے لڑکے کی وراثت بینک میں ڈالی گئی اس لئے کہ زید کی پرورش دیکھ بھال چھوٹا لڑکا ہی کرتا رہا، بڑے لڑکے کا رہن سہن سسرال میں تھا اس کا صرف ایک لڑکا ہے زید کے لڑکے کے انتقال کے بعد بینک سے روپیہ نکلوانے میں چھوٹے لڑکے کو سارا خرچ اکیلے اٹھانا پڑا اور اس میں نہ بھتیجے نے کچھ حصہ لیا نہ بہن نے بلکہ دونوں برابر انکار کرتے رہے کہ مجھے نہیں چاہیے، لیکن جب چھوٹے لڑکے کو سارا پیسہ نو سال کے بعد ملا تو اب بھتیجا اور بہن سب حصہ لینے کے لئے تیار ہیں اور خرچہ جو لگا ہے وہ دینے سے انکاری ہیں تو اب حضرت سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں کہ وہ بینک کا روپیہ میں اکیلا لے سکتا ہوں یا بھتیجے اور بہن کو بھی دینا پڑے گا میں گنہگار ہوں یا زید کو اللہ تعالیٰ کوئی سزا مستحق دے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا بڑا لڑکا اس کی زندگی میں انتقال کر گیا تھا تو اس صورت میں زید کی جائیداد سے بڑے لڑکے کی اولاد کا کوئی حصہ نہیں اور اگر زید کے بعد لڑکا فوت ہوا تو اس کی اولاد زید کے ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔ بہن اور بھتیجے نے اگر ترکہ لینے سے انکار کر دیا تھا تو اس صورت میں بھی ان کی ملکیت زائل نہ ہوئی چھوٹے لڑکے پر فرض ہے کہ زید کے روپیوں میں سے ان کا حصہ دے البتہ روپیوں کے حاصل کرنے میں جو اخراجات ہوئے ان میں سے ۲/۵ حصہ بھتیجے پر اور ۱/۵ حصہ بہن پر دینا لازم ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص ۲۳۲) اور اسی جلد کے ص ۲۳۳ پر اشباہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذا الملك لا یبطل بالترك اھ. هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

مسئلہ: ایاز محمود کلا سنگم ڈی ۲۸/ ۲۸ مدنپورہ بنارس

مسماۃ کلثوم بی بی نے اپنے دو مکان اور کچھ زیورات (جو کہ ان کے والد امین الدین نے اپنی زندگی میں بذریعہ ہبہ ان کے قبضہ وملکیت میں دیئے تھے) چھوڑ کر آج سے تقریباً دس سال پیشتر دنیائے فانی سے کوچ کیا اور انتقال کے وقت والدہ صغریٰ بی بی، شوہر حاجی محمد نیز پانچ لڑکے ایاز محمود، اعجاز سلیم، انوار کلیم، احسان تمیم، انصار فہیم اور تین لڑکیاں شہناز بانو، کنیز فاطمہ وفاطمہ کوثر کو چھوڑا، اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد صغریٰ بی بی (والدہ) کی وفات ہوئی اور انہوں نے اپنے پیچھے تین لڑکے محمد نور، بدر الدین وشمس الدین کو چھوڑا، پھر تقریباً آٹھ سال کے بعد محمد نور کا بھی انتقال ہو گیا اور انہوں نے اپنے پیچھے چھ لڑکے خالد محمود، شاہد مسعود، عابد مقصود، حامد مسجود، آصف محمود اور ساجد مشہود نیز چار لڑکیاں انجم شہلا، بلقیس زہرا، تسنیم عذرا، تنویر نجمہ اور اپنی زوجہ ثانیہ صفیہ بی بی کو چھوڑا...... بالآخر آصف محمود کی بھی وفات ہو گئی جبکہ ان کے مذکورہ پانچ بھائی اور چار بہنیں موجود ہیں اور صفیہ

بی بی بھی باحیات ہیں جو کہ ان کی حقیقی والدہ نہیں ہیں (آصف محمود غیر شادی شدہ تھے)......لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ وقت میں کلثوم بی بی کے مال وجائیداد میں شرعی حقدار کون کون ہیں اور باعتبار شرع کس فرد کا کتنا حق وحصہ بنتا ہے جبکہ مرحومہ کلثوم بی بی کی کلہم ملکیت صرف ان کے پانچ لڑکوں اور تین لڑکیوں کے قبضہ میں ہے، گزارش ہے کہ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں تاکہ ہر کوئی دوسرے کے شرعی استحقاق سے بری الذمہ ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ماتقدیم علی الارث وانحصار ورثہ فی المذکورین مسماۃ کلثوم بی بی مرحومہ کے دونوں مکان اور نقد زیورات وغیرہ کل ترکہ کے بارہ حصے کئے جائیں گے جن میں سے دو حصے مرحومہ کی والدہ صغریٰ بی بی کے ہیں اور تین حصے حاجی محمد کو ملیں گے پھر باقی سات حصوں کے تیرے حصے بنا کر دو دو حصے ایاز محمود، اعجاز سلیم، انوار کلیم، احسان تمیم اور انصار فہیم کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ کی حقدار لڑکیاں ہیں، پارہ چہارم سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱ میں ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ، پھر اسی آیت میں ہے: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ اور اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۲ میں ہے: فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ .... پھر صغریٰ بی بی کے انتقال پر ان کے دو حصوں کے تین حصے بنا کر ایک ایک حصہ محمد نور، بدر الدین اور شمس الدین کو ملے گا درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۴۹۳ پر بیان عصبات میں ہے: عند الانفراد یحرز جمیع المال اھ......اور محمد نور کے انتقال پر ان کی ایک حصہ جائیداد کے آٹھ حصے کر دیئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ ان کی بیوی صفیہ کا ہے اور باقی سات حصوں کے سولہ حصے بنا کر دو دو حصے خالد محمود، شاہد مسعود، عابد مقصود، حامد مسجود، آصف محمود، شاہد مشہود کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ انجم شہلہ، بلقیس زہرا، تسنیم عذرا اور تنویر نجمہ کو ملے گا، پارہ چہارم سورۂ نساء آیت نمبر ۱۲ میں ہے: فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ......اور آصف محمود کے حصہ کا چودہ حصہ بنا کر دو دو حصے خالد محمود، شاہد مسعود، عابد مقصود، حامد مسجود، شاہد مشہود کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ ان کی بہنوں کو جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مع بزازیہ ص ۴۵۶ پر بیان اخوات میں ہے: مع الاخ لاب وام لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کذا فی الکافی اور آصف محمود کی جائیداد سے صفیہ بی بی کو کچھ نہ ملے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ شوال ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از شفیق اللہ غفور خاں اسٹیٹ بس ڈپو کے سامنے شاستری مارگ، کرلا، بمبئی

حاجی زین اللہ کا ۱۷ دسمبر ۱۹۹۶ء کو انتقال ہوا انہوں نے ایک لڑکی اور چار بھتیجے دو بھتیجیوں کو چھوڑ اور ایک بھتیجا جو حاجی زین اللہ سے پہلے انتقال کر گیا، اس نے ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ حاجی زین اللہ مرحوم کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں ان کے بھتیجے اور بھتیجیوں کا حق ہے یا نہیں؟ جب کہ تقریباً دس سال پہلے بٹوارہ ہو چکا ہے اور سب الگ الگ رہتے ہیں اگر مرحوم کی جائیداد میں ان کے بھتیجے اور بھتیجیوں کا حق ہے تو ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟ ایک پیر صاحب سے کہا گیا

کہ شریعت کی رو سے ان کا حق ہوتا ہے تو انہوں نے مرحوم کی لڑکی کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ شریعت پر کون عمل کرتا ہے اور ایک صاحب جو مفتی کہے جاتے ہیں انہوں نے اس کی طرف داری میں کہا کہ جب بھتیجے اپنے چچا سے بانٹ کر الگ رہتے تھے تو اب ان کی جائیداد میں بھتیجوں کا کوئی حصہ نہیں، ان کے بارے میں بھی حکم شرع سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث وانحصار ورثہ فی المذکورین حاجی زین اللہ مرحوم کی منقولہ اور غیر منقولہ کل جائیداد کے آدھے حصے کی حقدار ان کی لڑکی ہے اور باقی آدھے کے چار حصے ہو کر ایک ایک حصہ چاروں بھتیجوں کو بحیثیت عصبہ ملے گا قرآن مجید پارہ چہارم میں ہے: وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ یعنی اگر ایک لڑکی ہے تو اس کا آدھا (سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱) اور بھتیجیوں کا حاجی زین اللہ کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں، اس لئے کہ قرآن نے ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے تو وہ اپنے بھائیوں کے سبب عصبہ نہیں ہوں گے جیسا کہ ردالمحتار جلد پنجم مطبوعہ نعمانیہ ص ۴۹۴ میں ہے: من لا فرض لها من الاناث واخوها عصبة لا تصير عصبة باخيها كالعم والعمة اذا كانا لاب وام اولاب كان المال كله للعم دون العمة كذا في ابن العم مع بنت العم وفي ابن الاخ مع بنت الاخ اھ۔ اور حاجی زین اللہ سے پہلے جس بھتیجے نے انتقال کیا اس کی بیوی اور بچوں کا بھی ان کے جائیداد میں کوئی حصہ نہیں کہ بھتیجے کی موجودگی میں بھتیجے کی اولاد کا کچھ حق نہیں ہوتا اگر چہ وہ یتیم اور ضرورت مند ہوں کہ وراثت کا دارومدار قرابت پر ہے نہ کہ ضرورت پر۔

لہٰذا صورت مذکورہ میں جب کہ متوفی کی صرف ایک لڑکی ہے تو اغلب یہی ہے کہ مرحوم کی پوری جائیداد پر تنہا اسی کا قبضہ ہوگا اگر ایسا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق آدھی جائیداد خود لے اور آدھی اپنے چچازاد بھائیوں کو دے دے اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو سخت گنہگار حق العباد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہوگی، حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن تین پیسے کی مالیت کے بدلے میں سات سو نماز باجماعت کا ثواب دینا پڑے گا، اگر نمازوں کا ثواب نہیں ہوگا تو دوسری نیکیوں کا ثواب دینا ہوگا اور دوسری نیکیاں بھی اس کے پاس نہیں ہوں گی تو حقدار کی برائیاں اس پر لادی جائیں گی اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، اس وقت بیجا حمایت کرنے والے پیر اور غلط فتویٰ دینے والے مفتی اسے جہنم میں جلنے سے نہیں بچا سکیں گے۔

اور شریعت کی رو سے حق کے مطالبہ پر جس پیر نے یہ کہا کہ شریعت پر عمل کون کرتا ہے تو وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں اور اس کی بیعت فسخ کر دیں، ورنہ اس کی بولی سیکھ جائیں گے اور ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوں گے، پھر جب انہیں شریعت کا حکم سنایا جائے گا تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ شریعت پر کون عمل کرتا ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ، اور مفتی نے اگر واقعی یہ کہا کہ جب بھتیجے اپنے چچا سے بانٹ کر الگ رہتا تھا تو اب چچا کی جائیداد میں بھتیجوں کا کوئی حق نہیں، تو وہ مفتی بغیر علم کے فتویٰ دے کر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من افتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والارض۔ یعنی جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا آسمان و زمین کے فرشتوں نے اس پر لعنت کی۔ (رواہ ابن

عساکر کنزالعمال جلد نمبر۰۱ص۱۱) تعجب ہے کہ نام نہاد مفتی نے کتاب الفرائض کے موانع ارث کو نہ دیکھا کہ وارث کا مورث سے بانٹ کرالگ رہنا موانع ارث میں سے نہیں ہے، اور بہار شریعت حصہ بستم ص۱۲ کا یہ مسئلہ بھی نہ پڑھا کہ پاکستان کے مسلمان اور وہ مسلمان جو ہندوستان، امریکہ، یورپ یا کہیں اور رہتے ہوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، خداعزوجل ایسے پیروں اور بے علم فتوی دینے والے مفتیوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین بحرمة سيد المرسلين صلوات الله تعالیٰ وسلامه عليه وعليهم اجمعين۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از جاوید احمد محلہ سبزی منڈی، جونپور

ہندہ کے دولڑکے ہیں اس نے ایک زمین خریدنی چاہی تو زیور بیچ کر بڑے لڑکے کو دیا کہ دونوں بھائیوں کے نام زمین لکھا لو، مگر بڑے لڑکے نے پوری زمین اپنے نام رجسٹری کرالی کچھ دنوں بعد آدھی زمین چھوٹے بھائی کو مکان بنانے کے لئے دی اور مکان تعمیر بھی ہوگیا اب بڑا بھائی کہتا ہے کہ آپ کا حصہ ہے، مگر ہمیں دے دیجئے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بينوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ ہندہ نے دونوں بھائیوں کے نام زمین لکھانے کے لئے رقم دی تھی، تو بڑا لڑکا پوری زمین اپنے نام لکھا کر ماں کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے سبب گنہگار رہوا، اب اگر چھوٹے بھائی سے اس کا حصہ کا مانگتا ہے تو دینے نہ دینے کا اسے پورا اختیار ہے بڑا بھائی اپنے نام زمین لکھوا دینے کے سبب اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا، اگر وہ ناجائز دباؤ ڈالے یا چھوٹے بھائی کا بیعنامہ میں نام نہ ہونے کے سبب بھائی اس پر مقدمہ دائر کرے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ بڑے بھائی کا بائیکاٹ کریں، قال الله تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۸) هٰذا ما عندى وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از غلام یٰسین یار علوی مقام وڈاکخانہ اموڑھا ضلع بستی

پیر محمد کے دولڑکے ہیں غلام یٰسین اور اصغر علی، غلام یٰسین تقریباً بیس سال سے گھر چھوڑ کر اپنے باپ بچوں کے ساتھ باہر رہے، اس درمیان اصغر علی نے اپنے باپ کی زندگی میں کچھ برتن اور درخت بیچ کر کھا لیے، اور جتنی اراضی تھی اسے بھی رہن رکھ کر اس کی رقم کھالی، جب غلام یٰسین گھر واپس آیا تو رہن شدہ اراضی کو باپ کی زندگی میں اور کچھ ان کے انتقال کے بعد چھڑایا اور باپ کے نام گورنمنٹ کا قرضہ تھا اس کو بھی ادا کیا، پیر محمد کے انتقال کے وقت ان کے ورثہ میں صرف یہی دولڑکے تھے، اس کے

بعد اصغر علی کا انتقال ہوا، اصغر علی نے اپنے ورثہ میں ایک بیوی دولڑکے اور ایک لڑکی کو چھوڑا اور اس کے بعد غلام یٰسین نے پوری جائیداد اپنے نام اور اصغر علی کے دونوں لڑکوں کے نام مشترکہ طور پر وراثت لکھوائی، اصغر علی کے انتقال کے وقت اس کی بیوی موجود نہیں تھی سات ماہ پہلے فرار ہو چکی تھی، انتقال کے پانچ سال بعد لڑکوں کے ساتھ واپس آ کر غلام یٰسین سے کہتی ہے کہ پوری جائیداد کا آدھا حصہ ہمارے لڑکوں کے قبضہ میں دو لیکن غلام یٰسین اس کے لڑکوں کے قبضہ میں جائیداد اس اندیشہ سے نہیں دے رہے ہیں کہ لڑکے نابالغ ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت جائیداد کو رہن رکھ دے اور رقم لے کر پھر فرار ہو جائے تو اس معاملہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: غلام یٰسین نے جو رہن شدہ زمین چھڑائی اور باپ کے نام گورنمنٹ کا جو قرضہ اس نے ادا کیا تو یہ تبرع ہے اس کا ثواب آخرت میں خدا تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا، دنیا میں اس کے عوض باپ کے ترکہ سے غلام یٰسین کچھ زیادہ حصہ نہیں پائے گا، لہٰذا پیر محمد کے انتقال کے وقت اگر غلام یٰسین اور اصغر علی صرف یہی دو لڑکے وارث تھے تو بعد تقدیم ماتقدیم علی الارث پیر محمد کی منقولہ اور غیر منقولہ کل جائیداد کے دو حصے کئے جائیں گے جن میں ایک حصہ غلام اصغر کا، پھر اصغر علی کی موت کے وقت اگر اس کے ورثہ صرف وہی لوگ تھے جو سوال میں لکھے گئے ہیں تو اس کے ایک حصہ کے آٹھ حصے کئے جائیں گے جس میں سے ایک حصہ اس کی بیوی کا ہے، یعنی اصغر علی کی پوری جائیداد کا ۸/۱ جیسا کہ پارہ چہارم سورۂ نساء آیت میراث میں ہے: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ، اور باقی سات حصے دولڑکے اور ایک لڑکی میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق تقسیم ہوں گے لہٰذا غلام یٰسین پر لازم ہے کہ وہ اصغر علی کی جائیداد کا آٹھواں حصہ اس کی بیوی کو دے اگر نہیں دیگا تو حق العبد میں گرفتار، سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہوگا، اور بچے چونکہ نابالغ ہیں اور ان کا ولی اقرب بحیثیت چچا غلام یٰسین ہی ہے، اس لئے تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ ان یتیموں کی جائیداد اپنے قبضہ میں رکھے گا اس کی حفاظت کرے گا اور اراضی وغیرہ کی آمدنی ان کی ضروریات پر خرچ کریگا، بالغ ہونے سے پہلے بچوں کی جائیداد ان پر ان کے قبضہ کا مطالبہ سراسر غلط ہے، شریعت اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از محمد عالم راجہ بازار جونپور

دادا نے اپنے بالغ پوتوں کے نام پوری جائیداد لکھ دی اس لئے کہ ان کی ماں فوت ہو گئی اور باپ نے دوسری شادی کر لی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ پوتے مذکورہ جائیداد کے مالک ہو گئے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے دادا گنہگار ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دادا نے اگر مرض الموت سے پہلے اپنے بالغ پوتوں کے نام پوری جائیداد لکھ دی اور اس پر انہیں قبضہ بھی

دے دیا تو وہ اس کے مالک ہوگئے مگر دادا اپنے بیٹے کو جائیداد سے محروم کردینے کے سبب گنہگار رہوا۔ بحرالرائق جلد ہفتم ص ۲۸۸ میں ہے: ان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو اثم كذا في المحيط۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة۔ یعنی جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچانے سے بھاگے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی میراث جنت سے کاٹ دے گا، رواه ابن ماجه عن انس بن مالك رضي الله عنه (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ۳۲۵) اور اگر بالغ پوتوں کے نام صرف لکھ دیا مگر ان کے قبضہ میں نہ دیا تو وہ دادا کی جائیداد کے مالک نہ ہوئے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی اللہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ نام لکھا دینا اگرچہ دلیل تملیک ہے مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہوتی ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۸ نمبر ۵۴) اور اگر دادا نے مرض الموت میں اپنے بالغ پوتوں کے نام پوری جائیداد لکھی تو اس صورت میں اس کا ہبہ صرف تہائی جائیداد میں جاری ہوگا۔ هٰكذا في كتب الفقه. وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

مسئلہ: از شبیر احمد قادری، محلہ ٹھٹھرا ہی مقام وڈاکخانہ مہنداول بستی

۱- مرحومہ سائرہ بانو کے جہیز کے سامان کا مالک شریعت مطہرہ کی رو سے کون ہوگا، مرحومہ نے اپنے بعد شوہر، ایک چھ ماہ کی بچی، ماں، ایک بھائی اور تین بہنیں چھوڑی ہیں۔ بينوا توجروا۔

۲- مرحومہ دس ماہ سے بیمار تھی جس کا دوا علاج اس کے دو چچاؤں نے کرایا، علاج میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے صرف ہوئے اس خرچہ کا ذمہ کس پر ہوگا؟ بينوا توجروا۔

۳- مرحومہ کی چھ ماہ کی بچی کی پرورش اور اس کے اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟ اور کب تک پرورش کے اخراجات لازم ہوں گے؟

۴- مرحومہ کے انتقال کے چند ماہ قبل اس کے شوہر نے مرحومہ کے نام ایک تحریر دی جو استفتاء کے ساتھ تھی اس تحریر سے طلاق واقع ہوگی، یا نہیں؟ اگر طلاق ہوجائے تو مرحومہ کے جہیز کے سامان وغیرہ کا حقدار کون ہوگا؟ بينوا توجروا۔

استفتاء کے ساتھ جو تحریر تھی اس کی نقل یہ ہے...... از محمد نورالدین...... میری طرف سے بانو کو معلوم ہو کہ تم اپنی زندگی بنانا چاہتی ہو تو میرا خیال دل سے نکال دو کیونکہ ہماری تمہاری کبھی نہیں جمے گی اور چچا سے کہہ کر جواب لے دو ورنہ ہمیشہ تم پریشان رہو گی اس لئے تم چچا سے کہہ کر اپنی زندگی سنوار لو، میں اب کبھی نہیں مہنداول میں آؤں گا، یہ میرا آخری تھا اور میرا خیال اپنے دل سے نکال دو بہت مہربانی ہوگی کیونکہ میں دوسری شادی کرنے جارہا ہوں میں نے تمہیں بتانا مناسب جانا اور میں اب تک ماں باپ کے دباؤ میں رکھا تھا اور اب اگر مہنداول میں آؤں تو میری ماں کا دودھ حرام ہو تم طلاق لے لو اسی میں تمہاری بھلائی ہے تم

طلاق لے لو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔اھ

الجواب: ا۔سائرہ زندگی میں اپنے پورے جہیز کی مالک تھی اب انتقال کے بعد اس کے مالک سائرہ کے ورثہ ہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم ص ۳۶۸ میں ہے: کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا اھ۔کل جہیز کے بارہ حصے کئے جائیں گے جن میں سے آدھا یعنی چھ حصے لڑکی کے ہیں تین حصے شوہر کے دو ماں کے اور ایک حصہ جو باقی بچا اس کے پانچ حصے کر دیئے جائیں گے جن میں سے دو حصے بھائی کے ہیں، اور ایک ایک حصے بہنوں کا پارہ چہارم سورۂ نساء آیت میراث میں ہے: اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اور اسی آیت میں ہے: فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ، پھر اسی آیت مبارکہ میں ہے: وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ فتاویٰ عالمگیری مع بزازیہ جلد نمبر ۶ ص ۴۵۶ پر ماں کی حالتوں کے بیان میں ہے: "السدس مع الولد وولد الابن او اثنتین مع الاخوۃ والاخوات من ای جھۃ کانوا"۔ اور اسی صفحہ پر بہنوں کی حالتوں کے بیان میں ہے: مع الاخ لاب وام لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: "علاج ودوا تو کسی پر واجب نہیں خود اپنی تو واجب نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اخر ص ۲۶۳) لہٰذا چچاؤں نے مرحومہ کا علاج کروایا وہ صلہ رحمی اور تبرع ہے۔رقم مذکور کی ادائیگی کسی کے ذمہ واجب نہیں، خدا تعالیٰ اس بھلائی پر انہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔وھو تعالیٰ اعلم۔

۳۔ بچی اپنی نانی کی پرورش میں نو سال کی عمر تک رہے گی جس کے اخراجات بچی کے باپ پر لازم ہوں گے، جب بچی کے پاس مال نہ رہے ایسا ہی بہار شریعت وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔وھو تعالیٰ اعلم

۴۔ استفتاء کے ساتھ جو تحریر منسلک تھی ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے "تم طلاق لے لو" تو تحریر مذکور اگر واقعی شوہر نے لکھی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی اپنے رسالہ مبارکہ "رحیق الاحقاق" میں طلاق رجعی کے کلمات کے لکھتے ہوئے ۱۶ نمبر پر تحریر فرماتے ہیں: طلاق لے "فی ردالمحتار: خذی طلاقك فقالت اخذت فقد صحح الوقوع به بلاء اشتراط نية كما في الفتح وكذالا يشترط قولها اخذت كما في البحر

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۵۰۹)

لہٰذا اس صورت میں مرحومہ کے جہیز وغیرہ کے کل چھ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے تین حصے اس کی بچی کے ہیں، ایک حصہ اس کی ماں کا ہے، اور باقی دو حصوں کے پانچ حصے کر دیئے جائیں گے جن میں سے دو حصے بھائی کے ہیں اور ایک ایک حصہ بہنوں کا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ